ISSN: 2349 - 0950

راہ اسلام

راہِ اسلام

اسلامی علوم ومعارف اور علمی ثقافتی افکار وعقائد کا ترجمان

شمارہ: ۲۵۶ / خصوصی شمارہ (۱۴۴۴ھ)

تحریک عاشورہ

- قیام امام حسین کے علل واسباب
- تحریک عاشورہ اور ہمارا دینی وسیاسی شعور
- اصلاح امت مسلمہ کے لئے امام حسین کا قیام
- کربلا کا مقصد امت کی تربیت
- عزاداری ایک تربیت گاہ کی حیثیت سے
- پیغامات کربلا
- کربلا صرف ایک عدیم النظیر واقعہ ہی نہیں۔۔۔
- تحریک عاشورہ، جرمن اور انگریزی مستشرقین کی نظر میں
- اربعین حسینی کی پیادہ روی اور اس کے سیاسی وسماجی اثرات کا ایک جائزہ
- سلام حسین

بسم الله الرحمن الرحيم

فَمَنْ يُرِدِ ٱللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُۥ يَشْرَحْ صَدْرَهُۥ
لِلْإِسْلَٰمِ ۖ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُۥ يَجْعَلْ صَدْرَهُۥ ضَيِّقًا حَرَجًا
كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى ٱلسَّمَآءِ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ ٱللَّهُ ٱلرِّجْسَ
عَلَى ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢٥﴾ وَهَٰذَا صِرَٰطُ رَبِّكَ
مُسْتَقِيمًا ۗ قَدْ فَصَّلْنَا ٱلْءَايَٰتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾

ترجمہ:

پس جب اللہ کسی کو ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے سینہ کو اسلام کیلئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہی میں چھوڑنا چاہتا ہے تو اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے جیسے کہ وہ زبردستی آسمان پر چڑھ رہا ہے (اس کی طرف اونچا ہو رہا ہے) اسی طرح اللہ ان لوگوں پر کثافت مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ یہ تمہارے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے آیتوں کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

(سورہ انعام: آیات ۱۲۵، ۱۲۶)

اسلامی علوم و معارف اور علمی و ثقافتی افکار و عقائد کا ترجمان

شمارہ: ۲۵۶ / خصوصی شمارہ (۱۴۴۴ھ)

تحریک عاشورہ

ایران کلچر ہاؤس، ۱۸۔ تلک مارگ، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۱

فون: ۳۴، ۳۳، ۲۳۳۸۳۲۳۲، فیکس: ۲۳۳۸۷۵۴۷

ichdelhi@gmail.com

http://newdelhi.icro.ir

مشاورین علمی

پروفیسر سید محمد عزیز الدین حسین، پروفیسر اختر الواسع

پروفیسر سید علی محمد نقوی، پروفیسر سید طیب رضا نقوی

ادارتی بورڈ

پروفیسر سید اختر مہدی رضوی ، ڈاکٹر حیدر رضا ضابط، ڈاکٹر علی رضا قزوہ

چیف ایڈیٹر	:	ڈاکٹر محمد علی ربانی
ایڈیٹر	:	پروفیسر سیدہ بلقیس فاطمہ حسینی
جوائنٹ ایڈیٹر	:	حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید غلام حسین رضوی
ناظر اشاعت	:	حارث منصور
پریس	:	الفا آرٹ، نوئیڈا، یو۔پی۔

ISSN: 2349 – 0950

صرف غیر مطبوعہ مقالہ ہی ارسال فرمائیں۔

اگر ممکن ہو تو مقالہ، بذریعہ ای میل ichdelhi@gmail.com ارسال فرمائیں۔

مقالہ، ایران کلچر ہاؤس کے پتہ پر پوسٹ بھی کر سکتے ہیں۔

مقالہ کی اشاعت کے لئے ادارتی بورڈ کا فیصلہ حتمی ہوگا۔

مقالہ نگار افراد کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

فہرست مضامین

اداریہ		۱
قیام امام حسین کے علل واسباب	مؤلف: مولانا سید اطہر عباس رضوی	۳
تحریک عاشورہ اور ہمارا دینی وسیاسی شعور	مؤلف: قدرت اللہ قربانی مترجم: مولانا سید محمد جون عابدی	۱۹
اصلاح امت مسلمہ کے لئے امام حسین کا قیام	مؤلف: مولانا ناظم علی خیر آبادی	۴۹
کربلا کا مقصد امت کی تربیت	مؤلف: مولانا سید احمد رضا رضوی	۶۳
عزاداری ایک تربیت گاہ کی حیثیت سے	مؤلف: مولانا سید جمال عباس سرسوی	۸۸
پیغامات کربلا	مؤلف: مولانا سید محمد حسنین باقری	۱۰۲
کربلا صرف ایک عدیم النظیر واقعہ ہی نہیں۔۔۔	مؤلف: الحاج مولانا سید محمد جابر جوراسی	۱۱۵
تحریک عاشورہ، جرمن اور انگریزی مستشرقین کی نظر میں	گروہ مؤلفین: سید محسن شیخ الاسلامی، امیر تیمور رفیعی، سید حسن قریشی کرین مترجم: ڈاکٹر خان محمد صادق جونپوری	۱۲۶
اربعین حسینی کی پیادہ روی اور اس کے سیاسی وسماجی اثرات کا ایک جائزہ	مؤلف: سید محمد موسوی رضابیات مترجم: مولانا ظہیر عباس	۱۴۱
سلام حسین	شاہد ندیم	۱۶۴

اداریہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ کربلا کی سرزمین پر عاشورہ ۶۱ ہجری کو جو کچھ ہوا وہ تاریخ انسانیت کے سب سے مقدس اور متاثر کن سانحہ اور مذہبی عقیدے کے عظیم ترین مظاہر میں سے ایک ہے۔ یہ احساسات، روحانیت اور اخلاقی اقدار سے بھرا ہوا ایک واقعہ، انصاف اور آخرت کی زندگی، قربانی اور وفاداری سے تعبیر ایک سرگذشت ہے۔ اگرچہ تحریک عاشورہ بظاہر ایک لڑائی تھی جس میں ایک خاص وقت اور ایک مخصوص جگہ پر معدود افراد پر مشتمل ایک گروہ کا جدید ترین عسکری اور لشکری سازوسامان سے لیس بڑے دشمن سے مقابلہ تھا اور اس جنگ میں انہیں قتل کر دیا گیا اور ان کے مال واسباب لوٹ لئے گئے۔ لیکن درحقیقت اس عظیم نہضت کی مختلف جہتیں اور اس کے اثرات امام حسین علیہ السلام کی دور اندیشی اور بصیرت کی گہرائی کو ظاہر کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اس واقعہ نے بالکل الٹا اثر چھوڑا اور بظاہر فاتح فوج؛ درحقیقت شکست کھا گئی اور امام اور ان کے اصحاب کا چھوٹا گروہ اس غیر مساوی جنگ کے حقیقی فاتح بن گئے۔ اس خونیں تحریک کو دنیا تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی اور عاشورہ کے اگلے دن سے ہی گلیوں اور دیہاتوں میں عاشوراء کی آواز گونجی اور فتح کی گونج نے تشدد کے محل کو ہلا کر رکھ دیا۔ آج اس سچائی کا راز اس تحریک کی نوعیت میں تلاش کرنا ضروری ہے اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ مسائل کی اصلاح ہو؛ انسانی فضائل اور انسانی وقار کا احیاء ہو اور ہر قیمت پر معاشرے کی اصلاح کی کوشش جاری رہے۔ چنانچہ اس وقت سے لے کر آج تک یوم عاشورہ نے ہمیشہ حق کے متلاشیوں اور سالکان طریقت کی توجہ مبذول کرائی ہے اور ہر روز اس پراسرار واقعہ کا ایک راز؛ کمال اور سعادت کی راہ پر چلنے والوں کے لیے کھل جاتا ہے اور یہ علم الٰہی کے چشمے کی طرح ہمیشہ ابلتا اور انسانی فضائل کی پیاس بجھاتا رہتا ہے۔ یہ آج بھی مسلمانوں اور دنیا کی بہت سی دوسری قوموں میں زندہ ہے، اور بہت سے مورخین اور مصنفین نے اس تحریک کے بارے میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں، یہ اسلامی اور انسانی اتحاد اور بھائی چارے کا ایک نمونہ ہے، خاص طور پر اس عظیم اور متنوع ملک ہندوستان میں امام حسین (ع) کی محبت، دیواروں اور نسلی، مذہبی اور جغرافیائی سرحدوں سے ماوراء، شیعہ اور سنی مسلمانوں، ہندوؤں، سکھوں جیسے دیگر مذاہب کے درمیان ایک مضبوط کڑی بن گئی ہے۔ یہ سب سے خوبصورت اور وسیع روایتی مذہبی تقریب ہے اور ایران اور خطے کے دیگر ممالک بالخصوص ہندوستان میں روحانی ثقافتی ورثے کی سب سے نمایاں مثالوں میں سے ایک ہے۔ ان دونوں خطوں کی

ایک مخصوص جغرافیائی اور مقامی خصوصیت نے زمین کی سالمیت کو برقرار رکھنے اور مذہبی اقدار کے تحفظ کے ساتھ ساتھ عاشورائی رسومات میں استحکام پیدا کیا ہے اور یہ امتزاج اسلامی اور انسانی اقدار کے فروغ کا باعث بھی ہے۔

ہمیں فخر ہے کہ محرم اور صفر کے ایام کے ساتھ ساتھ راہ اسلام کا یہ سہ ماہی خصوصی شمارہ، عاشورہ کے موضوع پر ہے، اس شمارے کے مضامین تحریک عاشورہ اور اس کے اثرات کو بیان کرتے ہیں۔ ان تمام تحقیقی مقالوں کا مقصد عاشورہ کی تحریک اور زندگی کے ثقافتی، سماجی اور اسلامی پہلوؤں پر اس کے اثرات کی وضاحت کرنا ہے۔ایرانی اور ہندوستانی مصنفین نے اپنے مقالوں میں امام حسین علیہ السلام کی تحریک کے اہداف اور پیغام کو بیان کرنے کےساتھ ساتھ دونوں عظیم اقوام کے ثقافتی اور مذہبی روابط کے مشترکات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ زیر نظر، سہ ماہی جریدہ کے اس شمارے میں مضامین کی فہرست مندرجہ ذیل ہے: قیام امام حسین کے علل واسباب، تحریک عاشورہ اور ہمارا دینی وسیاسی شعور، اصلاح امت مسلمہ کے لئے امام حسین کا قیام، کربلا کا مقصد امت کی تربیت، عزاداری ایک تربیت گاہ کی حیثیت سے، پیغامات کربلا، کربلا صرف ایک عدیم المثال واقعہ ہی نہیں... تحریک مسلسل ہے ، تحریک عاشورہ ، جرمن اور انگریز مستشرقین کی نظر میں، اربعین حسینی کی پیادہ روی اور اس کے سیاسی وسماجی اثرات کا ایک جائزہ۔

ڈاکٹر محمد علی ربانی

(چیف ایڈیٹر)

قیام امام حسین علیہ السلام کے علل واسباب

مولانا سید اطہر عباس رضوی الہ بادی

مقدمہ

ہم پہلے اس مقالہ میں ان تمام عناصر اور علل واسباب کا اجمالی طور پر جائزہ لیں گے جو قیام حسینی میں دخیل اور مؤثر تھے اور اس کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں جو اس قیام کا اصلی اور بنیادی عنصر ہے مختصر شرح وبسط کے ساتھ بحث و گفتگو کریں گے۔

آغاز بحث سے پہلے اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ اسلام میں ہر عمل اور اقدام کے لئے ضروری ہے کہ وہ صد فیصد آگاہی اور ارادہ وانتخاب کے ساتھ ہو۔ اسلام آگاہی اور شناخت کے بغیر کسی کام کو انجام دینے کے حق میں نہیں ہے۔ بسا اوقات ممکن ہے کوئی شخص یا کوئی گروہ اپنے اوپر ہونے والے مظالم سے تنگ آکر بغیر کسی ہدف کے اور یہ جانے بغیر کہ وہ کیا چاہتا ہے انقلاب برپا کرنے کی کوشش کرے۔ بلاشک وشبہ امام حسین علیہ السلام کا قیام ایسا قیام نہیں تھا۔ یہ مسئلہ نہ تنہا امام کے کل قیام کے بارے میں صادق ہے، بلکہ امام نے اس بات کی بھرپور کوشش کی کہ آپ کے ہر ایک صحابی اور ہر فرد اہلبیت کا عمل اور قیام عالمانہ ،آگاہانہ اور آزادانہ ہو، کیونکہ ایسا عمل ہی گرانقدر اور تاثیر گزار اور جاوداں ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ شائد یہی نکتہ اس راز سے پردہ اٹھاتا ہے کہ آخر کیوں امام علیہ السلام مختلف حیلوں اور بہانوں سے اپنے اصحاب کو مرخص کرنا چاہتے تھے ؟امام علیہ السلام مسلسل اپنے اصحاب سے یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ میں تمہیں اپنی بیعت سے آزاد کرتا ہوں تم میں سے جس کو جہاں جانا ہے چلا جائے۔ جو رہبر لوگوں کی بے اطمینانی، نارضایتی اور جہالت سے استفادہ کرنا چاہتا ہے، کیا اپنے اصحاب وانصار سے ایسی باتیں کرتا ہے ؟! حقیت میں یہی وہ نکتہ ہے جو شہدائے کربلا کو قدر و قیمت عطا کرتا ہے اور گرانقدر بناتا ہے۔ امام حسین علیہ السلام کے اصحاب وانصار نے اپنی راہ کا انتخاب ، مکمل آزادی اور آگاہی کے ساتھ کیا اور دوست یا دشمن کی طرف سے تھوڑا سا بھی جبر واکراہ کارفرما نہیں تھا۔ بنابراین، امام علیہ السلام اور آپ کے اصحاب وانصار کے تمام اقدامات مکمل آگاہی اور علم کے ہمراہ تھے۔

اسباب قیام امام حسین (ع)

جب ہم اس حوالے سے مطالعہ کرتے ہیں تو کہیں پر ہمیں امام علیہ السلام سے مطالبۂ بیعت اور بیعت سے امام علیہ السلام کے انکار کی بات نظر آتی ہے؛ کہیں پر دعوت اہل کوفہ اور امام کے اس دعوت کو قبول کرنے کی بات نظر آتی ہے اور پھر کہیں پر کلی طور پر حکومت وقت پر امام کی نکتہ چینی کی بات نظر آتی ہے۔اس موقع پر نہ تو مسئلہ بیعت اور امام کے انکار بیعت پر کوئی توجہ دکھائی دیتی ہے اور نہ تو دعوت اہل کوفہ کی بات دکھائی دیتی ہے۔اس موقع پر امام علیہ السلام زمانہ کے حالات اور حکومت وقت کی وضع و حالت پر نکتہ چینی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، ظلم و فساد کا بازار گرم ہونے کی بات کرتے ہیں،اسلام میں تبدیلی کی بات کرتے ہیں کہ کیسے اس کی ماہیت تبدیل کردی گئی ہے،حلال خدا کے حرام اور حرام خدا کے حلال کرنے کا ذکر کرتے ہیں،اس وقت کہتے ہیں کہ ایسے پر فتن دور اور پرآشوب ماحول میں ایک مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ ایسے احوال و شرائط میں خاموش تماشائی بن کر نہ بیٹھے۔

یہاں پر ہم دیکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام نہ بیعت کی بات کرتے ہیں اور نہ دعوت اہل کوفہ کا کوئی ذکر کرتے ہیں۔آخر مسئلہ کیا ہے؟کیا مسئلہ ، مسئلۂ بیعت ہے؟ یا مسئلہ ،مسئلۂ دعوت ہے؟ یا پھر مسئلہ ،مسئلۂ اعتراض و نکتہ چینی، منکرات کا عام ہونا اور ظالم و جابر حکومت کے خلاف علم احتجاج بلند کرنا ہے؟ان میں سے کون سی بات قیام امام کا باعث بنی؟اس مسئلہ کی ہم کس بنیاد پر توجیہ کریں؟اس کے علاوہ یزید اور ما قبل کے ادوار میں کون سا واضح فرق تھا؟ بالخصوص معاویہ علیہ الھاویہ اور اس کے فرزند پلید یزید عنید کے دور میں کیا فرق تھا کہ امام حسن علیہ السلام نے معاویہ سے صلح کی لیکن امام حسین علیہ السلام نے کسی بھی صورت یزید سے صلح کرنا گوارہ نہ کیا اور آپ ایسی صلح کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ملحوظ خاطر رہے کہ دونوں اماموں نے صلح بھی کی ہے اور قیام بھی کیا ہے،امام مجتبی علیہ السلام نے ابتدا میں معاویہ کی لشکر کشی کے مقابلے فوج تیار کرکے شام کی سمت مدائن اور ساباط تک پیشروی کی، لیکن نامساعد حالات اور شرائط کی وجہ سے آپ کو صلح کرنی پڑی۔امام حسین علیہ السلام نے بھی چونکہ معاویہ کے ساتھ اپنے بھائی کی صلح کو قبول کیا تھا،اپنے بھائی کی شہادت کے بعد معاویہ کی مدت حکومت میں قیام سے پرہیز کیا اور معاویہ کی موت اور مدت صلح ختم ہونے کے بعد حکومت یزید کے مقابلے قیام کیا۔بنابراین، دونوں نے نوبت وار صلح بھی کی اور قیام بھی کیا۔بدو نظر میں ممکن ہے

پیغمبرؐ کی اس حدیث "اِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ اِمَامَانِ قَامَا اَوْ قَعَدَا"[1] کے تحت یہ تصور ہو کہ صلح ایک امام سے اور جنگ دوسرے امام سے مربوط ہے لیکن مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں شائد صحیح تفسیر وہی ہو جو اوپر مذکور ہوئی۔[2] حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام علل واسباب دخیل اور مؤثر تھے، اور امام نے ان تمام علل واسباب کے مقابلے ایک خاص ردّ عمل پیش کیا۔ بعض ردّ عمل کا تعلق مطالبۂ بیعت اور انکار بیعت سے ہے اور بعض ردّ عمل کا تعلق اہل کوفہ کی دعوت سے ہے اور بعض ردّ عمل کا تعلق اس دور میں رائج منکرات اور فسادات سے ہے۔

استاد شہید مطہری، مؤلف کتاب " شہید جاوید" نعمت اللہ صالحیٰ نجف آبادی اور استاد محقق مہدی پیشوائی کے نقطۂ نگاہ سے امام علیہ السلام کے قیام کے علل واسباب کو تین باتوں میں خلاصہ کیا جاسکتا ہے:

۱۔ مطابۂ بیعت

۲۔ دعوت اہل کوفہ

۳۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

۱۔ مطالبۂ بیعت

قیام امام علیہ السلام میں مسئلہ بیعت کتنا دخیل تھا اور امام علیہ السلام کا اس حوالے سے کیا ردّ عمل تھا اور صرف مطالبۂ بیعت کے حوالے سے امام علیہ السلام پر کیا فریضہ عائد ہوتا تھا؟ اس عنوان کے تحت ہم ان تمام سؤالات کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ معاویہ علیہ الہاویہ کس طرح سے تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ امام حسن علیہ السلام اپنے اصحاب کی بے وفائی اور سستی و کاہلی کے نتیجے میں معاویہ کے ساتھ ایک مؤقت معاہدہ صلح پر دستخط کرتے ہیں۔ یہ معاہدہ معاویہ کی حکومت وخلافت کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ اس بنیاد پر تھا کہ معاویہ اگر حکومت کرنا چاہتا

۱۔ مناقب آل ابی طالب، ج ۳، ص ۳۹۴۔

۲۔ سیرہ پیشوایان، مہدی پیشوائی، ص ۱۴۳۔

ہے تو وہ ایک محدود مدّت تک حکومت کرے اور اس کے بعد اس کا اختیار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوگا۔ جس کو وہ بہتر سمجھیں گے خلافت کے لئے منتخب کر لیں گے۔ معاویہ کے دور تک مسئلہ خلافت ایک موروثی مسئلہ نہیں تھا؛ ایسا مسئلہ تھا جس کے بارے میں صرف دو طرح کی رائے تھی ایک رائے یہ تھی کہ سزاوارِ خلافت صرف اور صرف وہ شخص ہے جس کو پیغمبر خداؐ کے حکم سے منصوب کریں اور دوسری یہ کہ لوگوں کو خود اپنا خلیفہ چننے کا حق حاصل ہے۔ خلاصہ کسی بھی خلیفہ کو اپنا جانشین چننے کا حق حاصل نہیں ہے۔ صلح امام حسن کی ایک شرط یہی تھی کہ معاویہ اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین معین نہیں کرے گا لیکن معاویہ نے دیگر شرائط کی طرح اس شرط پر بھی عمل نہیں کیا اور اپنے بیٹے یزید کے لئے میدان ہموار کرنے کی خاطر امام علیہ السلام کو حیلہ و تزویر کے ساتھ زہر دغا سے شہید کرادیا تاکہ کوئی دعویدار باقی نہ رہ جائے اور اس کا راستہ صاف ہو جائے۔ معاویہ اپنے باپ ابو سفیان کی دیرینہ خواہش کا احترام کرتے ہوئے روز اوّل سے اس بات کا مصمم ارادہ کر چکا تھا کہ خلافت کو خاندان ابو سفیان سے باہر نکلنے نہیں دے گا۔ مؤرخین کے بقول وہ خلافت کو ملوکیت اور سلطنت میں تبدیل کرنے کا خواہشمند تھا، لیکن یہ بات وہ خود بھی محسوس کرتا تھا کہ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ اس بارے میں بہت زیادہ سوچا کرتا تھا، اپنے خاص دوستوں کے درمیان اس بات کو رکھتا تھا لیکن برملا اظہار نہیں کرتا تھا کیونکہ سمجھتا تھا کہ یہ کام ہونے والا نہیں ہے۔

مؤرخین کے بقول جس شخص نے اس کو اس کام کیلئے مہمیز کیا اور اطمینان دلایا کہ یہ کام ہو سکتا ہے، مغیرہ بن شعبہ تھا۔ اور یہ کام اس نے دوبارہ کوفہ کا گورنر بننے کی لالچ میں کیا تھا۔ اس مقصد کے لئے اس نے شام کا سفر کیا اور یزید سے اپنی ایک ملاقات میں کہا کہ نہیں معلوم معاویہ تیرے بارے میں کیوں اتنی کوتاہی کر رہا ہے، آخر اس کو کس بات کا انتظار ہے؟ تجھ کو لوگوں کے سامنے اپنے جانشین کے طور پر پیش کیوں نہیں کر رہا ہے؟ یزید نے کہا: میرا باپ سوچتا ہے کہ یہ کام ہونے والا نہیں ہے۔ مغیرہ نے کہا: کیوں نہیں بالکل ممکن ہے۔ آخر تجھے کس بات کا اندیشہ ہے؟ کہاں کے لوگوں کے بارے میں سوچتا ہے کہ وہ اس کام میں رکاوٹ ڈالیں گے؟ شام کے لوگ بسر و چشم قبول کریں گے۔ رہی بات مردم مدینہ کی تو اس کام کے لئے فلاں شخص بہترین انتخاب ہے وہ اس کام کو انجام دے گا اور سب سے اہم اور خطرناک عراق ہے، اس کی ذمہ داری میں خود لیتا ہوں۔ خلاصہ اس طرح سے یزید کی جانشینی کی بساط بچھائی جاتی ہے۔ کوفہ اور مدینہ کے لوگ قبول نہیں کرتے ہیں اور معاویہ خود مدینہ آنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اور کبار اہل مدینہ حضرت امام حسین علیہ السلام، عبد اللہ بن

عمر اور عبد اللہ بن زبیر کو ہر ممکن طریقے سے قانع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اس کی چرب زبانی اور لسّانیت بیکار جاتی ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ کوئی بھی اس بات کے لئے آمادہ اور تیار نہیں ہے تو مسجد النبی میں لوگوں کو یہ کہہ کر فریب دینے کی کوشش کرتا ہے کہ ان لوگوں کو یزید کی جانشینی پر کوئی اعتراض نہیں ہے انھوں نے میرے بعد یزید کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا ہے؛ لیکن اس کی یہ سازش بھی ناکام ہو جاتی ہے۔

معاویہ مرتے وقت یزید کے بارے میں شدید تشویش کا شکار رہتا ہے۔ اسی لئے اس کو ان تینوں حضرات کے بارے میں چند نصیحتیں کرتا ہے اور اس کو تلقین کرتا ہے کہ ان حضرات میں کس سے کس طرح بیعت لی جائے۔ خاص طور پر حکم دیا کہ امام حسین علیہ السلام سے زیادہ نرمی اور ملائمت کے ساتھ پیش آئے۔ کہا: حسین فرزند رسول ہیں، ان کا مسلمانوں کے نزدیک ایک خاص مرتبہ ہے، اس لئے جنگ اور ظفر کی صورت میں حسین سے سختی کے ساتھ پیش نہ آنا۔ معاویہ خوب جانتا تھا کہ اگر یزید نے حسین کے ساتھ سختی کی اور اپنے ہاتھ کو خون حسین سے آلودہ کیا تو خلافت اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی اور پھر اولاد ابو سفیان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خلافت سے محروم ہو جائے گی۔ لیکن یزید نے تخت خلافت پر متمکن ہونے کے فوراً بعد اپنے باپ معاویہ کی نصیحتوں کی کوئی پرواہ نہیں کی اور ایسا کام کیا کہ کھل کر خاندان ابو سفیان کا کوئی نام لینے والا باقی نہ رہا۔

سنہ ۶۰ ہجری میں معاویہ کی موت کے بعد یزید نے حاکم مدینہ ولید بن عتبہ کو ایک خط لکھتا ہے اور اس خط میں معاویہ کی موت کی خبر دیتا ہے اور اسی کے ساتھ ایک مخصوص علیحدہ خط میں اپنا شدید حکم صادر کرتا ہے کہ عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن زبیر بالخصوص حسین بن علی سے میری بیعت لے لے اور اگر بیعت نہ کریں تو سر تن سے جدا کر کے میرے پاس بھیج دے۔ ان دونوں کے ساتھ امام کو دار الامارہ میں طلب کیا جاتا ہے۔ وہ دونوں نہیں جاتے مگر امام کچھ جوانان بنی ہاشم کے ہمراہ حاکم مدینہ کے پاس جاتے ہیں اور جوانان بنی ہاشم کو دار الامارہ کے باہر رہنے کی تاکید فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر میری آواز بلند ہو تو اندر آنا ورنہ باہر میرا انتظار کرنا[1]۔ ولید امام کو مرگ معاویہ کی خبر دیتا ہے۔ امام کلمۂ استرجاع ادا کرتے ہیں۔ اس کے بعد حاکم مدینہ امام سے یزید کے لئے بیعت طلب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اسلام و مسلمین کی مصلحت اسی میں ہے کہ آپ یزید کی بیعت کر لیں۔ امام فرماتے ہیں: *اِنَّ الْبَیْعَۃَ لَا تَکُوْنُ سِرّاً تو مجھ سے بیعت کیوں طلب کر رہا

۱۔ معالی السبطین، ج۱، ص۲۱۱۔

ہے؟خدا کے لئے تو بالکل بھی نہیں ہے۔تو مجھ سے اس لئے بیعت طلب کر رہا ہے کہ مجھے دیکھ کر دوسرے لوگ بھی یزید کی بیعت کریں۔اس نے کہا: ہاں ایسا ہی ہے۔امام نے فرمایا: ایسی صورت میں میرے بیعت کرنے کا کیا فائدہ کہ جہاں صرف تیں لوگ موجود ہیں۔حاکم کہتا ہے :آپ بجافرماتے ہیں ، ٹھیک ہے کل روز روشن میں سب کے ساتھ آکر بیعت کیجئے گا۔یہ دیکھتے ہی مروان بن حکم بول پڑتا ہے : ولید کیا کر رہا ہے ؟اگر حسین اس وقت یہاں سے بیعت کئے بغیر چلے گئے تو پھر کبھی ہاتھ نہ آئیں گے اور بیعت لینا ممکن نہ ہوگا۔اس لئے بہتر ہے کہ بموجب حکم خلیفہ ، حسین کے سر و تن میں جدائی کردے۔یہ سنتے ہی امام نے مروان کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا اور اس کو زور سے زمین پر دے مارا اور فرمایا :يَابنَ الزَّرْقَاء اَنْتَ تَقْتُلنِیَ اَمْ هُوَ كَذِبْتَ وَالله وَاَثِمْتَ[1] اے فرزند زن نیل گوں چشم تو مجھے قتل کرے گا یا یہ ،خدا کی قسم تو جھوٹا اور گنہگار ہے۔اس کے بعد امام نے ولید کی جانب رخ کیا اور فرمایا :*اَيُّهَا الْاَمِيرُ اَنْتَ تَعْلَمُ بِاَنَّا اَهلُ بيتِ النُّبوةِ وَمَعْدِنُ الرِّسَالَةِ وَمُخْتَلَفُ الْمَلٰائِكَةِ بِنَا فَتَحَ اللهُ وَبِنَا يَخْتِمُ وَيَزِيْدُ رَجُلٌ فَاسِقٌ شَارِبُ الْخَمرِ قَاتِلُ النَّفسِ الْمُحْتَرَمَةِ مُعْلِنٌ بِالْفِسْقِ وَالْفُجُورِ وَاِنَّ مِثْلِی لَا يُبَايِعُ مِثلَهٗ لٰكِنْ نَصْبِحُ وَتَصْبِحُونَ وَنَنْظُرُوَ تَنْظُرُونَ اَيُّنَا اَحَقُّ بِالخِلَافَةِ وَالْبَيْعَةِ*[2] اے حاکم تو تو جانتا ہے کہ ہم اہلبیت نبوت اور معدن رسالت ہیں ، ہماری چوکھٹ پر فرشتے جبہ سائی کرتے ہیں ، ہم نقطہ آغاز خلقت ہیں اور ہمیں پر دنیا کا خاتمہ ہوگا؛رہی بات یزید کی تو وہ مرد فاسق ، شارب الخمر ، قاتل نفس محترمہ اور فسق و فجور کا دلدادہ ہے ،اور مجھ جیسا اس کے جیسے کی بیعت کبھی نہیں کرے گا۔رات ڈھلنے دے، دونوں صبح ہونے کا انتظار کرتے ہیں اور غور کرتے ہیں کہ ہم دونوں میں کون سزاوار خلافت و بیعت ہے۔

بہرحال قیام حسینی میں دخیل اور مؤثر پہلا عنصر بلاشک و شبہ مسئلۂ بیعت ہے کہ یزید نے امام سے مطالبۂ بیعت کیا اور اس بات کی گواہ تمام تواریخ و سیر اور مقاتل کی کتابیں ہیں۔یزید اپنے ایک جداگانہ مخصوص خط میں اس طرح لکھتا ہے :خُذِ الْحُسَينَ بِالْبَيْعَةِ اَخْذاً شَدِيْداً[3] حسین سے بیعت لینے کے لئے ان کو سختی کے ساتھ

۱۔معالی السبطین ، شیخ محمد مہدی حائری ، ص ۲۱۲۔

۲۔سابق حوالہ ، ج۱، ص ۲۱۲۔

۳۔مقتل مقرم ، ص ۱۴۰

اپنی گرفت میں لے لے اور جب تک بیعت نہ کریں انھیں آزاد نہ کر۔امام علیہ السلام نے بھی اس مطالبۂ بیعت کے جواب میں مکمل استقامت و جوانمردی کا ثبوت دیا اور اسی شدت کے ساتھ بیعت سے انکار کر دیا یہاں تک کہ یہ انکار بیعت آپ کی شہادت تک اسی آب وتاب اور قوت کے ساتھ باقی رہا۔چنانچہ روز عاشوراء امام علیہ السلام کے اس نورانی بیان سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کا انکار اسی قوّت کے ساتھ آخری لمحات حیات تک باقی رہا:لَا وَاللّٰہِ لَا اُعطِیکُم بِیَدِی اِعطَاءَ الذَّلِیلِ وَلَا اَفِرُّ فِرَارَ العَبِیدِ آپ کا ایک اور نورانی اور حماسی بیان بھی اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ انکار بیعت اسی قوّت کے ساتھ آخری نفس حیات تک باقی رہا:اَلَا وَاِنَّ الدَّعِی یَابْنَ الدَّعِی قَدْ رَکَزَ بَیْنَ اثْنَتَیْنِ بَیْنَ السَّلَّۃِ وَالذِّلَّۃِ وَھَیْھَاتَ مِنَّا الذِّلَّۃ یَابَی اللّٰہُ ذَالِکَ لَنَا وَرَسُولُہ وَالْمُؤْمِنُونَ وَحُجُورٌ طَابَتْ وَ طَھُرَتْ*[۲] زنازادہ، فرزند زنا زادہ نے میرے سامنے صرف دو راستے چھوڑے ہیں یا شمشیر بدست ہو کر عروس شہادت کو گلے لگاؤں یا یزید کی بیعت کرکے ذلت و خواری کے ساتھ زندگی گزاروں؛ذلّت وخواری حسینؑ سے کوسوں دور ہے اور ہمارے لئے یہ ذلّت وخواری نہ خدا کو پسند ہے اور نہ اس کے رسول کو پسند ہے ،نہ مؤمنین کو پسند ہے اور نہ ان پاک و پاکیزہ آغوشوں کو پسند ہے جن آغوشوں میں، میں پروان چڑھا ہوں۔

قیام حسینی کے اس عنصر سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ احقاق حق اور ابطال باطل کی راہ میں ہمیں اسی طرح استقامت و پائیداری ، حمیت و غیرت ، شجاعت و شہامت اور شدت و حدت کا مظاہرہ کرنا چاہئے بھلے ہی اس راہ میں ہمیں اپنی جان کیوں نہ گنوانی پڑے۔

اس سبب کی ابتدا تو معاویہ کے آخری دور سے ہو چکی تھی فرق صرف اتنا ہے کہ معاویہ کی موت اور یزید کے تخت حکومت پر متمکن ہونے کی بعد اس میں شدّت وحدّت اور فوریت آگئی تھی۔

۲۔دعوت اہل کوفہ

۱۔ارشاد شیخ مفید، ص ۲۳۵۔

۲۔تحف العقول، ص ۲۴۱۔

قیام امام علیہ السلام کا دوسرا سبب دعوت اہل کوفہ کو بتایا جاتا ہے۔ شائد بعض کتابوں میں پڑھا ہو یا بعض مقررین سے سنا ہو کہ ۶۰ ہجری میں معاویہ واصل جہنم ہوتا ہے، اس کے بعد اہل کوفہ امام حسین علیہ السلام کو کوفہ آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ یزید کو اپنا خلیفہ تسلیم نہیں کرتے۔ امام حسینؑ کوفہ جانے کا قصد کرتے ہیں، اہل کوفہ غداری و بے وفائی کرتے ہیں اور آپ کی نصرت سے پہلو تہی کرتے ہیں اور امام حسینؑ شہید ہو جاتے ہیں۔ انسان جب یہ تاریخ پڑھتا ہے تو سوچتا ہے کہ شائد امام حسین علیہ السلام ایسے شخص تھے جو اپنے گھر میں آرام وسکون کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور انھیں کسی سے کوئی غرض نہیں تھی اور کسی چیز کے بارے میں کچھ نہیں سوچتے تھے، تنہا جس چیز نے امام کو مہمیز کیا، وہ اہل کوفہ کا امام کو دعوت دینا تھا، در حالیکہ امام حسین علیہ السلام یزید کی حکومت کے اوائل میں ہی بیعت سے انکار کر چکے ہوتے ہیں اور اس کے بعد مدینہ سے خارج ہوتے ہیں اور اپنے قیام کا آغاز کرتے ہیں، اور چونکہ مکّہ حرم امن الٰہی ہے اور وہاں پر زیادہ امن وامان موجود ہے اور مسلمان اس جگہ کو بہت زیادہ احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور حکومت بھی مکّہ کا احترام کرنے پر مجبور ہے، اس لئے امام حرم امن الٰہی کو آباد کرتے ہیں۔ تقریبا ڈیڑھ مہینہ بعد اہل کوفہ کے خطوط آنے شروع ہوتے ہیں۔ دعوت پر مشتمل اہل کوفہ کا ایک بھی خط مدینہ نہیں آتا اور امام اپنے قیام۔ نہضت۔ کا آغاز مدینہ سے شروع کرتے ہیں۔ اہل کوفہ کے خطوط امام حسین کو مکہ پہونچنے کے ڈیڑھ ماہ بعد ملنے شروع ہوتے ہیں، جبکہ امام پوری شدّت وحدّت کے ساتھ رجب کے اواخر میں بیعت یزید سے انکار کر چکے ہوتے ہیں، اور یہی چیز امام کے لئے بہت خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ امام خوب جانتے تھے کہ یزید اور یزیدی کبھی بھی طلب بیعت سے دستبردار نہ ہوں گے اور امام کے بیعت کرنے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اگر بیعت کرنا ہوتی تو مدینہ چھوڑ کر مکہ کیوں آباد کرتے۔ بنابراین، دعوت اہل کوفہ امام کے قیام اور نہضت کی اصلی وجہ نہیں ہے بلکہ فرعی وجہ ہے۔ دعوت اہل کوفہ کا زیادہ سے زیادہ فائدہ جو سوچا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس دعوت نے امام علیہ السلام کو عوام الناس اور قضاوت تاریخ کے لحاظ سے بری الذمّہ کر دیا۔ لیکن تعجب اس بات پر ہے کہ کتاب *شہید جاوید* کے مؤلف نے قیام امام کی بنیادی اور اصلی وجہ دعوت اہل کوفہ کو قرار دیا ہے۔

کوفہ ایک بڑا شہر تھا اور اسلامی فوج کا مرکز تھا[۱]۔اور اسلامی ممالک کی سر نوشت میں اس کا بہت مؤثر کردار تھا۔اس بناء پر اگر اہل کوفہ اپنے عہد و پیمان پر باقی رہتے تو شائد امام حسین علیہ السلام کامیاب بھی ہو جاتے۔

اس وقت کے کوفہ کا نہ مدینہ ومکّہ سے موازنہ کیا جاسکتا ہے اور نہ خراسان سے کوئی موازنہ کیا جاسکتا ہے۔اس کا ہم پلّہ فقط شام تھا۔دعوت اہل کوفہ کی زیادہ سے زیادہ تاثیر اس قیام کی تشکیل میں یہ ہے کہ امام مکہ سے حرکت کریں اور کوفہ کو اپنا مرکز قرار دیں۔۔لہٰذا دعوت اہل کوفہ کا عمل دخل ایک فرعی امر میں ہے اور بس یعنی یہ نہضت اور قیام عراق میں صورت پذیر ہو ورنہ قیام کی یہ اصلی وجہ ہر گز نہیں ہے۔جب امام کوفہ کی سرحد کے نزدیک پہونچتے ہیں تو لشکر حر آکر سدّ راہ ہوتا ہے۔امام کوفیوں سے کہتے ہیں: تم نے مجھے بلایا ہے اب اگر تم نہیں چاہتے ہو تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے کہ لوٹ جاتا ہوں اور جا کر یزید کی بیعت کر لیتا ہوں اور اپنی ان تمام باتوں سے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، ظلم وفساد اور ان حالات میں ایک مسلمان کی ذمہ داری کے حوالے سے کہی ہیں ان تمام باتوں سے دستبردار ہو جاتا ہوں اور بیعت کرکے خانہ نشین ہو جاتا ہوں۔،ایسا ہر گز نہیں ہے۔بلکہ مقصود امام یہ ہے کہ میں اس حکومت کو صالح نہیں سمجھتا اور ایسے میں اپنی ایک ذمہ داری سمجھتا ہوں، تم اہل کوفہ نے مجھے بلایا اور کہا کہ اے حسین ہم تمہارے مقصد میں تمہاری نصرت کریں گے ، تم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عنوان سے قیام کیا ہے، ہم تمہاری مدد کریں گے ،اب کہتے ہو کہ اہل کوفہ اپنے عہد و پیمان پر باقی نہیں رہے تو لو میں بھی کوفہ نہیں جاتا اور اپنے اصلی مرکز کی طرف واپس چلا جاتا ہوں، مدینہ و حجاز یا مکہ واپس چلا جاتا ہوں۔لیکن یاد رہے میں کسی بھی صورت میں بیعت نہیں کروں گا، بھلے ہی مجھے اپنی جان قربان کیوں نہ کرنی پڑے۔لہٰذا اس سبب کا زیادہ سے زیادہ اثر یہ ہے کہ امام مکّہ چھوڑ کر کوفہ کی جانب روانہ ہوئے۔

۳۔امر بالمعروف و نہی عن المنکر

قیام امام حسین علیہ السلام کا تیسرا اور بنیادی سبب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔اور یہ نصّ کلام امام ہے۔جب امام نے انکار بیعت کرنے کے بعد مدینہ کو خیر باد کہنے کا ارادہ کیا، اس وقت ایک وصیت نامہ ترتیب

۱۔اس دور میں اسلامی ملک کے دو مرکز تھے: کوفہ اور شام

دیا [بقول شہید مطہری اگر اس کو وصیت نامہ نہ کہہ کر سفارشنامہ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا] اور اس کو محمد حنفیہؒ کے حوالے کر کے مدینہ سے روانہ ہوئے وصیت نامہ کا متن کچھ اس طرح ہے:

''هٰذَا مَا اَوْصٰى بِهِ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍ اَخَاهُ مُحَمَّداً الْمَعْرُوفُ بِابْنِ الْحَنَفِيَةِ اِنِّیْ مَاخَرَجْتُ اَشِراً وَلَا بَطِراً وَلَا مُفْسِداً وَلَا ظَالِماً اِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْاِصْلَاحِ فِیْ اُمَةِ جَدِّیْ اُرِیْدُ اَنْ آمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَاَنْهٰی عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَسِيْرُ بِسِيْرَةِ جَدِّیْ وَاَبِیْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْطَالِبِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ''۔ میں نے جاہ طلبی، خوش گزرانی، روئے زمین پر فتنہ و فساد کا بازار گرم کرنے اور ظلم و ستم روا رکھنے کے لئے قیام نہیں کیا، میرا قیام اس لئے ہے کہ میں اپنے جد کی امّت کی اصلاح کروں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کروں اور چاہتا ہوں کہ اپنے اب وجد کی سیرت پر چلوں [جو میرے جد کی وفات کے بعد اس پچاس برس کے عرصے میں نذر طاق نسیاں ہو چکی ہے] امام علیہ السلام دنیا کو اپنے اب وجد کی سیرت سے روشناس کرانا چاہتے تھے وہی سیرت جس کو ادوار ثلاثہ میں بھی بھلا دیا گیا تھا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو شوری میں کبھی قرآن و سنت کے علاوہ سیرت شیخین کی قید نہ لگائی جاتی۔ یہ وہی شرط تھی جس کو حسین علیہ السلام کے بابا علی علیہ السلام نے قبول نہیں کیا اور عثمان نے قبول کرلیا اور مسلمانوں کے خلیفہ بن بیٹھے [بھلے ہی بعد میں جس شرط کی بنیاد پر وہ حضرت خلیفہ بنے تھے اس کو پس پشت ڈال دیا اور انجام کار بنی امیہ کو پروان چڑھانے کے جرم میں سفاکانہ طریقے سے قتل کردئے گئے] اس وقت دنیائے اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے علاوہ ایک اور چیز تھی اور وہ چیز تھی روش و سیرت پیغمبرؐ، جو اس پچاس برس کے عرصے میں امیر المؤمنینؑ کے دور خلافت کو چھوڑ کر نذر طاق نسیاں ہو چکی تھی۔ امیر المؤمنینؑ کے عہد خلافت مہد میں بھی مکمل طور پر سیرت پیغمبر رائج نہیں ہو سکی، کیونکہ ابو بکر و عمر و عثمان نے ایسی روش اختیار کی تھی کہ علی جیسا سالک راہ خدا بھی بہت سارے موارد میں روش و سیرت پیغمبرؐ کو رائج کرنے پر قادر نہیں تھا۔ جب امام علی علیہ السلام سیرت پیغمبرؐ کو نافذ کرنا چاہتے تو لوگ آپ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے۔ نماز تراویح اس امر کی بین دلیل ہے، جو اہلسنت کے یہاں باجماعت پڑھی جاتی ہے، یہ عمر کی ایجاد ہے۔ نماز نوافل کے لئے پیغمبرؐ کی سیرت میں باجماعت نماز پڑھنا نہیں ہے۔ علی علیہ السلام کے روکنے ٹوکنے پر ہر طرف سے واعمراہ کی صدائیں بلند ہونے لگتی تھیں۔ امام قاضی شریح کو برکنار کرنا چاہتے تھے، لوگوں نے کہا: اے علی آپ اس شخص کو برکنار کرنا چاہتے ہیں جو بیس برس پہلے سے عمر کے دور سے منصب قضاوت پر فائز ہے۔ بنابراین، اس پچاس برس کے عرصے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے علاوہ

رہبری کی روش تبدیل ہوچکی تھی۔امام حسین علیہ السلام کا یہ قول کہ :*اَسِیْرُ بِسِیْرَۃِ جَدِّی وَاَبِی *میں اپنے اب وجد کی سیرت پر چلنا چاہتا ہوں ؛یعنی نہ سیرت ابو بکر،نہ سیرت عمر نہ سیرت عثمان اور نہ کسی اور کی سیرت ؛یہی وجہ ہے کہ واقعہ عاشوراء میں ہمیں حسین بن علی کی ذات میں ایسے جلوے دکھائی دیتے ہیں جو اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ مسئلہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر،،مسئلہ انکار بیعت،اور مسئلۂ دعوت اہل کوفہ کے علاوہ کوئی دوسرا کام بھی ہے اور وہ یہ ہے وہ اپنے جد کی سیرت کو دوبارہ زندہ کرنا چاہتے تھے ؛چنانچہ امام حسین علیہ السلام نے عام طور پر مدینہ سے لے کر کربلا تک کے سفر میں اور بالخصوص صبح عاشور سے لیکر عصر عاشور تک پیغمبر کی سیرت کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا اور سیرت پیغمبرؐ کے کسی گوشے اور نمونے کو تشنہ نہیں چھوڑا اور اس کے لئے حسین کو ایک وسیع میدان کی ضرورت تھی جہاں پیغمبرؐ کی سیرت کے ہر رخ کی عملی تصویر پیش کی جاسکے اور اس مقصد کے لئے حسین نے کربلا کا انتخاب کیا،اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ حر حسین علیہ السلام کو گھیر کر کربلا نہیں لایا بلکہ یہ حسین علیہ السلام تھے جو حر کو اپنے ساتھ کربلا لے کر آئے تھے تاکہ صبح عاشور عروس شہادت کو گلے لگا کر حقیقی اور دائمی زندگی سے سرافراز ہوسکے اور احترام نام فاطمہ سلام اللہ علیہا کا انعام پاسکے۔تاریخ کا طالبعلم سیرت پیغمبرؐ کے ایک نمونہ کا مطالعہ امام رضا علیہ السلام کی نماز عید الفطر میں کرسکتا ہے جہاں سیرت پیغمبرؐ کے اس نمونہ کی تجلی سے گھبرا کر مامون کو حضرت رضا علیہ السلام کو واپس بلانا پڑتا ہے۔نماز عید تو پہلے بھی ہوتی تھی لیکن روش پیغمبرؐ کے مطابق ہر گز نہیں۔

امام حسین علیہ السلام کے دور میں پیغمبرؐ کی سیرت تبدیل ہوچکی تھی زمین سے لے کر آسمان تک کا فرق تھا۔دور ابو بکر اور عمر میں تھوڑا بہت سیرت پیغمبرؐ کا لحاظ کیا گیا لیکن دور عثمان میں سیرت پیغمبرؐ نے بالکل ہی دوسری شکل اختیار کرلی۔خلیفۂ مسلمین کے زیادہ تر نامناسب اقدامات کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (ص) پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ نہیں تھے بلکہ سیرتِ پیغمبرؐ پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ تھے۔

امام حسین علیہ السلام کے دور میں جس نے پیغمبرؐ کو دیکھا ہے،ابو بکر و عمر کو دیکھا ہے اور علی علیہ السلام کے عہد خلافت مہد میں علی (ع) کو دیکھا ہے وہ اب دنیائے اسلام کے مرکز میں آکر ایک ایسے جوان کو دیکھتے ہیں جو خاصا لمبا چوڑا اور بقولے حسین و جمیل ہے،لیکن چہرے پر نشانات ہیں،ایک شاعر مسلک جوان ہے،بہت اچھے شعر کہتا ہے لیکن تمام اشعار شراب وکباب،معشوق اور سگ و میمون کی تعریف میں ہوتے ہیں۔جس تک رسائی حاصل کرنے کے لئے سات دروازوں سے گزرنا پڑتا ہے۔مشتاق ملاقات کو پہلے دربانوں سے نجات

حاصل کرنا پڑتی ہے، تفتیش کے بعد اگر وہاں سے گزر گیا تو اس کے بعد بھی اور دروازوں اور دربانوں کو پار کرنے کے بعد شرف زیارت نصیب ہو سکتا ہے۔ وہاں پہونچنے کے بعد کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص آراستہ مقام پر تخت طلا پر بیٹھا ہوا ہے اور وہاں طلائی اور نقرئی کرسیاں لگی ہوئی ہیں اور ان کرسیوں پر اعیان واشراف اور دیگر ممالک کے سفیر بیٹھے ہوئے ہیں اور اس شخص کے پہلو میں زربفت کے قیمتی لباس سے آراستہ ایک بندر بیٹھا ہوا ہے۔ ایسا شخص کہتا ہے: میں خلیفۂ رسول ہوں۔ دستورات الٰہی کا نفاذ اس کے ہاتھ میں ہے۔ نماز جمعہ بھی پڑھاتا ہے، خطبہ بھی دیتا ہے، یہاں تک کہ عوام کو موعظہ بھی کرتا ہے۔ یہاں پہونچ کر وہ سمجھتا ہے کہ حسینی قیام دنیائے اسلام کے لئے کتنا مفید ہے اور کس طرح اس قیام نے ان اسرار سے پردہ اٹھایا ہے۔ اس دور میں ارتباطی وسائل نہیں تھے۔ ایک جگہ کے لوگ دوسری جگہ کے حالات وواقعات سے باخبر نہیں ہوتے تھے۔ آمد ورفت بھی بہت کم تھی اور جو افراد کبھی کبھار مدینہ سے شام جاتے تھے ان کو یزید اور اس کی حکومت کی کوئی خبر نہیں ہوتی تھی۔ شہادت امام حسین کے بعد مدینہ کے لوگ انگشت بدنداں رہ گئے۔ یہ کیسے ہو گیا؟ فرزند پیغمبرؐ کو قتل کر دیا گیا، کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا، حقیقت ماجرا جاننے کے لئے عبد اللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ کی سرپرستی میں بغرض تحقیق مدینہ سے ایک وفد شام کے لئے روانہ ہوتا ہے تاکہ شام جاکر قتل امام حسینؑ کی وجہ معلوم کرے۔ وفد کی واپسی پر لوگوں نے پوچھا کہ آخر کیا بات تھی؟ جواب ملا: کیا بتائیں! بس اتنا سمجھ لو کہ ہم لوگ جتنے دنوں تک وہاں رہے ہمیشہ دعا کرتے رہے کہ خدایا! ایسا نہ ہو کہ ہم پر آسمان سے پتھر کی بارش ہو اور ہم ہلاک ہو جائیں۔ ہم ایسے شخص کے پاس سے آرہے ہیں جس کا مشغلہ شراب نوشی، مے گساری، اور سگ بازی ومیمون بازی ہے۔ لہو ولعب کا دلدادہ ہے۔ محارم سے زنا کرنا اس کے لئے معمول کی بات ہے، یہ ہے کل حقیقت جس کی پردہ پوشی کے لئے حسین علیہ السلام کو شہید کیا گیا۔ اہل مدینہ کے قیام کی بنیادی وجہ یہی ہے جس کی پاداش میں واقعہ حرہ رونما ہوا اور اس کے بعد ایک سلسلہ چل نکلا۔

امام حسینؑ جب تک زندہ رہے ایسی باتیں کہتے رہے: وَعَلَی الْاِسْلَامِ اَلسَّلَامِ اِذْ قَدْ بُلِیَتِ الْاُمَّةُ بِرَاعٍ مِثْلِ یَزِید[1] اگر امت مسلمہ کی باگ ڈور یزید جیسے شخص کے ہاتھ میں ہو پھر اسلام کا فاتحہ سمجھو۔ لیکن اس وقت کسی کی سمجھ میں آپ کی بات نہیں آرہی تھی، لیکن آپ کی شہادت کے بعد دنیائے اسلام میں جیسے زلزلہ آگیا۔ اس کے

۱۔ مقتل مقرم، ص ۱۴۶۔

بعد لوگ گئے اور قریب سے جا کر دیکھا اور سمجھا کہ جو چیز وہ آئینہ میں دیکھنے سے قاصر تھے وہ حسین کو خشت خام میں نظر آرہی تھی۔انھیں اب حسین کی حقانیت کا یقین آیا کہ حسین (ع) حرف بہ حرف اپنے موقف میں صادق تھے؛ یہ تھا وہ مقصد جس کے لئے حسین نے قیام کیا[۱]۔

امام نے اپنے اس اقدام سے یہ ثابت کر دیا کہ کبھی کبھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی راہ میں لوگوں کو عمیق اور گہری بیہوشی سے جگانے کے لئے پانی کی نہیں بلکہ خون کے چھیٹوں کی ضرورت پڑتی ہے نیز امام کے اس اقدام سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کوئی حد نہیں ہے،البتہ اس کے لئے ضروری ہے کہ آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر حسین جیسا ہو،ورنہ وہ احتمال تاثیر کے فلسفہ میں الجھ کر رہ جائے گا۔

امام علیہ السلام دعوت اہل کوفہ سے پہلے مدینہ میں اپنے قیام کا آغاز اس اعلان سے کرتے ہیں کہ میری شرعی ذمّہ داری ہے کہ میں حکومت کے مقابلے قیام کروں، کیونکہ دنیائے اسلام میں منکرات کا بول بالا ہے اور ہر طرف فسادات اور ظلم وستم کا بازار گرم ہے۔در حقیقت امام کی نظر میں اگر یزید امام سے مطالبۂ بیعت نہیں کرتا،اگر اہل کوفہ امام کو دعوت نہیں دیتے،تو بھی امام پر لازم تھا کہ بموجب حکم شرع اسلام کو لاحقہ اور ممکنہ خطرات سے بچانے اور محفوظ رکھنے کے لئے قیام کرتے اور حکومت وقت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے۔یہ اتفاق تھا کہ مرگ معاویہ کے فورا بعد یزید مطالبۂ بیعت کرتا ہے اور امام انکار کرتے ہیں اور انکار بیعت کے نتیجے میں جب کوفیوں کو امام کے انکار بیعت کی خبر ملتی ہے تو وہ امام کو کوفہ آنے کی دعوت دیتے ہیں۔اگر مطالبہ بیعت اور دعوت اہل کوفہ یہ دونوں باتیں نہ بھی ہوتیں تو بھی امام ضرور قیام کرتے۔یہی وجہ ہے کہ امام اپنے قیام کا اعلان کرتے وقت نہ مطالبۂ بیعت کا ذکر کرتے ہیں اور نہ دعوت اہل کوفہ کا۔

مندرجہ ذیل دو نکات پر توجہ مبذول کرنے سے اس سبب اور عنصر کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے:

۱۔حماسۂ حسینی،استاد مظہری،ج۲،ص۲۵۷۔

۱۔امام ترکِ مدینہ اور دعوت اہل کوفہ سے پہلے محمد حنفیہّ کو سپرد کئے گئے اپنے وصیت نامہ میں فرماتے ہیں: ''میرا قیام اصلاح کے لئے ہے اور میں بموجب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قیام کر رہاں ہوں''۔

۲۔امام کوفیوں کی بیوفائی سے باخبر ہونے کے بعد نہ صرف یہ کہ اپنے قیام کو ختم نہیں کرتے ،اور نہ صرف یہ کہ یزید کی بیعت نہیں کرتے بلکہ اہل کوفہ کی بیوفائی کے بعد آپکا انداز اور بدل جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ امام کے ہیجان انگیز ترین خطبات اور اقوال ، کوفہ کی شکست کے بعد تواریخ و مقاتل کے مابین السطور نظر آتے ہیں ،ہم ذیل میں اس کے کچھ موارد کی نشان دہی کرتے ہیں :

۱۔اَیُّھَاالنَّاسُ اِنَّ الدُّنْیَا قَدْ اَدْبَرَتْ وَآذنَتْ بِوِدَاعٍ وَاَنَّ الْاٰخِرَۃَ قَدْ اَقْبَلَتْ وَاَشْرَقَتْ بِصَلَاحٍ اَلَا تَرَوْنَ اَنَّ الحَقَّ لَا یُعْمَلُ بِہِ وَاِنَّ البَاطِلَ لَا یُتَنَاھٰی عَنْہ؟ لَیَرْغَبُ الْمُؤمِنُ فِی لِقاءِ اللّٰہِ مَحقاً[1] کیا نہیں دیکھ رہے ہو کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور باطل سے اعراض نہیں کیا جارہا ہے۔ایسے ناگفتہ بہ حالات و شرائط میں لازم ہے کہ ایک مؤمن لقاء پروردگار کی تمنا کرے اور اپنی جان ،جان آفریں کے سپرد کردے؛یعنی امر بالمعروف اور نہی المنکر کی اس قدر اہمیت اور قدر و قیمت ہے۔

۲۔راہ مکہ اور کربلا کے درمیان حالات کی تشریح کرتے ہوئے اپنے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں: اِنِّیْ لَا اَرَیٰ الْمَوتَ اِلَّا سَعَادَۃً وَالْحَیَاۃَ مَعَ الظَّالِمِینَ اِلّا بَرَماً[2] اے لوگو! میں ایسے حالات و شرائط میں مرنے کو صرف سعادت سمجھتا ہوں[بعض نسخوں میں شہادت کی لفظ موجود ہے] یعنی اگر کوئی امر بالمعروف اور نہی المنکر کی راہ میں قتل ہو جائے تو وہ شہید ہے ۔سعادت کے بھی یہی معنی ہیں ۔اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنے کو صرف ملامت سمجھتا ہوں ۔یعنی ظالموں کے ساتھ صلح وآشتی حسین کی فطرت سے ناسازگار ہے۔

۱۔تحف العقول ص ۲۴۵۔ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ ۔
۲۔سابق حوالہ۔

اس سے بھی زیادہ صراحت کے ساتھ امام اپنے فریضہ کی ادائیگی اس وقت کرتے ہیں جب حالات بہت مایوس کن ہوتے ہیں اور یہ وہ وقت ہے جب امام عراق کی سرحد کے قریب پہونچتے ہیں اور حر کے لشکر سے آپ کا سامنا ہوتا ہے۔ وہاں پر امام اتمامِ حجت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اوج کمال پر پہونچاتے ہوئے فرماتے ہیں:

۳۔اَیُّھَا النَّاس !مَنْ رَایٰ سُلْطَاناً جَائِراً مُسْتَحِلاً لِحَرامِ اللّٰهِ ،نَاکِثاً لِعَهْدِ اللّٰهِ ،مُسْتَاثِراً لِفَیءِ اللّٰهِ ،مُعْتَدِیاً لِحُدُودِ اللّٰهِ ، فَلَمْ یُغَیَّرْ عَلَیْہِ بِفِعْلٍ وَلَا قَولٍ کَانَ حَقاً عَلَی اللّٰهِ اَنْ یدخله مَدْخَلَہ ۔اَلَا وَاِنَّ ھٰؤُلَاءِ القَوْمِ قَدْ اَحَلُوا حَرامَ اللّٰهِ وَحَرَّمُوا حَلَالَہ وَاسْتَاْثَرُوافِیْ ءِاللّٰهِ؛[1] اے لوگوں جس وقت کوئی کسی بھی ظالم وجابر حاکم کو دیکھے کہ وہ قانون الٰہی کو تبدیل کررہا ہے، حلال کو حرام اور حرام کو حلال کررہا ہے، مسلمانوں کے بیت المال کو اپنے شخصی مقاصد کے لئے استعمال کررہا ہے، حدود الٰہی کو پائمال اوران کی ان دیکھی کررہا ہے اور وہ ایسے حالات وشرائط میں اپنے قول وفعل سے اس کو بدلنے کی کوشش نہیں کررہا ہے اور فریضۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے بتمام مراتب غافل ہے اور خاموش تماشائی بنا بیٹھا ہوا ہے تو سزاوار ہے کہ خدا ایسے شخص کا وہی انجام کرے جو اس ظالم وجابر سلطان اور حاکم کا ہونے والا ہے ،اس کے بعد امام'' اِنَّ ھٰؤُلَاءِ الْقَوم '' کہہ کر آل امیہ کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ کیا تم نہیں جانتے یہ تمام صفات رزیلہ اور اوصاف پلیدہ ان کے اندر پائے جاتے ہیں۔اس لئے اے لوگوں ایسے حالات میں جو بھی اس وقت سکوت اختیار کرے گا وہ بھی خدا کے نزدیک انھیں کے زمرہ میں شمار کیا جائے گا۔

جب انسان امام علیہ السلام کو ان صفات وخصائل کا مرقع اور مجموعہ پاتا ہے تو اس کے دل سے بے ساختہ یہ آواز نکلتی ہے کہ سزاوار ہے کہ نام حسین تاابد، زندہ وتابندہ رہے، کیونکہ حسین نے خود اپنے لئے کچھ نہیں کیا، خود کو انسان اور انسانیت،انسانی اقدار کی بالادستی اور توحید وعدالت کے لئے وقف اور قربان کردیا۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنے اور اپنے اصحاب وانصار کے خون سے وہ موج پیدا کی کہ اس موج نے سوئی ہوئی انسانیت اور مردہ دل انسانوں کو بیدار کردیا۔اس کے لئے ضروری تھا کہ امام تنہا نہ ہوتے ،اس لئے امام نے اپنے ہم خیال اور ہم عقیدہ لوگوں کی مختصر سی جماعت تیار کی کیونکہ اس موج میں جتنا زیادہ وسعت اور شدت

۱۔تاریخ طبری، ج۴، ص ۳۰۴۔

ہو گی، بہتر ہو گا۔امام نے اپنے اور اپنے اصحاب و اہلبیت کے خون سے بیدار مغز انسانوں کے دلوں پر وہ پیغام نقش کیا جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جاوداں ہو گیا اور اس کی جاودانگی کا راز، اس پیغام اور قیام کا آگاہانہ اور صادقانہ ہونا ہے۔رسول گرامی اسلام ﷺ اپنی لسان حق ترجمان سے اس حقیقت کی ترجمانی یوں فرماتے ہیں: ''اِنَّ لِقَتْلِ الْحُسَیْنِ حَرَارۃً فِی قُلُوبِ الْمُؤمِنِینَ لَا تَبْرُدُ اَبَداً''[1] قتل حسین سے مؤمنین کے دلوں میں وہ حرارت ہے جو کبھی خاموش اور سرد نہ ہو گی۔

نتیجہ

جان کلام یہ کہ امام نے پہلی فرصت میں بموجب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قیام کیا،اس کے بعد بلحاظ اہمیت، امام کی نگاہ میں یزید پلید کا نامشروع مطالبۂ بیعت ہے،اور سب سے آخر میں دعوت اہل کوفہ۔لہٰذا اگر دعوت اہل کوفہ کا وجود نہ ہوتا اور یزید کی طرف سے مطالبۂ بیعت بھی نہ ہوتا،اس کے باوجود بھی امام عالی مقام ضرور بالضرور قیام کرتے۔

بیشک امام کا قیام ہمارے لئے حجت قاطع ہے لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ہمارے ائمہ کی سیرت میں ہمیشہ نااہلوں کے خلاف قیام و خروج حاکم نہیں رہا،بلکہ صلح وآشتی سے بھی ہمارے ائمہ نے کام لیا ہے۔اس کا راز شرائط زمان و مکان کی تبدیلی ہے جس کی شناخت ہر چیز پر مقدم ہے،کیونکہ شرائط کی عدم شناخت بڑے بڑے خطرات کو جنم دے سکتی ہے اور بلا کسی شک و تردید کے عمل کی درستگی سے اطمینان کے لئے بہترین راہ، زیر سایۂ ولایت حرکت کرنا ہے۔

۱۔ جامع الاحادیث الشیعۃ،ج ۱۲،ص ۵۵۶۔

تحریک عاشورہ اور ہمارا دینی و سیاسی شعور

مولف: قدرت اللہ قربانی

مترجم: مولانا سید محمد جون عابدی

تحریک عاشورہ کے تحفظ کے سلسلہ میں ہماری مذہبی اور سیاسی سوجھ بوجھ کا لازمہ یہ ہے کہ ہم زمانہ کے مطابق تبدیل ہوتے رہنے والے اس تحریک کے تین اصول یعنی اہداف و مقاصد، طریقہ کار اور اس کے وسائل کی شناخت اور آگہی پیدا کریں اور انہیں ایک دوسرے سے جدا کریں۔ اس سلسلہ میں تحریک عاشورہ کی کلیت، ثبات، آفاقیت، فطرت بشر اور مذہبی نصوص کے ساتھ سازگاری اور اکثریت کو اپنی طرف جذب کرنے جیسی خصوصیات اس تحریک کے مقاصد، طریقہ کار اور وسائل کو معین کرنے میں مرکزی کردار ادا کرتی ہیں۔ بلکہ اس تحریک کے اہداف کے پیش نظر ان خصوصیات کی حقیقت اور ان کا کردار روشن ہو جاتا ہے۔

چنانچہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس تحریک (عاشورہ) کے اہم مذہبی اور سیاسی اہداف ہیں اور عزاداری ان مقاصد تک پہونچنے کا طریقہ اور امامبارگاہیں اس تحریک کا وسیلہ قرار پاتے ہیں؛ کیونکہ طریقہ کار اور وسائل کی اہمیت اسی وقت ہوتی ہے جب وہ اہداف و مقاصد تک پہونچنے کے کام آئیں۔ اور ائمہ معصومین علیہم السلام خصوصا امام حسین علیہ السلام سے محبت، انکی معرفت واطاعت اور تحریک عاشورہ کے سیاسی اور مذہبی اہداف میں ان ہستیوں کو نمونہ عمل قرار دینے میں ان تینوں امور کا اہم کردار ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ وہ امور ہیں جن کی بنیاد پر ہم افراط اور جذباتی ہونے سے بچتے ہیں اور ہمارے دینی اور سیاسی شعور میں اضافہ ہوتا ہے۔ ہماری ہدایت کے میدان میں ائمہ معصومین علیہم السلام کا کردار اس بات سے کہیں زیادہ اہم ہے کہ ہم صرف انہیں اپنی حاجتوں کے پورا ہونے کا ذریعہ قرار دیں۔ تو اس بنیاد پر مذہبی اور سیاسی سوجھ بوجھ اور عقلیت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ امامت اور تحریک عاشورہ کے اہداف و مقاصد کو پورا کرنے کی راہ میں قدم بڑھائیں، اس کی صحیح راہ و روش اور وسائل کو استعمال کریں تاکہ یہ امور مقاصد کے حصول کی راہ میں فائدہ مند اور مؤثر ثابت ہو سکیں؛ کیونکہ راہ و روش، طریقہ کار اور وسائل وقتی اور گذر جانے والے امور ہوتے ہیں۔

کلیدی الفاظ

مذہبی عقلانیت اور شعور، تحریک عاشورہ، امام حسینؑ، سیاست

ا۔ مقدمہ

آج بطور عام مسلمانوں اور بطور خاص شیعوں کی مذہبی اور سیاسی عقلانیت اور شعور سے مراد تحریک عاشورہ کے مذہبی اور سیاسی پہلوؤں کی شناخت، اس تحریک کے تحفظ کی کیفیت اور زندگی کے مادی اور روحانی امور میں زیادہ سے زیادہ بہرہ مند ہونے کے طریقہ کو جاننا ہوتا ہے۔

اس واقعہ کو رونما ہوئے چودہ سو سال کا زمانہ گذر چکا ہے اور تاریخ گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے سلسلہ میں مختلف باتیں، تشریحیں اور تفسیریں کی جاتی رہی ہیں، اس کے سلسلہ میں الفاظ اور مطالب کے لحاظ سے مختلف قسم کی تحریفیں دیکھنے کو ملی ہیں تو اس بات کے پیش نظر آج کے متدین اور مذہبی مفکرین کی ذمہ داری بنتی ہے کہ تحریک عاشورہ کے سلسلہ میں تجدید نظر کریں اور ارتقائی مراحل تک پہنچنے کے لئے جدید افکار کو مد نظر رکھتے ہوئے کام کریں اور اس کے لئے ضروری ہے کہ اس تحریک کو پھر سے جانا جائے، اس کے بارے میں پھر سے غور کیا جائے، اس کے سلسلہ میں ائمہ علیہم السلام کے طرز فکر سے آشنائی پیدا کی جائے، یہ جاننے کی کوشش کی جائے کہ تاریخ گذرنے کے ساتھ اس کو کس طرح محفوظ رکھا جاسکتا ہے اور موجودہ دور میں اس کے مذہبی اور سیاسی اہداف تک کس طرح پہونچا جاسکتا ہے۔ اس لئے تحریک عاشورہ سے متعلق جذباتی اور غافل عوام کی طرف سے ہونے والی لفظی اور معنوی غلطیوں کے سلسلہ میں ان افراد کی ذمہ داری زیادہ بڑھ جاتی ہے جو اس تحریک سے آگاہی اور آشنائی رکھتے ہیں؛ کیوں کہ تحریک عاشورہ سے متعلق عوام کی جہالت، غفلت اور افراطی جذبات نے اس تحریک کی عظمت اور روحانیت کو ضعیف کر دیا اور اسے صرف مادی یا تھوڑا مادی اور تھوڑا روحانی امور تک محدود کر دیا ہے اور امام حسینؑ اور شہدائے کربلا کو صرف اپنی حاجات کے پورا ہونے کا ذریعہ ہی سمجھا جاتا ہے۔ گویا یہ شخصیات انکی قرضدار ہیں اور انہوں نے اپنی شہادتیں صرف ہماری دنیوی اور اخروی حاجتوں کو پورا کرنے کے لئے دی تھی۔ اور ہم اپنی تمام حاجات ان سے مانگیں اور انکی ذمہ داری ہے کہ ہماری تمام حاجات کو پورا کریں۔ اسی طرح عاشورہ اور کربلا کے سلسلہ میں عوام کی کج فکری کا نتیجہ یہ ہے کہ واقعہ عاشورہ کو مافوق بشر جانا جائے اور اسے اس طرح پیش کیا جائے کہ وہ ہماری دینی اور سیاسی زندگی کے لئے نمونہ عمل بن ہی نہ سکے۔ اور اس طرح اس تحریک کے سماجی پہلو کو خصوصا سیاسی میدان میں مسخ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور اس پر ثمر اور غنی تحریک کے اہداف کو مکمل طور پر فراموش کر دیا جاتا ہے۔

در حقیقت تحریک عاشورہ کو مذہبی اور سیاسی امور میں نمونہ عمل قرار دینے کے سلسلہ میں ہمیشہ سے جو ایک چیلنج رہا ہے وہ اس تحریک کی تاریخ میں تحریف، اس کی روایت کو بیان کرنے کے انداز اور اس کی سمجھ اور خود اس کی سیاسی تفسیر کے سلسلہ میں رہا ہے جسے امام حسینؑ کے بعض شیعوں اور چاہنے والوں کی طرف سے بیان کیا گیا ہے، اگرچہ خطرہ اب بھی موجود ہے کیونکہ عوام کے درمیان خرافات بھی رائج ہیں اور معاویہ صفت افراد کی طرف سے اس کا غلط استعمال بھی ہو رہا ہے۔ تو اس بنیاد پر تحریک عاشورہ کے سلسلہ میں شیعہ مفکرین کی ذمہ داری سنگین اور اہم ہو جاتی ہے۔

ان مشکلات کے پیش نظر ہم اس تحقیق میں کچھ سوالات کے جواب دینے کی کوشش کریں گے کہ:

اس عظیم اسلامی تحریک اور اس کے اہداف کے تحفظ اور شیعہ اور مسلمان مفکرین کے دینی اور سیاسی شعور اور عقلانیت کے درمیان کا رابطہ کیا ہے؟

اس کے جواب میں ان تمام قابل قدر تحقیقوں اور کوششوں کے ساتھ جنہیں مفکرین نے انجام دیا ہے، ہم تحریک عاشورہ کو بیان کرنے، سمجھنے، اس کے تحفظ اور اسے عوام کی طرف منتقل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے سلسلہ میں اس تحریک کے اہداف تک پہونچنے کی طریقہ کار اور وسائل کو جدید طرز سے بیان کریں گے اور اس میں دوبارہ غور کرنے کی تاکید کریں گے۔

در اصل ہمارا اصلی مدعا یہ ہے کہ تحریک عاشورہ کو مذہبی اور سیاسی میدان میں نمونہ عمل بنانے کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ اسمیں لفظی اور معنوی تحریف، اور اس کے تین اصول یعنی اہداف، طریقہ کار اور وسائل کے سلسلہ میں غفلت برتنا اور ان کا صحیح استعمال نہ کرنا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ مذہبی اور سیاسی میدان میں تحریک عاشورہ کے کچھ اہم اہداف و مقاصد تھے جنہیں تاریخ میں مناسب طریقوں اور وسائل کے ذریعہ محفوظ رکھ کر عوام تک پہونچانا چاہئے تھا؛ جبکہ ان تینوں امور کو مبہم رکھا گیا اور بعض افراد کے ذریعہ اس کی غیر مناسب اور غلط تفسیر کی گئی جس کے نتیجہ میں اس عظیم تحریک کے مقصد کی جگہ اس کے طریقہ کار اور حکمت عملی نے لے لی اور شیعہ اور پیروان امام حسینؑ، تحریک عاشورہ کے مذہبی اور سیاسی مقصد سے جو اس کا سب سے اہم مقصد تھا، غافل اور دور ہوتے چلے گئے۔

لہٰذا ہم یہاں پہلے مجموعی طور پر مذہبی اور سیاسی تحریکوں کے مقاصد، طریقہ کار اور وسائل کی اہمیت، خصوصیت اور طرز استعمال کی وضاحت کریں گے تاکہ تحریک عاشورہ میں ان کے سلسلہ میں دوبارہ غور و فکر کے لئے

میدان فراہم ہوسکے اور اس تحریک کے سلسلہ میں ان کا کردار اور غلط استعمال کے نتائج اور اشتباہات آشکار ہو سکیں۔

۲۔ مذہبی اور سیاسی مقاصد، طریقہ کاراور وسائل کے استعمال اور ان کی خصوصیات میں دوبارہ غوروفکر کی ضرورت اور اہمیت

جیساکہ پہلے عرض کیاکہ تحریک عاشورہ جیسی ہر مذہبی، سیاسی اور سماجی تحریک کے پیچھے کچھ اہداف و مقاصد ہوتے ہیں جن سے خود ان تحریکوں کے زمانے میں یا ان کے رونما ہونے کے بعد (جیسے عاشورہ جیسی تحریک میں امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کے چودہ سو سال گذرنے کے بعد بھی) انکے صحیح طریقہ استعمال اور وسائل کے ذریعہ انہیں محفوظ بھی رکھ سکتے ہیں اور ان سے بہرہ مند بھی ہو سکتے ہیں۔

ان امور کے سلسلہ میں گفتگو اور اس میں دوبارہ غوروفکر کرنے کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ یہ امور تمام انسانی تحریکوں خصوصا تحریک عاشورہ کو صحیح طور پر سمجھنے، اسکا ادراک کرنے، اس کی روایت میں تحریف سے بچنے، اسکی تفسیر، اور اسے مذہبی اور دینی مقاصد میں استعمال کرنے کی راہ میں بہت اہم کردار رکھتے ہیں۔

مقاصد، طریقہ کار یعنی حکمت عملی اور وسائل کے درمیان بنیادی فرق اور ان کے کردار اور استعمال سے مزید آگاہی اور آشنائی پیدا ہو جائے اس لئے ہم یہاں مذہبی اور سیاسی امور جیسے امر بالمعروف و نہی از منکر، آزادی اور حریت کی دعوت اور ظلم و ستم سے دوری کو تحریک عاشورہ کے اہداف و مقاصد کے طور پر بیان کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ مقاتل کی کتابیں تالیف کرنا، مجالس و عزاداری منعقد کرنا، اس سلسلہ میں فلم و سیریل بنانا یا کتابیں اور اشعار لکھنا اور نوحہ و مرثیہ وغیرہ پڑھنے کو اس تحریک کے تحفظ کا ذریعہ اور طریقہ قرار دے سکتے ہیں۔ اسی طرح حسینیہ اور امام بارگاہیں بنانا، سبیلیں لگانا، امام حسینؑ کے نام پر کھانا کھلانا اور جلوس نکالنے وغیرہ کو اس تحریک کے فروغ اور تحفظ کے وسائل میں شمار کیا جاسکتا ہے اور اس کے بعد ہم تحریک عاشورہ کی راہ میں ان امور کے خاص صفات کے بارے میں گفتگو کر سکتے ہیں:

الف) اہداف و مقاصد

ایک مذہبی یا سیاسی تحریک کیوں رونما ہوئی یا ہو رہی ہے اس کے برپا ہونے کا مقصد کیا ہے؟ سب سے پہلے اس امر سے آشنائی پیدا کرنا ضروری ہے؛ یہی وجہ ہے کہ ہر مذہبی، سیاسی اور سماجی تحریک کی حقیقت کو اسکے اس کے مقاصد کی روشنی میں بیان کیا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس تحریک کے طریقہ کار اور وسائل کی بھی اہمیت اور ان کا استعمال بھی اسی ہدف کی وجہ سے ہوتا ہے اور مقصد کے بغیر ان دونوں امور کی کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں ہوتی ہے۔ چنانچہ تحریک عاشورہ جیسی مذہبی اور سیاسی تحریکوں کے مقاصد سے آشنائی بہت ضروری ہے اور اس کی بہت اہمیت ہے اور یہ امر ان تحریکوں کی شناخت اور معرفت کی راہ میں بہت مددگار ثابت ہوگا۔ اس سلسلہ میں کلیت و شمولیت، اطلاق، ثبات، تقدس، آفاقیت، عقلانیت، فطرت اور دینی نصوص کے مطابق ہونے، سب کو اپنی طرف جذب کرنے کی صلاحیت جیسی خصوصیات کو تحریک عاشورہ جیسی مذہبی تحریکوں کے مجموعی اہداف و مقاصد کے طور پر قرار دیا جاسکتا ہے ہم آگے ان امور کی وضاحت کریں گے:

ایک: شمولیت، اطلاق اور آفاقیت

یہاں اہداف و مقاصد کی کلیت، اطلاق اور آفاقیت جیسی خصوصیات سے مراد مذہبی تحریک کے وہ اہداف ہیں جو جزئی، موقت اور کسی خاص وقت اور علاقہ میں محدود یا اس سے مخصوص نہیں ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ ایسے مقاصد ہیں جو تمام انسانوں، زمانوں اور جگہوں کے لئے ہیں اور جہاں بھی، جسے بھی ان اہداف کی ضرورت ہو وہ ان سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔

یا یوں کہا جائے کہ ان مذہبی اور سیاسی تحریکوں کے اہداف و مقاصد کی ایک خصوصیت ان کا آفاقی اور عالمگیر ہونا ہے کہ جس کی جڑیں الٰہی تعلیمات میں ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر تحریک عاشورہ کے دینی اور سیاسی اہداف امر بالمعروف و نہی از منکر، ذلت سے دوری کی دعوت، حریت و آزادی، انصاف پسندی، انسانی عزت و شرف جیسے امور ہیں جو اس تحریک کے آفاقی اور عالمگیر اہداف ہیں۔ یہ اہداف و مقاصد زمانہ، کوفہ یا عراق کی جغرافیائی سرحد یا اس زمانہ اور اسلام تک محدود ہی نہیں ہیں بلکہ وہ تمام اسلامی، غیر اسلامی علاقوں، تمام انسانوں چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلمان سنی ہوں یا شیعہ دور ہوں یا نزدیک سب کو شامل ہیں اور سب کے لئے قابل استفادہ ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے اس آفاقی مقصد کو دنیا بھر کے آزادی پسند، ظلم و ذلت سے دور رہنے والے حق پرست انسانوں نے بلا تفریق مذہب و ملت قبول کیا ہے۔ یہ اہداف ان کے لئے مطلوبہ امر ہے۔ در اصل مذہبی اور سیاسی تحریک کی یہ اصلی خوبی اور خصوصیت اس بات کا سبب بنی کی تمام حق پرست، انصاف اور آزادی پسند ان خصوصیات سے فائدہ اٹھا سکیں اور اسے اپنے لئے نمونہ عمل قرار دے سکیں۔ جیسا کہ انقلاب ہندوستان کے رہنما مہاتما گاندھی، ہندوستانی قوم کی نجات، اس بات میں قرار دیتے ہیں کہ وہ امام حسینؑ کی تحریک عاشورہ کو اپنا نمونہ عمل قرار دیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"اگر ہندوستان کامیاب ہونا چاہتا ہے تو اسے امام حسینؑ کی زندگی کی پیروی کرنی چاہئے" (رجوع کریں: نوایی، ۱۳۹۰، ص۳۸۸)

دو: ثابت قدم ہونا

مذہبی اور سیاسی تحریکوں کی اہم خصوصیات میں سے ایک ان کا استحکام اور ثابت قدم ہونا ہے۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی زمانہ، جغرافیہ یا قوموں سے متاثر ہو کر لغزش کا شکار نہیں ہوتی بلکہ ثابت قدم رہتی ہیں۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ امر بالمعروف و نہی از منکر، ذلت سے دوری، حریت و آزادی، انصاف پسندی، انسانی عزت و شرف جیسے آفاقی مقاصد کسی خاص جگہ اور زمانہ کے خول میں نہیں ہوتے بلکہ زمان و مکان سے ماوراء رہ کر ہمیشہ ثابت رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آزادی اور انصاف پسندی پر مبنی امام حسین علیہ السلام کی دعوت اب تک زندہ ہے اور ہر قوم و فکر کے لوگ ان کی اس دعوت پر لبیک کہتے آرہے ہیں۔ اور وقت و زمانہ کی تبدیلی، طرز زندگی کا بدل جانا، سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی بھی اب تک اس کی روشنی کو مدھم نہیں کر سکی ہے۔ بلکہ اس واقعہ کے چودہ سو سال گزرنے اور عقل بشر کے رشد کرنے کے ساتھ ساتھ اس تحریک کے ازلی اور ابدی اہداف و مقاصد کے نئے رخ اور پہلو تمام انسانیت بالخصوص مسلمانوں اور شیعوں کے لئے آشکار ہوتے جارہے ہیں۔ اور اس میں مزید تازگی پیدا ہوتی جارہی ہے۔

تین: تحریک کا مقدس ہونا

کسی تحریک کے مقدس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو تمام اقوام، افکار اور نظریات کی نگاہ میں قابل احترام اور اہمیت کی حامل ہے۔ کیونکہ مقدس اہداف و مقاصد، آفاقی حیثیت بھی رکھتے ہیں اور ان میں ثبات و استحکام بھی ہوتا ہے، وہ زمانے کی دگرگونی اور تبدیلیوں سے متاثر نہیں ہوتے اور قوم و

ملت کی نگاہ میں مطلوبہ امور شمار ہوتے ہیں۔ یہ مقاصد ہمیشہ اور بغیر کسی قید کے تمام انسانیت کے لئے مقدس اور قابل احترام ہوتے ہیں۔

اس کے مقابلہ میں محض سیاسی تحریکوں کے مقاصد بھی ذکر کئے جاسکتے ہیں جنکا تقدس وقتی ہوتا ہے؛ جیسے قومیت، قوم پرستی، نسل پرستی۔۔۔ وغیرہ پر مبنی تحریکوں کی مثال، جن کا تقدس ایک خاص وقت اور خاص قوم سے متعلق ہوتا ہے نہ کہ تمام انسانوں اور ہر زمانے سے اور عام طور سے کچھ ہی عرصہ کے بعد ان کا تقدس ختم بھی ہو جاتا ہے اور ممکن ہے کہ ان کے اہداف، اقدار مخالف عناصر میں تبدیل ہو جائیں۔ تو ذاتی طور پر مذہبی اور سیاسی تحریک کا مقدس ہونا آفاقی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے اہداف میں تبدیلی پیدا نہیں ہوتی جس طرح تحریک عاشورہ کی مثال ہے کہ اس کی تحریک کے اغراض و مقاصد نے دنیا کے تمام انصاف اور آزادای پسند انسانوں کے دلوں میں جگہ بنالی اور انہیں اپنی طرف جذب کرلیا۔ اقبال لاہوری اس سلسلہ میں کہتے ہیں: "فداکاری اور شجاعت کے لحاظ سے پورے عالم میں امام حسینؑ کی شجاعت کی نظیر نہیں ملتی، میرے اعتبار سے تمام مسلمانوں کو سرزمین کربلا پر شہید ہو جانے والے اس شہید کو اپنا نمونہ عمل قرار دیتے ہوئے انکی پیروی کرنی چاہئے" (رجوع کریں: نوایی، ۱۳۹۰، ص۳۹۱)

در حقیقت اس قسم کے مقدس مقاصد، آزادی پسند افراد کے دلوں کی تسخیر، انکی شخصیت میں وزن پیدا کرنے اور انہیں زمان اور مکان سے ماوراء ہونے کا سب قرار پاتے ہیں۔ اور ان میں تحرک اور انقلاب کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ تقدس اور پاکیزگی کبھی بھی زائل نہیں ہو سکتی ہے؛ کیونکہ اس کی بنیادیں انسان کی پاک فطرت میں ہوتی ہیں جس کا سرچشمہ خداوند عالم کی ذات پاک ہے۔

چار: دینی نصوص کے مطابق ہونا

مذہبی اور سیاسی تحریکوں کے مقاصد کی ایک بنیادی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ دین کے اصولوں اور اس کی تعلیمات کے مطابق ہوتے ہیں؛ یعنی خدائی ادیان کا مقصد انسان کو روحانی بلندی عطا کرنا اور انہیں دنیوی اور اخروی سعادت سے ہمکنار کرنا ہوتا ہے۔ اسی مسئلہ کے تحقق کی خاطر یہ تحریکیں توحید اور معاد پر ایمان، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، حریت وآزادی اور انصاف پسندی جیسی آفاقی تعلیمات اور کلی اصولوں کو بیان کرتی ہیں۔ اور مذہبی تحریکوں کی تشکیل انہیں بلند اغراض و مقاصد کی خاطر ہوتی ہے۔

اور یہ وہی حقیقت ہے جو انبیاءؑ الٰہی کی اصلاحی اور سیاسی تحریکوں کا مقصد تھی اور امام حسینؑ کی تحریک عاشورہ میں جس کی تجلی بہت واضح نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر امر بالمعروف جو اسلام کی بنیادی ترین مذہبی اور سیاسی تعلیمات میں سے ایک ہے، جناب سیدالشہداءؑ کی طرف سے انکے سیاسی اور بنیادی اہداف کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس تحریک کے مقاصد، تعلیمات اسلام سے باہر کے نہیں ہیں بلکہ اسلامی تعلیمات کا جزء ہیں اور امام حسینؑ کی تحریک کا معیار اسلامی تعلیمات ہی ہے۔ در اصل خدائی تحریکیں، قرآنی تعلیمات کے مطابق ہوتی ہیں اور امر بالمعروف و نہی از منکر اور راہ خدا میں جہاد جیسی تعلیمات کو اپنی تحریک کا اہم مقصد قرار دیتی ہیں؛ جیساکہ قرآن کریم کی متعدد آیات ان اہداف کو حقیقت پسند اور حریت پسند افراد کی ذمہ داری اور فرض قرار دیتی ہیں۔ (رجوع کریں: سورہ توبہ/۱۲؛ سبا/۴۶)

پانچ: انسانی فطرت کے مطابق ہونا

انسانی فطرت کے مطابق ہونے سے مراد یہ ہے کہ ہر انسان اسکے دین، نسل، قوم اور دیگر علاقائی خصوصیات سے قطع نظر، ذاتی طور پر اس طرح کے بلند اور عظیم اہداف کی تصدیق کرتا ہے بلکہ وہ ان اہداف کو حاصل بھی کرنا چاہتا ہے۔

یہ خصوصیات اس لئے بھی قابل اہمیت ہیں کیونکہ تمام انسان انکو چاہتے ہیں اور ان خدائی اور سیاسی اہداف کے تحقق کی آرزو رکھتے ہیں جیسے ہر انسان فطری طور پر عدل وانصاف اور آزادی چاہتا ہے، ظلم سے نفرت اور مظلومی سے محبت کرتا ہے، نیکیوں کو عام ہوتے ہوئے اور برائیوں کو ختم ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے۔

اور ساتھ ہی یہ اہداف ومقاصد دین ومذہب سے ماوراء ہوتے ہیں اور بے دین افراد بھی ان اہداف کی حمایت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روز عاشور امام حسینؑ نے فوج دشمن کو مخاطب کرکے فرمایا تھا: "اگر تمہارے پاس دین نہیں ہے تو کم از کم آزاد مرد بن کر رہو" (خوارزمی، ۱۳۶۷ ھ، ج ۲، ص ۳۳) امام حسین علیہ السلام کا یہ جملہ اسی خصوصیت کی طرف اشارہ اور اس پر تاکید کر رہا ہے؛ یعنی آزادی دین، ومذہب پر مقدم ہے، اسکی جڑیں انسان کی پاکیزہ فطرت میں ہیں اور دین نے انسان کی اس پاکیزہ فطرت پر مہر تائید لگادی ہے۔ اور اس سلسلہ میں عظیم اور بلند معنی پر مبنی تعلیمات کو پیش کیا ہے۔

چھ: عقلانیت، منطق وشعور

اس طرح کی مذہبی تحریکوں کے مقاصد کی سب سے اہم خصوصیات میں سے ایک انکا عقلانیت یعنی عقلی اور منطقی اصولوں پر مبنی ہونا ہے۔ اور عقلانیت سے مراد یہاں ان اغراض ومقاصد کا عقل ومنطق کے مطابق ہونا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض فلاسفہ عقلانیت کو عقلی اور منطقی استدلال کے ہم پلہ مانتے ہیں۔ اور بعض عقلانیت کو اس جگہ قبول کرتے ہیں جہاں مدعیٰ یا حکم کے خلاف کوئی دلیل نہ ہو۔

بہرحال مجموعی طور پر عقلانیت اپنی تمام اقسام کے ساتھ ان اعتقادات، اعمال وکردار سے متعلق ہوتی ہے جو ان منطق اور عقلی اصولوں کے مطابق ہوتے ہیں جن کے انسجام سے واقعی اور توقع کے مطابق نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ چنانچہ عقلانیت کی خصوصیات اس طرح ہیں:

۱۔ منطقی اور برہان اور قیاس کے مطابق ہونا

۲۔ اعتقادات کے درمیان ہماہنگی ہونا اور تناقض اور تضاد سے خالی ہونا۔

۳۔ عوام کی اکثریت بالخصوص قوم کے عقلاء کی نگاہ میں قابل قبول ہونا۔

۴۔ عوام میں اکثر افراد کی روزمرہ کی زندگی اور انکے مقاصد کے مطابق ہونا۔

۵۔ دنیوی زندگی کی کامیابی اور اخروی سعادت میں مؤثر کردار ادا کرنا۔

۶۔ منطق کے واضح وروشن اصولوں کے مطابق اور عام فہم ہونا۔

۷۔ سادہ ہونا جسے لوگ آسانی سے سمجھ سکیں اور سمجھا سکیں۔

سیاسی فلسفہ کے ادب میں عقلانیت کے لئے مختلف اقسام بیان کی جاتی ہیں جیسے نظری عقلانیت، عملی عقلانیت، اقداری عقلانیت (Axiology)، فرضیاتی عقلانیت (deontology) اور وسائل پر مبنی عقلانیت۔ (صادقی، ۱۳۸۶، ص ۴۴-۶۵؛ ملکیان، ۱۳۸۱، ص ۴۲۹-۴۳۸)

عقلانیت کی ان اقسام کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ تحریک عاشورہ جیسی تمام اصلی اور مذہبی تحریکوں کے اہداف میں عقلانیت کا اپنی تمام اقسام کے ساتھ موجود لازمی ہوتا ہے۔ کیونکہ پہلی بات تو یہ کہ اس قسم کی تحریکوں میں نظری لحاظ سے منطقی اور واضح وروشن اہداف و مقاصد ہوتے ہیں جو انسانی فطرت کے مطابق

ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ عملی اعتبار سے یہ منطقی تدبیریں اس تحریک کے سیاسی اہداف کو مختلف زمانوں اور شرائط میں تحقق عطا کرنے میں اپنا کردار ادا کرتی رہتی ہیں اور یہ تدبیریں انسانی اقدار پر مبنی ہوتی ہیں۔ تیسری بات یہ کہ عقلانیت پر مبنی وسائل کے لحاظ سے انہیں وسائل کا انتخاب کرتی ہیں جو ان کے سیاسی مقاصد کو تحقق عطا کر سکیں۔ در حقیقت کلیت اور آفاقیت، الٰہی بنیاد پر مشتمل ہونا، انسانی فطرت کے مطابق ہونا یہ ایسے صفات ہیں جو قدرتی طور پر ان مذہبی تحریکوں کے منطقی اور عقلانیت پر مبنی ہونے کے ضامن ہوتے ہیں۔ جیسے اسی تحریک عاشورہ کی مثال ہے جہاں اس کے اہداف کا عقل و منطق پر مبنی ہونا ہی اس بات کی وجہ بنا کہ یہ تحریک زمان و مکان، قوم و ملت کی حدود میں محدود نہ رہی بلکہ ہر زمانے کے آزادی اور حریت پسند انسانوں کے دل میں جگہ بناتی رہی اور سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

تو مذہبی تحریکوں کے عظیم اہداف و مقاصد کی مختصر وضاحت کے بعد اس بات کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ان اغراض و مقاصد کے درمیان منطقی رابطہ پایا جاتا ہے۔ در اصل مذہبی اور سیاسی تحریکیں فطری طور پر ایسے اغراض و مقاصد کو تلاش کرتی ہیں جن میں آفاقیت، کلیت، تقدس، ثبات، عقلانیت، انسانی فطرت اور مذہبی نصوص سے مطابقت رکھنے کی خصوصیات پائی جاتی ہوں۔ اور اسی وجہ سے یہ تحریکیں ہر زمانے میں ہر انسان اور قوم کے ملت کے لئے قابل استعمال ہوتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جس تحریک میں یہ تمام شرائط موجود ہوں اس کے لئے یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ وہ زمانہ اور علاقہ سے قطع نظر ہر انسان کے لئے مختلف زمانوں اور شرائط میں قابل قبول ہو سکتی ہے۔ کیونکہ عاشورہ جیسی تحریکوں کی یہ عظیم خصوصیات، ہر مکتب فکر اور ہر مذہبی اور مذہبی رجحان رکھنے والے انسانوں کو اپنی طرف جذب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ واقعہ عاشورہ کے چودہ سو سال گذرنے کے بعد آج بھی ہر صنف سے تعلق رکھنے والے افراد اس کی عظمت، اہمیت اور احترام کے قائل ہیں۔ اور آگاہ اور با معرفت افراد ان عظیم اہداف کو تحقق بخشنے کی راہ میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کرتے اور ایک لمحہ بھی فروگذاشت نہیں کرتے ہیں۔ (مطہری، ۱۳۶۶، ج ۲، ص ۴۰-۴۷)۔

ب) طریقۂ کار اور حکمت عملی

آغاز گفتگو میں ہم نے عرض کیا تھا کہ ہمارے مذہبی اور سیاسی شعور کے لئے ضروری ہے کہ ہم تحریک عاشورہ جیسی مذہبی اور سیاسی تحریکوں کے اہداف، طریقہ کار اور ان کے وسائل کی صحیح شناخت پیدا کریں۔ تو تحریک عاشورہ کے سیاسی اہداف و مقاصد کے تحقق پانے کے لئے ان کے صحیح طریقہ اور روش کو استعمال کرنا ضروری ہے۔

چونکہ یہ طریقہ کار اور حکمت عملی کی شناخت ہمیں اس بات کی رہنمائی کرتی ہے کہ ہم انہیں غلط جگہ استعمال نہ کریں، طریقہ کار کو اہداف یا وسائل سے مخلوط نہ کریں، اس اعتبار سے طریقہ، روش اور حکمت عملی کی اہمیت بڑھ جاتی ہے جسے ہم یہاں بیان کریں گے۔

منطقی، سیاسی اور سماجی لحاظ سے طریقہ کار اور حکمت عملی ایسے مادی، روحانی، علمی، سماجی، سیاسی، ادبی، تزیینا تی اور فنکاری تدابیر کو کہتے ہیں جو اہداف اور آرزوؤں کے تحقق، تحفظ اور انکی ترویج کی راہ میں استعمال کی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر تحریک عاشورہ میں وہ تمام سیاسی کام جنہیں امام حسینؑ اور انکے ساتھیوں نے اس تحریک کے اہداف کے تحقق کے لئے انجام دئے تھے وہ کام ان اہداف کے تحقق کے لئے طریقہ اور حکمت عملی شمار ہوتے ہیں۔ تو اس طرح امام علیہ السلام کا مدینہ چھوڑنا، اصل راستہ سے مکہ جانا، اپنے بھائی محمد حنفیہؓ کو خط لکھنا، اہل حرم کو ساتھ لے جانا، لوگوں کو اپنی طرف دعوت دینا، مکہ میں دوسرے مسلمانوں سے ملاقات کرنا، مکہ سے کوفہ کی طرف جانا، جناب مسلم کو کوفہ کے حالات سے آگاہی کے لئے وہاں بھیجنا، حر اور پسر سعد کے سپاہیوں کے سامنے تقریر کرنا اور دوسرے موارد یہ وہ طریقہ کار ہیں جنہیں اہداف عاشورہ کے تحقق کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔ لیکن ممکن ہے کہ ان میں سے ہر ایک طریقہ اور حکمت عملی زمانہ کے تقاضوں کے تحت تبدیل ہو جائے اور کسی دوسری شکل میں سامنے آئے۔

اسی طرح جناب زینبؑ اور امام سجادؑ نے خطبوں اور تقریروں کے طریقہ کو اپنایا یا ائمہ معصومینؑ نے واقعہ عاشورہ کو زندہ رکھنے کی خاطر اس تحریک کو یاد رکھنے اور اس کے بارے میں جاننے اور سیکھنے کے طریقہ اور حکمت عملی کو استعمال کیا۔

چنانچہ ان تاریخی تبدیلیوں اور حالات کے پیش نظر جنہیں تحریک عاشورہ پیچھے چھوڑتی ہوئی آگے نکل آئی ہے، آج جب دنیائے تشیع میں علمی، سیاسی، مذہبی، تزیینا تی اور ادبی میدانوں میں توسیع اور ترقی ہوئی تو وہیں اب اس تحریک کے تحفظ اور اس کے زندہ رکھنے کی روش اور طریقہ کار میں بھی تبدیلی دیکھنے کو ملی ہے۔ اس اعتبار سے کتب مقاتل کی تالیف، اشعار اور مرثیہ سرائی، مختلف تقریریں اور مجالس عزاء کا انعقاد، ماتم و نوحہ خوانی، واقعہ عاشورہ سے متعلق فلم اور سیریلوں کا بنایا جانا، تھئیٹر پلے ہونا، پینٹنگس اور تصویر کشی، عاشور کے سلسلہ میں تحقیقی کتابیں اور مضامین کا لکھا جانا وغیرہ ایسے امور ہیں جنہیں آج تحریک عاشورہ کے اہداف کو تحقق بخشنے اور اس تحریک کے تحفظ اور اس کو زندہ رکھنے کے طریقہ کار اور روش کے طور پر جانا جاتا ہے۔

مذکورہ طریقوں اور حکمت عملی کی اہم خصوصیات یہ ہیں کہ زمانہ اور علاقہ تبدیل ہونے کے ساتھ انکا کردار تبدیل ہوتا رہتا ہے اور یہ طریقۂ کار عام فکروں کے مطابق ہوتے ہیں تاکہ لوگ ان سے بہرہ مند ہو سکیں۔ مثال کے طور پر امام حسینؑ کا طریقہ کار، جناب زینب اور امام سجاد علیہاالسلام کی حکمت عملی سے مختلف تھا، اور دیگر ائمہ علیہم السلام کا طریقہ اپنے زمانوں میں دونوں بزرگوار سے مختلف رہااور ان کے بعد آنے والے مختلف شیعہ علمائے کرام کی حکمت عملی ائمہؑ کی حکمت عملی سے مختلف تھی۔ لیکن زمانوں اور علاقوں کی تبدیلی کی وجہ سے طریقۂ کار اور طرز عمل کے اختلاف کے باوجود سب کا مقصد ایک ہی تھااور وہ تحریک عاشورہ کا تحفظ ،اس کی توسیع اور اس کے سیاسی اہداف کو تحقق بخشنا تھا؛یعنی طریقے اگرچہ مختلف تھے لیکن اغراض و مقاصد ہر زمانہ اور ہر جگہ ایک ہی تھے۔

تو طریقہ کار اور اہداف کے درمیان بنیادی فرق سے آشنائی کے ذریعہ ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ کسی بھی مذہبی تحریک کا طریقہ کار و حکمت عملی، اہداف کی طرح نہیں ہوتے ہیں یعنی یہ طریقہ کار، کلی،آفاقی اور ثابت نہیں ہوتے بلکہ زمانوں، علاقوں اور عوام کی افکار اور جذبات کے اعتبار سے انمیں تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ طرز عمل اور طریقہ کار کا تقدس ذاتی نہیں ہوتا بلکہ اگر ان میں وقتی تقدس پیدا بھی ہوتا ہے تو وہ ان مذہبی اور سیاسی تحریکوں کے مقدس اہداف کو تحقق دینے میں موثر ہونے اور ان تحریکوں کے تحفظ اور انکی توسیع کی راہ میں کردار ادا کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

طرز عمل اور طریقہ کار ہمیشہ عملی عقلانیت اور عقلانیت پر مبنی وسیلہ سے فائدہ حاصل کرتے ہیں کیونکہ اس قسم کی عقلانیت اور اس کے اصول تبدیل ہونے والے ہوتے ہیں اور انسانی فکر اور طرز زندگی میں تبدیلی کے ساتھ مختلف حالات اور شرائط میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ طریقہ، روش اور طرز عمل سب کے لئے نہیں ہوتے اور نہ تمام مکاتب فکر رکھنے والے افراد کے لئے قابل قبول ہوتے ہیں اور نہ ہی سب کو اپنی طرف جذب کر سکتے ہیں بلکہ کسی کو پسند آتے ہیں اور کسی کو نہیں اور کوئی انہیں قبول کرتا ہے اور کوئی نہیں۔ تو اس بات پر توجہ ضرور ہونی چاہئے کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ مختلف معاشروں کا طرز فکر اور طرز زندگی تبدیل ہوتا رہتا ہے جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اہداف تک پہونچنے کے لئے ہر زمانے کے طریقہ کار کی ماہیت مختلف ہوتی ہے۔

چنانچہ ان چودہ صدیوں میں مشاہدہ کیا گیا ہے کہ شیعہ قوم جن معاشروں میں رہتی تھی، تحریک عاشورہ کے تحفظ اور اسے زندہ رکھنے کے لئے انہیں زمانوں، افکار، شرائط اور حالات کے مطابق حکمت عملی اپنانی پڑی۔

جیسے عاشورائی ثقافت کو فروغ دینے کے لئے جو طریقہ آج رائج ہے وہ سب دوسرے زمانوں میں رائج نہیں تھا۔

لہٰذا مختلف طریقہ کار کے استعمال کی وجہ، انسانوں کی طرز زندگی کا مختلف ہونا ہے اور انکا وہ زاویہ نظر ہے جس سے وہ واقعہ عاشورہ کو دیکھتے تھے لیکن ان سب اختلافات کے باوجود، اہداف و مقاصد سب کے ایک ہی تھے۔ تو خود طرز عمل اور روش خود اصلی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ انکو اعتبار و اہمیت، اس لحاظ سے ملتا ہے کہ وہ اہداف کے تحقق کی راہ میں کس قدر کردار ادا کرتے ہیں اور تحریک کے تحفظ اور اس کو زندہ رکھنے میں کتنے مؤثر ہوتے ہیں۔

ج) وسائل

وسائل عام طور پر مادی اور نیم مادی اشیاء کے ایسے مجموعہ کو کہتے ہیں جن کو مختلف اعتبار سے مذہبی اور سیاسی طرز عمل اور طریقہ کار میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ وسائل، طریقہ کار کے لئے آسانی فراہم کرنے اور انکی مدد کرنے کا کردار ادا کرتے ہیں۔ تو اس بنیاد پر، عزاداری کے لئے جگہ تیار کرنا جیسے امام بارگاہوں کا سجانا سبیلیں لگانا، عزاداری کے وسائل کا استعمال جیسے علم، شبیہیں، طبل اور ترویج عزاء اور تحریک عاشورہ کے مذہبی اور سیاسی تعلیمات کو فروغ دینے کے لئے استعمال کئے جانے والے دیگر امور اور اشیاء وسائل کے طور پر اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ وسائل کا کام طریقہ کار اور حکمت عملی کی کے لئے میدان فراہم کرنا ہے اور وسائل اور طریقہ کار دونوں، اہداف و مقاصد کے خادم ہونے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ان صفات کے ساتھ وسائل بھی طریقہ کار کی ماہیت کے ساتھ مکمل طور پر وابستہ ہوتے ہیں۔ اور عاشورہ جیسی مذہبی اور سیاسی تحریکوں کے تحفظ کی راہ میں طریقوں کے تبدیل ہونے کے ساتھ ساتھ وسائل میں بھی تبدیلیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

چنانچہ کلیت و شمولیت، اطلاق، ثبات، تقدس، آفاقیت، عقلانیت، فطرت اور دینی نصوص کے مطابق ہونے، سب کو اپنی طرف جذب کرنے کی صلاحیت جو مذہبی اور سیاسی تحریکوں کی خصوصیات ہیں، یہ صفات اور خصوصیات وسائل میں نہیں پائی جاتی ہیں بلکہ وسائل کے لئے ضروری بھی نہیں ہوتی ہیں۔ بلکہ اس کے بجائے انکا کردار واسطہ بننے کا ہوتا ہے اور یہ وسائل مکمل طور پر عوام کے طرز فکر اور ان کے طرز زندگی سے وابستہ ہوتے ہیں اور ان میں تبدیلی اور تکامل پیدا ہوتا رہتا ہے ان کا تقدس وقتی، محدود اور مقامی تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے۔ اور یہی چیز وسائل کی ذاتیات سے تعلق رکھتی ہے۔

۳۔ اہداف، طریقہ کار اور وسائل کا تقابلی جائزہ

مذکورہ مطالب، عاشورہ جیسی مذہبی اور سیاسی تحریکوں کے تحفظ کے سلسلہ میں ان تینوں اصولوں سے آشنائی اور ان کی معرفت پیدا کرنے کا میدان فراہم کرتے ہیں۔ کلیت وشمولیت، اطلاق، ثبات، تقدس، آفاقیت، عقلانیت، فطرت بشر اور دینی نصوص کے مطابق ہونے جیسی خصوصیات کے پیش نظر ان تین اصولوں کا تقابلی جائزہ لیا جاسکتا ہے اور انکی شباہت اور فرق کو بھی بیان کیا جاسکتا ہے جس کے نتیجہ میں انکی حقیقت سے صحیح آشنائی پیدا کرتے ہوئے انہیں آپس میں ایک دوسرے سے مخلوط کرنے سے بچایا جاسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں وسائل کا جزئی اور مقامی عنصر روش اور طریقہ کار سے زیادہ ہے۔ تقدس کے لحاظ سے مذہبی اور سیاسی تحریکیں ہمیشہ مقدس ہوتی ہیں؛ جبکہ طریقہ کار اور وسائل ہمیشہ مقدس نہیں ہوتے ہیں؛ کیوں کہ طریقہ کار وہی سیاسی حکمت عملی ہوتی ہیں جن کے ذریعہ تحریک کا مقصد پورا ہوتا اور ان کا تحفظ اور ان کی ترویج ہوتی ہے اور وسائل وہ اشیاء ہوتی ہیں جنہیں ان مقاصد کی راہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔

عقلی اور منطقی ہونے کے اعتبار سے بیان کیا جاچکا ہے کہ دینی تحریکیں نظری اور عملی عقلانیت سے سرشار ہوتی ہیں؛ کیونکہ یہ تحریکیں پاک اور الٰہی فطرت پر مبنی ہوتی ہیں۔ لیکن طریقہ کار اور وسائل کے سلسلہ میں صرف وسیلہ پر مبنی عقلانیت یا عملی عقلانیت کو ہی لحاظ کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ امور افکار، ضرورتوں اور طرز زندگی کے تبدیل ہونے کے ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور ان میں تکامل پیدا ہوتا رہتا ہے۔ جبکہ عاشورہ جیسی مذہبی اور سیاسی تحریکوں کے اہداف و مقاصد میں تاریخی ثبات پایا جاتا ہے اور ان پر زمانہ کی تبدیلی اثرانداز نہیں ہوتیں اور زمانہ انہیں فرسودہ نہیں کرسکتا ہے لیکن وسائل اور طریقہ کار سماج، وقت اور حالات کے بدلنے کے ساتھ بدلتے ہوئے مختلف شکل اختیار کرتے رہتے ہیں۔ دینی نصوص کے ساتھ مطابقت کے سلسلہ میں کہا جاسکتا ہے کہ مذہبی تحریکوں کے اہداف کا مصدر دین ہوتا ہے اور یہ اہداف قرآنی تعلیمات کے مطابق ہوتے ہیں اور اس کی نمایاں مثال عاشورہ کی عظیم تحریک ہے، لیکن دین میں ان اہداف کے تحفظ کے لئے کسی خاص وسیلہ، طریقہ اور حکمت عملی کو بیان نہیں کیا گیا ہے، بلکہ یہ امور خاص سیاسی اور سماجی شرائط اور انسانی طرز زندگی پر مبتنی ہوتے ہیں اور انسان کو اختیار ہے کہ جس طریقہ اور وسیلہ کو چاہے استعمال کرے۔ انسانی فطرت کے مطابق ہونے کے سلسلہ میں بھی بتادیا جائے کہ مذہبی اور سیاسی تحریکیں عام طور پر پاک اور الٰہی انسانی فطرت کے مطابق ہوتی ہیں جبکہ طریقہ کار اور وسائل زمانے کے تقاضوں اور طرز زندگی کے مطابق ہوتے ہیں۔

اس تقابل کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ جو چیز خدائی اور سیاسی تحریکوں کو اہمیت، اعتبار اور تقدس عطا کرتی ہے جس کی راہ میں انسان جان بھی قربان کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے وہ اس تحریک کے اغراض و مقاصد ہوتے ہیں، نہ کہ وسائل اور طریقہ کار۔

تو مذہبی تحریکوں میں صرف اہداف و مقاصد تقدس اور اصلیت رکھتے ہیں۔ اور وسائل اور طریقہ کار میں ذاتی طور پر کوئی تقدس نہیں پایا جاتا ہے بلکہ انکی اہمیت اور ان کا تقدس وقتی ہوتا ہے اور اتنا ہی ہوتا ہے جتنا وہ ان اہداف کے تحقق، تحفظ اور انکی ترویج کی راہ میں کردار ادا کرتے ہیں۔

۴۔ تحریک عاشورہ کے اہداف، طرز عمل اور وسائل کے مذہبی اور سیاسی پہلو

تحریک عاشورہ جیسی مذہبی اور سیاسی تحریکوں کے مقاصد، طرز عمل اور وسائل کی خصوصیات اور استعمال کے سلسلہ میں گفتگو کرنے کے بعد یہ بات آسان ہو جاتی ہے کہ ہم تحریک عاشورہ کے اہداف و مقاصد، طریقہ کار اور وسائل کی شناسائی کریں تاکہ انکی شناسائی کے ذریعہ ان کے ایک دوسرے کے ساتھ مخلوط ہو جانے کے خطرہ کو بہتر طور پر بیان کر سکیں:

الف) تحریک عاشور کے مذہبی اور سیاسی اہداف

جیساکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہر مذہبی تحریک کی بنیاد اور اس کا محور، اس کے اصلی مذہبی اور سیاسی اہداف و مقاصد تشکیل دیتے ہیں۔ اور اس تحریک کے سلسلہ میں استعمال ہونے والی حکمت عملی اور وسائل کی اہمیت انہیں اغراض و مقاصد کے ضمن میں ہی قرار پاتی ہے۔ چنانچہ کسی بھی تحریک کے سلسلہ میں ضروری ہے کہ پہلے اس کے اغراض و مقاصد کی شناسائی کی جائے اور اس کے بعد اس کے طریقہ کار اور وسائل کی۔ چنانچہ تحریک عاشورہ کے خدائی اور سیاسی اغراض و مقاصد اس کے دیگر تمام پہلوؤں اور اس سے متعلق تمام امور پر اولویت رکھتے ہیں۔

تحریک عاشورہ کے الٰہی اور سیاسی اغراض و مقاصد کی معرفت کے لئے بہترین ماخذ اور سرچشمہ امام حسین علیہ السلام کے خطبے اور انکا مبارک کلام ہے جسے حوالے کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔ اس مقام پر ہم زیادہ تر امام حسین علیہ السلام کی ان باتوں اور حدیثوں کو بیان کریں جو انہوں نے مدینہ سے نکلنے کے بعد سے لیکر کربلا میں اپنی شہادت تک چھ مہینے کے عرصہ میں بیان فرمائی تھیں۔ اس مختصر سے عرصہ میں مختلف مقامات اور حالات میں آپکے تقریباً ستر خطبوں اور حدیثوں کو محفوظ کیا گیا ہے۔ جن میں سے کچھ کے ذریعہ ہم امام حسین علیہ

السلام کی تحریک کے مذہبی اور سیاسی اغراض و مقاصد کو واضح طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ اور یزید کی بیعت کے انکار اور اس کے خلاف خروج و قیام کرنے کو بھی سمجھ سکتے ہیں کہ امام کی اصلاحی اور سیاسی تحریک کی کا مجموعی مقصد کیا تھا۔

جن موارد پر امام نے یہ خطبے اور احادیث بیان فرمائی ہیں ان کو بیان کرنے سے پہلے تحریک عاشورہ کے ان بنیادی اصولوں کو بیان کر دیا جائے جو امامؑ کی ان باتوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ وہ اصول مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ انسان کا ہر قسم کے ظلم و ستم کی قید سے آزاد ہونا

۲۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا

۳۔ کسی بھی قسم کی ذلت اور پستی کو قبول نہ کرنا

۴۔ انسان کو اس کی عظمت اور اسکی روح کی بلندی سے آشنا کرنا

۵۔ اسلام کی اصلی اور واقعی تعلیمات کو زندہ کرنا

۶۔ مظلوموں کی مدد پر زور دینا

۷۔ ظالم کی حکومت اور اس کی بیعت سے انکار کرنا

۸۔ عدل و انصاف، ایثار، وعدے کی وفا۔۔۔ جیسی انسان اقدار کی تصدیق اور انہیں پھیلانے کی کوشش کرنا

۹۔ مسلمانوں میں سیاسی اور مذہبی ابتریت اور خرابی کی اصلاح کرنا

۱۰۔ حقیقی آزادی اور عدل و انصاف کے قیام کے لئے اسلامی حکومت قائم کرنا

اب یہاں پر ہم امام حسینؑ کی ان باتوں اور کلام کی طرف اشارہ کریں گے جن کے ذریعہ ان کی اس اصلاحی اور سیاسی تحریک کے اسباب اور اغراض و مقاصد کی وضاحت ہوتی ہے اور اس انقلابی تحریک کے اسرار آشکار ہوتے ہیں:

ایک: معاشرے میں پیدا ہونے والی سماجی اور سیاسی برائیوں اور فساد کے مقابلہ میں مسلمانوں کی شرعی اور سیاسی ذمہ داری

سن ۵۸ ہجری یعنی مرگ معاویہ اور تحریک عاشورہ کے آغاز سے دوسال قبل حج کے موقع پر منیٰ کے میدان میں امام حسینؑ نے ایک بہت ہی اہم خطبہ ارشاد فرمایا تھا، جس میں آپ نے اہلبیتؑ عصمت و طہارت کے فضائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے عظیم فرض، اس زمانے میں رائج برائیوں اور معایہ کے ظلم و ستم کے خلاف اسلامی معاشرے میں علماء کے قیام اور عکس العمل کے لئے بہت زیادہ تاکید فرمائی تھی۔ اسی خطبے کے آخر میں جناب سیدالشہداؑ نے ذلت و خواری پر مبنی اس وقت کے اسلامی معاشرے کی طرف بھی اشارہ کیا تھا اور ان حالات کے وجود میں آنے کا سبب اس وقت موجود اصحاب پیغمبرؐ اور تابعین کی دنیاپرستی کو قرار دیا تھا۔ اس کے بعد وہ ذلت اور رسوائی جو امت مسلمہ کے گلوگیر تھی اس کی وضاحت فرمائی تھی اور ساتھ یہ بھی بتایا تھا کہ معاویہ جیسے لوگوں کے اسلامی معاشرے پر مسلط ہونے کی وجہ مسلمانوں کا موت سے ڈرنا اور دنیا سے دل لگانا ہے۔ (رجوع کریں: نجمی، ص ۳۸۸؛ مجلسی، ۱۴۱۷ھ، ج ۹۷، ص ۷۹؛ طبرسی، ۱۳۳۸، ج ۲، ص ۱۷)

دو: فاسق و فاجر حکومت کی بیعت سے انکار

رجب سن ۶۰ ہجری میں معاویہ کی موت کے بعد یزید لعن نے ولید ابن عتبہ کو امام حسینؑ، عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن زبیر سے بیعت لینے پر مامور کیا۔ امام حسینؑ نے بیعت سے انکار کر دیا اور اس کی وجہ اموی خاندان کا فساد اور برائیاں اور اہلبیتؑ کا اسلامی معاشرے کی ہدایت اور رہبری کے لئے سب سے زیادہ مناسب وشائستہ ہونا بتایا۔ اس مقام پر اس تاریخی حقیقت کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے مدینہ سے نکلنے اور عاشورہ کی اصلاحی اور سیاسی تحریک کے آغاز کا پہلا سیاسی سبب یزید کی بیعت سے انکار تھا۔ کیونکہ یہ امر یزید کے برسراقتدار آنے اور اس کے نمایندے کی طرف سے طلب بیعت کے عمل کے فوراً بعد انجام پایا تھا۔ (خوارزمی، ۱۳۶۷ھ، ج ۱، ص ۱۸۴؛ ستید بن طاوس، ۱۳۲۱، ص ۱۹؛ مجلسی، ۱۴۱۷ھ، ج ۴۴، ص ۳۲۵؛ نجمی، ۱۳۹۳، ص ۳۶-۳۷؛ مطہری، ۱۳۶۶، ج ۲، ص ۲۶)۔

اس پورے قضیہ میں امام حسین علیہ السلام کی سب سے زیادہ تاکید مسلمانوں پر معاویہ جیسے لوگوں کی حکومت کے فاسد ہونے اور ان کے شرعی اور سیاسی طور پر ناجائز ہونے پر تھی۔

تین: اصلاح امت، امر بالمروف اور نہی عن المنکر کے لئے نکلنا

جناب محمد حنفیہؒ کو امام حسینؑ کی وصیت اور تحریر میں امام حسینؑ کے مقاصد کو بیان کرنے والی باتیں واضح اور آشکار ہیں۔ اور امامؑ نے یہ باتیں اس وقت بیان فرمائی تھیں جب ابھی اہل کوفہ کی طرف سے آپکو بلایا نہیں گیا تھا بلکہ امام حسینؑ نے مدینہ سے نکلتے وقت یزید اور اس کے کارندوں کی بیعت نہ کرنے کی وجہ اپنے بھائی سے وصیت کے طور پر بیان کردی تھی۔ آپ فرماتے ہیں: "میں خودخواہی اور تفریح کے لئے نہیں نکل رہا ہوں بلکہ میرا مقصد نیکیوں کا حکم دینا، برائیوں سے روکنا ہے اور میں اپنی اس تحریک کے ذریعہ اپنے جدؐ کی امت میں پیدا ہونے والی برائیوں کی اصلاح کرنا چاہتا ہوں اور اپنے جد کے قانون اور سنت اور اپنے بابا کی راہ و روش کو زندہ کرنا چاہتا ہوں۔"۔ (خوارزمی، ۱۳۶۷ھ، ج۱، ص۲۳۷)۔

اپنی اس مختصر سی وصیت میں امام حسین علیہ السلام نے شہوات نفسانی اور ہواوہوس سے دوری کی تاکید کرتے ہوئے، اپنی اس تحریک کا مذہبی اور سیاسی مقصد امر بالمعروف ، نہی از منکر اور امت میں پیدا ہونے والی برائیوں کی اصلاح کو بیان فرمایا تھا۔

ان مقاصد میں سے دوسرا مقصد امت رسولؐ کی اصلاح اور رسول خداؐ اور امام علیؑ کی سیرت کو زندہ کرنا ہے جو امر بالمعروف اور نہی از منکر کا واضح مصداق ہے اور یہ امر عاشورہ کی مذہبی اور سیاسی تحریک کی اصل اور بنیاد ہے۔ اس مقام پر یہ تاکید کردینا ضروری ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی اس تحریک کا سب سے اہم ہدف اور عنصر یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ (مطہری، ۱۳۶۶، ج۲، ص۱۴-۱۶) در حقیقت تحریک عاشورہ کا یہی وہ اہم عنصر اور ہدف ہے جس نے اسے آفاقیت اور تقدس عطا کیا اور دنیا کے تمام آزاد ضمیر انسانوں کو اپنی طرف متوجہ اور جذب کیا؛ کیونکہ امام حسینؑ کا امر بالمروف اور نہی از منکر پر اصرار کرنا مکمل طور پر قرآن کریم کی مذہبی اور سیاسی تعلیمات کے مطابق تھا۔

چار: کتاب خدا، سنت نبیؐ اور حقیقی سعادت کی طرف دعوت

امام حسینؑ نے مکہ میں وارد ہوتے ہی امت مسلمہ کو اپنے ان مقاصد سے آگاہ کرنے کے لئے ہر ممکنہ وسیلہ اور طریقہ کا استعمال کیا۔ انہوں نے بصرہ کے عوام اور وہاں کے بزرگوں کو خط لکھا، اسمیں لوگوں کو کتاب خدا اور سنت رسولؐ پر عمل کرنے اور حقیقی کامیابی اور سعادت کی طرف دعوت دی اور ساتھ ہی اس بات پر تاکید کی کہ لوگوں پر حکومت کے لئے سب سے مناسب اور شائستہ ترین شخصیت خود امامؑ کی ذات ہے۔ (نجمی، ۱۳۹۳، ص۳۷) دراصل، بصرہ کے عوام کو دعوت دینے کا مقصد انکو اپنی مدد کے لئے بلانا تھا لیکن یہ عمل مقدمہ تھا اس

تحریک کے اصلی مقصد یعنی قرآن وسنت کو زندہ کرنے اور دوبارہ ان کی طرف واپس لانے کا۔ تو اس مقام پر بھی امام حسین علیہ السلام کی اس مذہبی اور سیاسی تحریک کا مقصد وہی امر بالمعروف اور نہی از منکر قرار پاتا ہے۔

پانچ: عدل وانصاف پر مبنی حکومت کا قیام

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ معاویہ کے مرنے اور امام حسینؑ کا یزید کی بیعت سے انکار اور مدینہ سے نکل کر مکہ جانے کو کوفہ کے عوام اور بزرگوں نے غنیمت جانا کہ امام حسینؑ کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی جائے کیونکہ اہل کوفہ، معاویہ اور اس کے کارندوں کے ظلم وستم سے تنگ آچکے تھے۔ انہوں جناب سیدالشہداؑ کو متعدد خطوط لکھے جس میں کوفہ آنے اور یزید کے خلاف قیام اور اسلامی حکومت کی تشکیل کی دعوت دی۔

اٹھارہ ہزار کی تعداد میں خطوط امام علیہ السلام کو بھیجے گئے اور یہ تعداد ان خطوط کی صحت اور لکھنے والوں کے وفاء عہد کے پابند ہونے کی علامت تھی جس کو دیکھتے ہوئے یہ فطری سی بات ہے کہ امام حسینؑ امام، عالم اور اسلامی معاشرے کے مذہبی اور سیاسی رہنما ہونے کے عنوان سے ان کی دعوت کو قبول کریں کہ اگر وہ لوگ اپنی دعوت اور وعدے میں سچے ہیں تو ان کی مدد کے لئے آگے بڑھیں گے؛ کیونکہ امام حسین علیہ السلام کا مقصد ہی عدل وانصاف اور حریت کا قیام اور سنت پیغمبرؐ و تعلیمات قرآن کو زندہ کرنا تھا۔ (مطہری، ۱۳۶۵، ج۱، ص ۷۰)۔ تو اس طرح امام کی شرعی ذمہ داری اور عدل وانصاف کے قیام کی پابندی اس بات کا تقاضہ کررہی تھی کہ وہ رائج طریقہ کے ذریعہ اہل کوفہ کی مدد کے لئے جائیں اور انہیں یزیدیوں کے ظلم وستم سے نجات دلائیں۔ اسی لئے امام حسینؑ نے ذی الحجہ سن ۶۰ ہجری کی ابتدا میں جناب مسلم ابن عقیل کو اپنے پیغام کے ساتھ کوفہ روانہ کیا اور خود اسی سال ۸ ذی الحجہ کو مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔

اگرچہ مقام ثعلبیہ پر ہی امام حسینؑ جناب مسلم کی شہادت سے باخبر ہوگئے تھے لیکن خبر شہادت، امام کے لئے منطقی دلیل نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ مکہ پلٹ جائیں یا کسی اور جگہ چلے جائیں؛ کیوں کہ اب بھی اپنے اہداف کو آگے لے جانے یعنی کوفہ میں موجود اموی کارندوں پر غلبہ پیدا کرنے کا موقع تھا اور وہاں وہ وفادار شیعہ موجود تھے جو امامؑ کے اس عظیم مذہبی اور سیاسی اہداف کی راہ میں اپنی جان نثار کرسکتے تھے۔

اس کے علاوہ مکہ اور مدینہ جیسے شہر بھی امامؑ کے لئے مقام امن نہیں رہ گئے تھے۔ چنانچہ امامؑ نے کوفہ کی سمت اپنے سفر کو جاری رکھا یہاں تک منزل شراف پر ایک ہزار سپاہیوں پر مشتمل حر ریاحی کی فوج نے امامؑ کا راستہ روک لیا۔ امام حسینؑ اور حر کی فوج کے درمیان جو باتیں ہوئیں اس میں امامؑ نے واضح کردیا کہ اہل کوفہ نے

انہیں کوفہ میں تشکیل حکومت اور انکی دینی اور سیاسی رہبری کی دعوت دی ہے۔(ابن اثیر، ۱۳۸۳، ج۳، ص۲۸۰؛ شیخ مفید، ۱۳۸۸، ص۲۲۴-۲۲۵)

اس سلسلہ میں امامؑ کی باتیں اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ مسلمانوں کا امامؑ کو دعوت دینا اور طاغوت کے ظلم سے نجات دلوانے کے لئے ان کو مذہبی اور سیاسی رہنما کے طور پر قبول کرنا، امامؑ پر یہ فرض عائد کرتا ہے کہ وہ انکی دعوت پر لبیک کہیں۔ چنانچہ اس مرحلہ تک اہل کوفہ کی دعوت کو قبول کرنا اور ان کی مدد کے لئے وہاں جانا اور سیاسی اور مذہبی رہنمائی کرنا نہ صرف امام حسین علیہ السلام کا شرعی فریضہ تھا بلکہ یہ عمل امامؑ کی تحریک کے اصل اہداف یعنی امر بالمعروف و نہی از منکر، اصلاح اور اقدار اسلامی کے احیاء کا مقدمہ بھی تھا جو ان مقاصد کے تحقق کی راہ میں مؤثر کردار رکھتا تھا۔(صالحہ نجف آبادی، ۱۳۶۲، ص۹۴-۹۸)

ساتھ ہی اگر امام حسین علیہ السلام اہل کوفہ کی دعوت کو رد کردیتے اور ان کو منع کردیتے تو پھر وہ کس طرح عدل و انصاف، آزادی و حریت اور اسلام کی عظیم تعلیمات کو زندہ کرنے کا دعوی کرسکتے تھے۔؟! مستقبل کی تاریخ اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے اپنی حقانیت کو کیسے ثابت کرتے؟!۔ اور جب امامؑ اور حر کی سپاہیوں کا سامنا ہوا اور حر اور اسکے ساتھی امام حسینؑ کے سامنے لاجواب ہوگئے (کیونکہ احتمالاً اس کے سپاہیوں میں کچھ افراد وہ بھی تھے جنہوں نے امام حسینؑ کو خط لکھا تھا) تو حر نے کہا: مجھے آپکو عبیداللہ بن زیادہ کے پاس لے جاکر بیعت کروانے پر مامور کیا گیا ہے، امامؑ نے عبیداللہ اور یزید کی بیعت سے انکار کردیا جس کے بعد امامؑ اور حر کا قافلہ مقام نینوا کی سمت جاکر رک گیا۔ تو اب اس کے بعد اگرچہ کوفہ جاکر تشکیل حکومت کا مقصد مکمل طور پر ختم ہوجاتا ہے لیکن سب سے اہم مذہبی اور سیاسی مقاصد یعنی بیعت یزید کا انکار، ہر قسم کی ذلت و رسوائی سے دوری، آزادی اور حریت پر تاکید، امر بالمعروف اور نہی از منکر جیسے مقاصد کا محقق ہونا ابھی باقی تھے اور یہ مقاصد امام حسینؑ کی شہادت، انکے باوفا اصحاب کی شہادت اور اہل حرم کی قید ہونے سے پورے ہوسکتے تھے۔

چھ: ظلم کی مخالفت اور طاغوتی حکام کے خلاف سیاسی رد عمل

اب اپنی اس اصلاحی تحریک کے بعد کے مراحل میں امام حسینؑ، بنی امیہ کی دین اور شریعت مخالف حرکتوں کو آشکار کرتے ہیں، دیندار افراد کو انکی شرعی ذمہ داری کی طرف متوجہ کرتے اور شرعی ذمہ داری کے سلسلہ میں غفلت برتنے والوں کے انجام کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور امامؑ کا یہ عمل انکی بیدار کرنے والی اس تحریک اور انقلاب کا اہم مقصد تھا۔ آپ مقام بیضہ پر، حر کی فوج کے سامنے خطبہ دیتے ہیں اور آزادی پسند اور آزادی کے

پابند افراد کو ظالم اور حرام خور حکمران کے سامنے کھڑے ہو جانے پر تاکید کرتے ہیں۔ (ابن اثیر، ۱۳۸۷، ج ۳، ص ۲۸۰؛ خوارزمی، ۱۳۶۷ھ، ج ا، ص ۲۲۹)

سات: ذلت و رسوائی قبول نہ کرنا

امام حسینؑ کا قافلہ حر کے قافلہ سے روبرو ہوتا ہے اور حر، امام حسین علیہ السلام سے ذلت اور رسوائی پر مبنی یزید کی بیعت چاہتا ہے۔ اسی مرحلہ کے بعد سے امام حسینؑ اپنی باتوں اور خطبوں میں اپنے اصلی مقصد یعنی ذلت و رسوائی سے دوری اور عزت کے ساتھ موت پر تاکید کرتے ہیں۔ اور کربلا میں وارد ہوتے ہوتے اس تاکید میں مزید شدت پیدا ہو جاتی ہے؛ گویا امام حسینؑ کہنا چاہتے ہیں کہ ہر آزادی پسند انسان اس اصلاحی انقلاب کے لئے عزت کی موت کے ساتھ اپنے خون کا نذرانہ پیش کرے۔ (خوارزمی، ۱۳۶۷، ج ا، ص ۲۳۷؛ سید بن طاوس، ۱۳۲۱، ص ۶۹)۔

مختلف مقامات پر دئے گئے خطبوں میں امام حسینؑ نے شرافت مندانہ اور عزت کی زندگی پر خاص تاکید فرمائی ہے۔ اسی طرح روز عاشور پسر سعد کی فوج کے سامنے بھی جب آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا تو اس مسئلہ پر بہت زیادہ تاکید فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں جناب سید الشہداءؑ یہ عظیم جملہ ارشاد فرماتے ہیں" موت ذلت قبول کرنے سے بہتر ہے "۔ (خوارزمی، ۱۳۶۷، ج ۲، ص ۷-۸ و ۳۴۶؛ حرانی، ۱۳۹۴، ص ۱۷۱)

آٹھ: حریت و آزادی انسانی، زندگی کی بنیاد

شہادت سے پہلے امام حسینؑ نے زندگی کے جس اصول کی طرف اشارہ کیا وہ حریت و آزادی ہے۔ جب اس ملعون اور خنزیر صفت فوج یزید نے اہل حرم کے خیام کو غارت اور تاراج کرنے کا قصد کیا تو اس وقت جناب سید الشہداءؑ نے انسان کی سب اہم خصوصیت یعنی اور حریت آزادی پر تاکید فرمائی۔ اور یہ اصول نہ صرف امام حسینؑ کی اس اصلاحی تحریک کا اہم مقصد تھی بلکہ تمام مصلحان جہان کی یہی آرزو رہی ہے اور ہر زمانے اور علاقہ میں اس کو اہم سمجھا گیا ہے۔

ب) تحریک عاشورہ کے مقاصد کے سلسلہ میں ہماری مذہبی اور سیاسی سمجھ کا تجزیہ

ہم نے تحریک عاشورہ کے زیادہ تر مقاصد کو یہاں بیان کر دیا ہے۔ لیکن اس بات پر توجہ رہے کہ تمام مقاصد برابر اور یکسان نہیں ہیں بلکہ کچھ اس میں مقدم اور کچھ مؤخر ہیں کچھ کی اہمیت زیادہ اور کچھ کی دوسرے سے کم

ہے۔ تو اس اعتبار سے ان تمام مقاصد میں امر بالمعروف اور نہی از منکر کی اہمیت سب سے زیادہ ہے اور دیگر اہداف و مقاصد ، اہمیت کے لحاظ سے اس سے کم بلکہ اسی کے ضمن میں قرار پاتے ہیں۔ شہید مطہریؒ، امر بالمعروف کے اصل کردار کے پیش نظر کہتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت اسی مقصد کے تحت تھی، شہید مطہریؒ اس عنصر کو ایسا بنیادی ترین مذہبی اور سیاسی مقصد شمار کرتے ہیں جو اسلامی معاشرے کی بقاء کا ضامن ہے اور اس کا نہ ہونا یا اس پر عمل نہ کرنا انسانی معاشرے کی فروپاشی اور اس کے برباد ہو جانے کا سبب ہوگا۔ (رجوع کریں؛ مطہری، ۱۳۶۶، ج ۲، ص ۷۶؛ ۱۳۶۵، ج ۳، ص ۲۸۵)۔ یہ اہداف جن کو امام حسین علیہ السلام کے بعد دیگر ائمہ معصومین علیہم السلام اور بابصیرت علماء نے نشر کیا اور ان کی تبلیغ کی، یہ ہمیں بتاتے ہیں کہ انکے سلسلہ میں منطقی اور عقلی ذمہ داری ان کی مذہبی و سیاسی حقیقت، اہمیت اور اقدار کو سمجھنا اور انکا ادراک ضروری امر ہے۔ اور یہ عمل تحریک عاشورہ کے سلسلہ میں جذباتی اور ہیجانی ہونے سے زیادہ ضروری ہے۔ بلکہ ضروری ہے کہ ہمیشہ ان اہداف کے سلسلہ میں منطقی نگاہ سے غور کرتے رہیں اور ان کو سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ ظالم اور ستمگر حکام اور حکومتوں کے مقابلہ میں انہیں مقاصد کے سائے میں اپنی زندگی کو بصیرت کے ساتھ ترتیب دے سکیں۔

دراصل تحریک عاشورہ کے ان مذہبی اور سیاسی اہداف کی سمجھ، ان کا شعور اور ان پر منطقی اور عقلی لحاظ سے غور و فکر ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ امام حسینؑ اور ان کے اصحاب باوفا صرف افراد کی کمی اور بے یاور و مددگار ہونے کی وجہ سے شہید نہیں ہوئے تھے بلکہ انکی شہادت کہ وجہ یہ تھی کہ وہ ان عظیم مذہبی اور سیاسی اہداف کے پابند تھے اور اس پر تاکید کررہے تھے۔ تو پھر ان مقاصد کے سلسلہ میں ہماری ذمہ داری ہے کہ منطقی طور پر ان کے سلسلہ میں ادراک اور شعور پیدا کریں خصوصا ان کے بارے میں امام حسینؑ کے ان خطبوں کی طرف رجوع کرتے رہیں اور ان مقاصد کو اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے لئے نمونہ عمل اور سرمشق زندگی قرادیں۔ کلیت و شمولیت، اطلاق، ثبات، تقدس، آفاقیت، عقلانیت، فطرت اور دینی نصوص کے مطابق ہونے جیسی خصوصیات، واقعہ عاشورہ کے سلسلہ میں منطقی سمجھ رکھنے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ امام حسینؑ اپنے یاران باوفا، اپنے ششماہہ اور دیگر افراد کے ساتھ اتنی بے رحمی سے شہید ہوگئے اور صدیاں گزر جانے کے بعد بھی یہ ظلم اور وحشی پن، پاک سرشت اور پاک دل انسانوں کو تکلیف اور غم دیتا رہتا ہے لیکن اس کے باوجود تاریخ کی سیاہی میں ان اہداف و مقاصد نے اس منظر کو نورانی اور ضوفشان کررکھا ہے اور آزادی پسند اور اہل ضمیر انسانوں کی زندگی کے افق کو تاقیامت منور کردیا ہے۔

شہید مطہریؒ تحریک عاشورہ کا تقدس، اس کے مذہبی اور سیاسی اہداف میں جانتے ہیں جو کسی خاص جغرافیہ سے محدود نہیں ہے بلکہ وہ حق و حقیقت پر مبنی ہے یہ ایک ایسی تحریک ہے جس نے ظلم و ستم اور تاریک ماحول کے مقابلہ میں عدل و انصاف کی آواز کو بلند کیا تھا۔ یہ ایک ایسی تحریک اور ایسا انقلاب ہے جو انسانی فکر و نظر کی ترقی کا سبب ہے اور ہر آزاد اور انصاف پسند انسان کو شخصیت عطا کرتا ہے اور اس میں ہر روز شجاعت اور ہمت کی روح کو تازہ کرتا رہتا ہے ساتھ ہی آزادی اور انصاف پسندی کے جذبہ کو احیاء کرتا ہے۔ ان کے بقول " کسی قوم کو شخصیت عطاء کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں عشق اور نمونہ عطا کیا جائے اگر عشق اور آئیڈیل انکے پاس ہوگا تو ان پر سے غبار ہٹ جائیگا، اور جب گرد و غبار ان پر سے ہٹے گا تو ان کی شخصیت دو بارہ زندہ ہوگی" (مطہری، ۱۳۶۶، ج ۲، ص ۱۳۹-۱۴۳؛ ۱۳۶۵، ج ۳، ص ۴۱-۴۴، ۵۰ و ۱۷۱) یہ وہی حقیقت جو امام حسین علیہ السلام کے قیام میں دکھائی دیتی ہے ؛یعنی عراق اور کوفہ کے وہ لوگ جو معاویہ کے زمانہ میں ذلت، سستی، موت کے ڈر کے ساتھ زندگی گذرا رہے تھے اور جس کی بنیاد پر امام حسین علیہ السلام نے ان کی مذمت اور سرزنش بھی کی تھی، لیکن امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کی شہادت اور ان کی فداکاری نے ان میں دینی غیرت کو بیدار کر دیا؛ اور اس طرح بیدار کیا کہ قیام توابین، قیام زید اور قیام مختار جیسے شجاعت اور ہمت سے لبریز قیام وجود میں آگئے جنہوں نے امام حسین کی تحریک کے اہداف: آزادی اور عدل و انصاف کو اپنا سرمشق قرار دیا۔

عاشورہ کے سلسلہ میں ہماری مذہبی اور سیاسی سوجھ بوجھ کا لازمہ یہ ہے کہ اہداف عاشورہ کے سلسلہ میں غور و فکر کریں اور انہیں برپا کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اگرچہ اہداف و مقاصد پر غور و فکر اور اس کے سلسلہ میں کوشش کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تحریک عاشورہ کے جذباتی اور دلی لگاؤ والے پہلو کو نظر انداز کر دیں؛ کیونکہ اس کی بھی بہت اہمیت ہے اور تاریخ میں اس تحریک کو زندہ رکھنے میں اس کا بہت کردار رہا ہے۔ لیکن اصل کردار، امام حسینؑ کے ان مقاصد کا رہا ہے جن کی خاطر انہوں نے اس انقلاب کو برپا کیا، تو اس پر توجہ ضروری ہے۔

۵۔ تحریک عاشورہ کا طریقہ کار اور ہمارا دینی وسیاسی شعور

جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ طریقہ اور حکمت عملی کا کام، کسی بھی تحریک کے اہداف کو تحقق دینے میں کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔ یعنی مختلف مراحل میں دینی اور سیاسی اہداف و مقاصد کی کیفیت، اپنے لئے مناسب اور منطقی طرز عمل اور حکمت عملی انتخاب کرتی ہے۔ لہٰذا اگر کسی تحریک کو اپنی حکمت عملی اور طریقہ کار معین کرنا ہے اس کے لئے اس کا منطقی ہونا ضروری ہے؛ اور یہی حکمت عملی ہمیں امام حسین علیہ السلام کی اس چند مہینوں کی

تحریک میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ مثال کے طور پر امامؑ کا مجبوراً مدینہ سے نکل کر عام راستوں سے ہو کر مکہ جانا، معروف شخصیتوں سے ملاقات کرنا، مکہ میں مختلف افراد سے گفتگو کرنا، مختلف منزلوں پر قیام کرنا، خطبے دینا، راستے میں مسافروں سے گفتگو کرنا، بعض شہروں کے بزرگ افراد کو خط لکھنا، لشکر حر اور لشکر پسر سعد کے سامنے معرفت پر مبنی خطبہ دینا، عمر سعد کی لشکر کی اس بات پر سرزنش کرنا کہ انہیں لوگوں نے خط لکھ کر بلایا تھا، اور اس کے علاوہ دیگر بہت سے امور۔ گویا امام حسینؑ نے تحریک عاشورہ کے تحقق کی راہ میں ہر مناسب اور مؤثر حکمت عملی کا استعمال کیا تھا۔

اور تاریخ کے مطابق امام حسینؑ اور ان کے باوفا ساتھیوں کی شہادت کے بعد، ائمہ معصومینؑ نے بنی امیہ اور بنی عباس کے سخت اور گھٹن کے دور میں بھی واقعہ عاشورہ کو زندہ رکھنے کے لئے بہترین سیاسی حکمت عملی کا استعمال کیا؛ کیونکہ بنی امیہ کی پوری کوشش تھی کہ لوگوں کے ذہنوں سے واقعہ عاشورہ اور اس کی یاد محو کر دیا جائے۔ بنی امیہ کے دور میں اس زہریلی اور مسموم فضاء کے باوجود اہلبیت رسالتؑ نے عوام کے افکار کو روشن کرنے کا کام انجام دیا اور فریب اور دھوکہ پر مبنی بنی امیہ کی تبلیغ کو اپنی سیاسی حکمت عملی سے ناکام بنادیا۔ اسی طرح سے امام حسین علیہ السلام کے غم میں مجالس برپا کرنا، مرثیہ خوانی، اشعار، واقعہ عاشورہ کو بیان کرنا، روز عاشور کو روز عزا اور روز مصیبت کے طور پر روشناس کروانا، امام حسینؑ پر رونے اور رلانے کی فضیلت کو بیان کرنا۔ اسی حکمت عملی کا جزء ہے۔ (ایازی، ۱۳۸۸، ص۱۸۵)۔ چنانچہ ائمہ علیہم السلام کی منطقی اور سیاسی حکمت عملی واقعہ کربلا اور اسکی یاد کو زندہ رکھنا تھا اور یہی حکمت بعد کے بابصیرت شیعہ علماء کے ذریعہ جاری رہی۔

اب سوال یہ ہے کہ آج کے زمانہ میں تحریک عاشورہ کے تحفظ کی راہ میں منطقی اور مناسب حکمت عملی کیا ہو سکتی ہے اور اس سلسلہ میں ہماری دینی اور سیاسی سمجھ کیا ہو سکتی ہے؟ اس سوال کے جواب میں پہلے ان طریقوں اور حکمت عملی کی کلی خصوصیت کو سمجھ لیا جائے اگرچہ انہیں پہلے بھی بیان کر چکے ہیں۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ تحریک عاشورہ جیسی مذہبی اور سیاسی تحریکوں کے لئے جو حکمت عملی ہوتی ہے وہ جزئی، وقتی اور زمانے اور علاقہ کے تقاضوں کے تحت ہوتی ہیں، ان میں آفاقی حیثیت نہیں پائی جاتی اور وہ مسلسل تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ حکمت عملی کی خصوصیت ہر زمانے اور علاقہ میں تبدیل ہوتے رہنا ہے۔ تو اب امام حسینؑ کی شہادت کے بعد سے اب تک مسلسل تبدیل ہونے والی حکمت عملی جو مختلف زمانوں میں رائج تھیں ان پر نگاہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اس کے ذریعہ مختلف زمانوں میں مختلف حکمت عملی کے علمی، سماجی اور سیاسی کردار

کو جانا جاسکے۔ یہ کہنا بھی مناسب ہوگا کہ تحریک عاشورہ کے تحفظ کی راہ میں استعمال کئے جانے والے مختلف طرز عمل اور حکمت علمی اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ گذشتہ چودہ صدیوں میں ان میں بہت سی تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں اور وہ مختلف مراحل سے گزری ہیں۔ بہر حال زمانہ، جگہ، لوگوں کا طرز فکر، حکمت عملی اور طریقہ کار کی کیفیت اور استعمال کو تبدیل کرتی رہتی ہے۔ تو اس طرح ہماری منطقی ذمہ داری اس سلسلہ میں یہ ہے کہ وقت اور جگہ کے تقاضوں کے مطابق حکمت عملی اور طریقہ کار کو اختیار کریں تاکہ یہ حکمت عملی اور طریقہ کار تحریک عاشورہ کے مذہبی اور سیاسی اغراض و مقاصد کے تحفظ اور ترویج کی راہ میں مناسب اور مؤثر کردار ادا کرسکیں۔

اس سلسلہ میں اس بات پر توجہ کی ضرورت ہے کہ ممکن ہے کہ ماضی کی بعض حکمت عملی اور طرز عمل موجودہ زمانہ میں کارآمد نہ ہوں بلکہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ان کا استعمال نہ صرف تحریک عاشورہ کے تحفظ اور ترویج میں مؤثر نہ ہو، اس کے برخلاف اس کے لئے نقصان دہ ہو۔

ساتھ ذکر کرتے چلیں کہ حکمت عملی اور طریقہ کار میں جذبات اور احساسات کا خاص مقام ہے۔ مثال کے طور پر مجالس غم، مصائب اور نوحہ خوانی یا عاشورہ سے متعلق پینٹنگ اور فنون کے استعمال میں یہی جذباتی اور احساساتی عنصر زیادہ کارآمد ہوتا ہے؛ جبکہ تحقیقی اور تحریری حکمت عملی میں زیادہ تر منطقی اور عقلی پہلو جلوہ نما ہوتا ہے۔ بہر حال اب ضرورت ہے کہ مختلف زمانہ اور شرائط کے اعتبار سے ان کا منطقی اور عقلی استعمال کیا جائے۔ (متین، ۱۳۸۸، ص ۸۲) اسی بنیاد پر تحریک عاشورہ کے تحفظ میں مجلس و نوحہ و ماتم کا اہم کردار ہے۔ (لیکن موجودہ زمانے میں اس طریقہ کار کو عقل و منطق کے ساتھ عاشورہ کے مقاصد کو تحقق بخشنے کی راہ میں استعمال ہونا چاہئے۔)

کیونکہ امام حسینؑ کی عزاداری کے دو بنیادی پہلو ہیں؛ ایک جذباتی پہلو اور دوسرا منطقی اور عقلی پہلو۔ جو چیز تحریک عاشورہ کو زندہ رکھنے، اس کو جاری رکھنے، اسے بھولنے نہ دینے اور امام حسینؑ کے اس انقلابی پیغام کو بیان کرنے کی ضمانت لیتی ہے وہ مجلس، عزاداری اور نوحہ و ماتم یعنی جذباتی پہلو ہے اور جو چیز اس تحریک کی ماہیت اور حقیقت کو تشکیل دیتی ہے اور قیام امام حسینؑ کی روح ہے اور قیام امام حسینؑ کے فلسفہ کے طور پر بیان ہوئی ہے اور اس کی بنیاد شمار ہوتی ہے وہ دین کی حفاظت، عدل و انصاف کا قیام، آزادی اور حریت پسندی، ظلم و ستم سے مقابلہ اور اس سے نفرت ہے جس میں مجموعی طور پر عقلی اور منطقی پہلو پایا جاتا ہے۔ (ایازی، ۱۳۸۸، ص ۱۹۳)

اس راہ میں ضرورت ہے کہ عزاداری کے سلسلہ میں اس منطقی اور عقلی پہلو کی تقویت کی جائے اور اس سے متعلق افراد کی منطقی اور عقلی طور پر تربیت بھی کی جائے تاکہ ان کے ذریعہ عوام کو اس عظیم تحریک اور انقلاب کے عمیق مطالب، مقاصد اور پہلوؤں یعنی تحریک عاشورہ کے سیاسی اغراض و مقاصد سے روشناس کرایا جاسکے۔ تو معتبر اسناد اور حوالوں پر مشتمل ڈکومنٹری فیلمز، تحریک عاشورہ سے متعلق سادہ زبان پر مشتمل کتابیں وغیرہ مناسب منطقی اور عقلی حکمت عملی شمار ہو سکتی ہیں اور اس کے مقابلہ میں جذباتی اور منطقی دونوں ہی پہلوؤں میں افراط و تفریط سے پرہیز کرنا چاہئے۔

تحریک عاشورہ کے تحفظ کے سلسلہ میں ایک اور اہم طریقہ اور حکمت عملی، امام حسینؑ سے محبت کے ساتھ خود ان سے اور ان کی تحریک کی معرفت پیدا کرنا ہے؛ امام حسین علیہ السلام سے صرف محبت کرنا اچھا عمل ہے لیکن انکی اور انکے مقصد کی معرفت کے بغیر محبت سے، مشکلات میں گرفتار ہونے کا خطرہ لاحق ہے جیسا کہ تاریخ اس بات کی گواہ ہے۔ تو صرف جذباتی پہلو کافی نہیں ہے۔ (اس میں شک نہیں کہ معرفت کے ساتھ محبت نیک اور مطلوبہ عمل ہے)۔

اس لیے تحریک عاشورہ کے تحفظ کی راہ میں ہماری منطقی اور عقلی ذمہ داری یہ ہے کہ اس تحریک کے تین اہم اور بنیادی کڑیوں یعنی امام حسین کی معرفت، ان سے محبت اور تحریک عاشورہ اور امام کی تعلیمات کی پیروی کو ایک دوسرے سے جوڑیں۔ ان تین کڑیوں پر تاکید سے حسینی اور شیعہ حسینؑ ہونے کا معیار صرف مجلس، گریہ اور سبیلیں وغیرہ لگانا نہیں ہوگا اگرچہ یہ امور ضروری ہیں، بلکہ امام حسین علیہ السلام کے شیعہ کو پہچاننے کا اصل معیار انصاف پسندی، آزادی، امر بالمعروف نہی عن المنکر، صداقت، انسان دوستی، عہد و پیمان کی پابندی اور اس طرح کی دیگر اور اخلاقی اور دینی فضیلتوں سے مزین ہونا ہوگا جو امامؑ کی تحریک کے اصل مقاصد بھی ہیں۔

۶۔ ہماری منطقی و عقلی ذمہ داری کے تحت وسائل کا کردار

جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ اغراض و مقاصد اور حکمت عملی کی بہ نسبت ''وسائل'' عام طور سے مادی اشیاء یا اس جیسی چیزوں کو کہا جاتا ہے تاکہ وہ خدائی اور سیاسی تحریکوں کے اغراض و مقاصد کے تحفظ، انکی ترویج اور ان آرزوؤں کے تحقق میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔

اس تعریف کے مطابق تحریک عاشورہ کے سلسلہ میں امام بارگاہیں، حسینیہ، سبیلیں، عزاداری کے وسائل جیسے علم، شبیہیں، طبل اور ترویج عزاء اور تحریک عاشوراء کے مذہبی اور سیاسی تعلیمات کو فروغ دینے کے لئے

استعمال کئے جانے والے دیگر امور اور اشیاء، وسائل کے طور پر اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک قابل غور بات یہ ہے کہ وسائل کے تعین میں عوام کے ذوق اور انکے طرز زندگی کا اثر ہوتا ہے۔ للذا وسائل کی اپنی کوئی خصوصیت نہیں ہوتی ہے۔

نمونہ کے طور پر حسینیہ اور امام بارگاہوں پر اس لحاظ سے توجہ کی جاسکتی ہے کہ یہ مقامات عزاداری اور تحریک عاشورہ کو فروغ دینے کی جگہ ہیں۔ تاریخی لحاظ سے اس عنوان سے ان مقامات کو حکومت صفویہ کے دوران سے مخصوص کیا گیا اور قاجاریہ حکومت میں اسے فروغ ملا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صفویہ کے دور سے پہلے شیعہ بغیر امام بارگاہوں اور حسینیہ کے عزاداری کیا کرتے تھے۔ لیکن وقت گذرنے اور لوگوں کا طرز زندگی بدلنے کے ساتھ عزاداری اور تحریک عاشورہ کی تجلیل اور احترام کو ان مقامات سے مخصوص کر دیا گیا جو وقت کا تقاضہ بھی تھا۔ اسی طرح فروغ عزاداری اور ترویج عاشورہ کے وسائل میں عزاداروں کو تبرک دینا، انہیں کھانا کھلانا، سبیل لگانا جیسے امور بھی ہیں۔ بہر حال وسائل کی اہمیت تحریک عاشورہ کی حکمت عملی اور اس کے طرز عمل سے کم ہے اور ان وسائل کا اپنا ذاتی تقدس نہیں ہوتا بلکہ ان کا تقدس اہداف و مقاصد کے ضمن میں ہوتا ہے۔ اسی طرح وسائل میں کلیت، ثبات، آفاقیت، فطرت بشر اور مذہبی نصوص کے ساتھ سازگاری جیسی خصوصیات نہیں پائی جاتی ہیں کیونکہ ان کا کردار وقتی ہوتا ہے۔ ممکن ہے وقت گذرنے کے ساتھ ان کا کردار تبدیل بھی ہو جائے اور یہ مطلوبہ مقاصد کے لئے کارآمد نہ ہوں۔

تو وسائل کو صرف حکمت عملی کی تقویت کے لئے استعمال ہونا چاہئے اور حکمت عملی اور وسائل دونوں ہی کو تحریک عاشورہ کے مذہبی اور سیاسی اہداف و مقاصد کے تحفظ، تحقق اور انکی ترویج کی راہ میں اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔ لیکن عام طور سے ہمارے یہاں وسائل کو ہی مقصد سمجھ لیا جاتا ہے اور اسی وجہ سے انہیں دینی تقدس دے دیا گیا۔

یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصد سے غفلت کے نتیجہ میں ایسی چیزیں حقیقت اختیار کر لیتی ہیں جو مقصد نہیں ہوتیں بلکہ مقصد تک پہونچنے کا راستہ یا اس کا وسیلہ ہوتی ہیں۔

نتیجہ

تحریک عاشورہ جیسی مذہبی اور سیاسی تحریکوں کے سلسلہ میں عقلی تجزیہ اور انکی سمجھ ہمیں اس بات کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ اہم انکے تین اہم اصول: مقصد، طریقہ کار اور انکے وسائل کے درمیان فرق کی ضرورت کو

سمجھیں اور ان تینوں امور کو ایک دوسرے سے الگ کریں۔

عاشورہ جیسی مذہبی اور سیاسی تحریکوں کے مقاصد، کلیت، ثبات، آفاقیت، تقدس، عقل محوری جیسی خصوصیات فطرت بشر اور مذہبی نصوص کے ساتھ سازگار ہیں اسی لئے تاریخ میں ان تحریکوں کو زندہ رکھنے، زمانے اور علاقہ کی حدود سے باہر نکل کر ہر زمانے اور علاقہ کے آزاد ضمیر اور حریت پسند لوگوں کے دلوں کو تسخیر کرنے کی وجہ بنتی ہے۔ جبکہ ان تحریکوں میں استعمال کی جانے والی حکمت عملی اور وسائل میں یہ خصوصیات نہیں پائی جاتی ہیں بلکہ یہ امور اہداف ومقاصد کے تحقق کی راہ میں زمانے، علاقہ، حالات اور شرائط کے لحاظ سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ تو فلسفی تجزیہ کی رو سے اہداف و مقاصد کا کردار ثابت اور اٹل ہوتا ہے جبکہ حکمت عملی، طریقہ کار اور وسائل کا کردار اہداف کی مناسبت سے تبدیل ہوتا رہتا ہے۔

اسی حقیقت کے پیش نظر کہ تحریک عاشورہ کے مذہبی وسیاسی، اہم مقاصد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، امت رسولخداؐ کی اصلاح، پیغمبر اکرمؐ اور امیر المؤمنین علی ابن ابی طالبؑ کی سنت کو زندہ کرنا، ظالموں کی بیعت سے انکار، مظلوموں کی حمایت، انصاف پسندی، آزادی و حریت پسندی اور اس جیسے دیگر امور ہو سکتے ہیں اور ہر مذہبی اور سیاسی تحریکوں میں یہی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ اہداف عاشورہ کے تحفظ میں استعمال کئے جانے والے طریقہ کار و حکمت عملی اور اس راہ میں استعمال ہونے والے وسائل کا اعتبار ان کا تقدس اسی وقت تک ہے جب تک وہ ان مقاصد کے تحفظ، انکے تحقق اور ترویج کی راہ میں اپنا کردار ادا کریں۔ تو تحفظ عاشورہ کی راہ میں کوئی بھی حکمت عملی یا وسیلہ بذات خود کوئی تقدس نہیں رکھتا اور نہ ہی اسمیں آفاقیت، ثبات، اور نہ تبدیل ہونے والی خصوصیات پائی جاتی ہیں بلکہ تمام طریقہ کار اور وسائل اور انکا استعمال وقت گذرنے اور حالات و شرائط تبدیل ہونے کے ساتھ بدلتا رہتا ہے اور اس کی ارزش اصل ہدف کی نسبت سے قائم ہوتی ہے۔

تو تحریک عاشورہ کے سلسلہ میں صرف ایک حکمت عملی سے متمسک رہنا منطقی بات نہیں ہے اور عقلی استدلال کی رو سے قابل دفاع بھی نہیں ہے کیونکہ اس سلسلہ میں اصل اور حقیقت صرف اہداف و مقاصد کو حاصل ہے۔ اور حکمت عملی اور وسائل وقتی امور ہوتے ہیں۔ انکی حقیقت ہمیشہ اہداف کے ضمن میں بیان کی جاتی ہے۔

دوسرا اہم نکتہ ہے یہ کہ مقاصد، حکمت عملی اور وسائل کو ایک دوسرے سے جدا کرنے سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ کچھ اوصاف ذاتی ہوتے ہیں اور کچھ عرضی اور وقتی جیسے تحریک عاشورہ کے ذاتی اوصاف اس کے وہ عظیم مقاصد ہیں؛ یعنی امام حسینؑ کی طرف سے ہدایت اور رہنمائی کا پہلو، کیونکہ یہ امر مکمل طور پر قیام امام حسینؑ کے مذہبی و سیاسی مقصد کے مطابق ہے؛ جبکہ شفاء دینا، مال عطا کرینا، مشکلات حل کر دینا جیسے امور عرضی

اوصاف ہیں جو امام حسینؑ کی اس تحریک کا اصل مقصد نہیں ہیں بلکہ یہ پیروان امام حسینؑ پر خدا کا خاص لطف و کرم ہے۔ تو مجموعی طور پر تمام ائمہ معصومینؑ اور خاص طور پر امام حسینؑ کے سلسلہ میں ہماری منطقی اور عقلی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم انکے اہداف امامت کو سمجھیں اور امام حسینؑ کے سلسلہ میں ان کی دینی اور سیاسی تحریک کے مقاصد کی سمجھ پیدا کریں۔ نہ کہ انہیں صرف اپنی حاجات پوری کروانے کا ذریعہ سمجھیں۔ بہر حال یہاں اس گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ ہم امام حسینؑ سے انکی معرفت کے ساتھ محبت کریں تاکہ کامیابی اور سعادت پر مبنی انکی تعلیمات اور فرامین پر عمل پیرا ہو سکیں۔

تو محبت، معرفت اور پیروی بھی یہ تین ایسے طریقہ کار ہیں جو اصلی مقصد یعنی حقیقی کامیابی اور سعادت کی راہ میں اپنا اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اور اس راہ میں ائمہؑ خصوصا امام حسینؑ کی زیارتیں، ان سے تقرب اور ان کی حیات بخش تعلیمات سے نزدیک ہونے کا ذریعہ ہیں تاکہ ہماری روحانی بلندی کے اسباب فراہم ہو سکیں۔

حوالاجات

-قرآن کریم

ا۔ابن اثیر، معزالدین (۱۳۸۷) الکامل، جلد سوم، بیروت، دار صادر.

۲۔امین، علامہ سید محسن (۱۳۸۸)،» عزاداری ہای نامشروع«، ترجمہ جلال آل احمد، در: عاشورا، عزاداری، تحریفات، بہ کوشش مجمع مدرسین و محققین حوزہ علمیہ قم، صحیفہ خرد

- .ایازی، سید محمد علی (۱۳۸۸)، "نگاہی بہ عزاداری ہای حسینی"، در: عاشورا، عزاداری و تحریفات، بہ کوشش مجمع مدرسین و محققین حوزہ علمیہ قم، قم: صحیفہ خرد

- حرانی، حسن بن شعبہ (۱۳۹۴)، تحف العقول، قم: نشر آل علی— .

خوارزمی، احمد (۱۳۶۷) مقتل الحسین، جلد اول، تہران: انوار الہدی.

- رہبری، حسن (۱۳۸۸)،» خرافہ زدایی از عاشورا«، در: عاشورا، عزاداری، تحریفات، بہ کوشش مجمع مدرسین و محققین حوزہ علمیہ قم، قم: صحیفہ خرد.

- سید بن طاوس، رضی الدین علی بن موسی (۱۳۲۱)، لہوف، تہران: اسوہ.

- شیخ مفید، محمد بن محمد بن نعمان (۱۳۸۸)، الارشاد، تہران: دار الکتب الاسلامیہ.

- صادقی، ہادی (۱۳۸۶)، عقلانیت ایمان، قم: طہ.

- صالحہ نجف آبادی، نعمت اللہ (۱۳۶۲)، شہید جاوید، تہران: چاپ پرچم.

- طبرسی، ابو منصور احمد بن علی (۱۳۸۱) احتجاج، جلد دوم، تہران: دار الکتب الاسلامیہ—

- مجلسی، محمد باقر (۱۴۱۷ق)، بحار الانوار، جلد نود و ہفتم، تہران: چاپ اسلامیہ.

- مطہری، مرتضی (۱۳۶۵)، حماسہ حسینی، جلد اول و سوم، تہران: صدرا.

- ـــــ (۱۳۶۶)، حماسہ حسینی، جلد دوم، تہران: صدرا.

- ملکیان، مصطفیٰ (۱۳۸۱)، راہی بہ رہایی، تہران: نشر نگاہ معاصر.

- نجمی، محمد صادق (۱۳۹۳)، سخنان امام حسین از مدینہ تا کربلا، قم: بوستان کتاب

نوایی، علی اکبر (۱۳۹۰)، «نقش عاشورا در بین ملت ہای جہان»، در: بازشناسی نہضت عاشورا، بہ اہتمام محمود اصغری، مشہد: انتشارات دانشگاہ علوم اسلامی رضوی -

اصلاح امت مسلمہ کیلئے امام حسینؑ کا قیام

اور اس کے اثرات

مولانا ناظم علی خیرآبادی
جامعہ حیدریہ مدینۃ العلوم، خیرآباد، مئو

پیغمبر اسلامؐ کے وصال کے فورا بعد ہی امت اسلامیہ میں منافقانہ ذہنیت رکھنے والے افراد نے علمی، عملی اور اخلاقی، انحراف، ظلم و جور، فتنہ و فساد، داخلی انتشار و افتراق باہمی، طبقہ پرستی، خاندان نوازی، انصار و مہاجرین کے درمیان تفریق کا بازار گرم کر دیا، سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع سے اس کا آغاز ہوا اور آتے دنوں کے ساتھ روز بروز اس میں اضافہ ہوتا گیا، قانون اسلام کی مخالفت، قرآنی بیان کی خلاف ورزی، سنت و سیرت رسولؐ اکرم کے خلاف عملی اقدامات کئے جانے لگے، خود ساختہ خلافت رسولؐ کے جبرانہ رعب و داب اور حرص زر و مال و ہوس اقتدار نے امت اسلامیہ کی اکثریت کو سقیفائی خلافت کا ہمنوا بنا لیا، رفتہ رفتہ دور جاہلیت کے قوانین کو اسلام میں داخل کیا جانے لگا موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسیحیت اور یہودیت نے اپنا رنگ اسلام میں بھرا، دین خدا کا اصلی چہرہ نگاہوں سے اوجھل ہونے لگا، خود ساختہ خلافتوں کے ادوار میں اسلام کے رخ زیبا پر جو پردہ ڈالنے کی مسلسل جد و جہد کی گئی تھی، اسے بڑی حد تک امیر المومنین حضرت علیؑ کے ظاہری دور خلافت میں قرآنی نظام کے نفاذ کے تحت ہٹایا گیا لیکن شامی امیر نے سقیفائی عزائم و مقاصد کو پائدار بنانے کی ہر ممکن کوشش کی ور اس طرح ظاہری طور پر بھی بنی امیہ نے اپنا اثر و رسوخ پیدا کر کے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لی، شامی حاکم معاویہ اور اس کے بعد کے ظالم و جابر حکام نے اسلامی اصول و فروع کو مٹانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، معاویہ نے سازش کے تحت حقیقی جانشین پیغمبرؐ کو شہید کرایا حضرت امام حسنؑ کی خلافت چند مہینہ کیلئے قائم ہوئی کیونکہ مفاد پرستوں اور سازشیوں نے اسلامی قوانین کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کیں

اور امام حسنؑ نا مساعد حالات اور بلا حصول مقصد اپنے انصار واعوان کی جانیں برباد ہونے سے بچانے کیلئے حکومت کے وقتی طور پر کنارہ کش ہوگئے،۴۱ء میں معاویہ نے اپنی بیعت کرانے کے بعد عالم اسلام پر اپنا تسلط جما لیااور لوگوں کو اپنے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کی تاکہ کہیں سے اختلاف کی آواز اٹھ ہی نہ سکے،اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے اس نے لوگوں کو تشدد اور فقر و فاقہ میں گرفتار رکھنا، قبائلی عصبیت کو زندہ رکھنا دین کے نام سے لوگوں کو افیون پلا کر انقلابی جذبہ اور حوصلہ کو ختم کرنا ضروری سمجھااور اس کیلئے بھرپور اقدام کیا جس کا مختصر سا خاکہ پیش کیا جارہا ہے۔

معاویہ کا جرنیل سفیان بن عوف غامدی کا بیان ہے: معاویہ نے مجھے بلا کر کہا کہ میں تجھے ایک بڑے مسلح اور سخت دل لشکر کے ساتھ بھیج رہا ہوں، تم فرات کے ساتھ ساتھ چلتے رہو یہاں تک کہ "ہیت" سے آگے بڑھ جاؤ اگر کسی لشکر سے سامنا ہو اس پر حملہ کر دو اسی طرح انبار اور مدائن تک چلے جاؤ۔ یہ حملے عراقیوں کے دلوں میں رعب پیدا کریں گے ہمارے چاہنے والوں کو خوش کریں گے۔ ہمارا مخالف کوئی بھی ملے تو اسے قتل کر دو، جس علاقہ سے گذرو اسے تباہ کر دو اور ان کے مال و دولت پر ڈاکہ ڈالو اس لئے کہ مال چھیننا قتل کے مانند اور زیادہ دردناک ہے۔ (شرح ابن ابی الحدید معتزلی، ج ۲، ص ۸۵ و ۸۶)

سمرہ بن جندب کو بصرہ کا والی بنایا گیا اس نے ایک مہینہ قیام کرکے بقول ابو سوار عدوی اس نے ایک ہی صبح میری قوم کے ۱۷۰ ایسے افراد کو قتل کیا جنہوں نے قرآن جمع کیا تھا۔ (تاریخ طبری، ج ۶، ص ۱۲۲)

سمرہ نے مدینہ میں ایک مہینہ قیام کرکے وہاں لوگوں کے گھروں کو گرا دیا اس نے ہمدان کی عورتوں کو اسیر کیا اور انہیں بازاروں میں فروخت کرنے کیلئے بھیج دیا اسلام میں یہ پہلی خواتین ہیں جنہیں خرید اگیا۔ (الاستیعاب، ج ۱، ص ۱۶۵)

عام الجماعۃ کے بعد پوری سلطنت پر معاویہ کا تسلط قائم ہو گیا تو اس نے خود کہا: کوفہ والو کیا تمہارا خیال ہے کہ میں نے نماز، زکات اور حج کی خاطر تم سے جنگ کی تھی مجھے علم ہے کہ تم نماز پڑھتے ہو، زکات ادا کرتے ہو اور حج بھی کرتے ہو میں نے تم پر حکومت کرنے کیلئے جنگ کی ہے، خدا نے تمہاری مرضی کے خلاف مجھے یہ چیز دیدی اور اس راہ میں اگر کسی کا خون بہایا گیا ہے تو وہ رائیگاں ہے اور جن شرائط کو میں نے اس سلسلہ میں

قبول کیا ہے وہ میرے ان دو قدموں کے نیچے ہے اور جب صلح ہوئی تو اس وقت معاویہ نے بھی کہا تھا کہ میں نے اسے بادشاہت کے طور پر قبول کیا ہے۔ (تاریخ الکامل، ج ۶، ص ط ۲۲۰)

معاویہ شام اور دوسرے علاقوں کے لوگوں کے درمیان تفریق کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا تھا چنانچہ وہ ۶۰ ہزار افراد پر مشتمل اپنے لشکر پر ۶۰ ملین درہم خرچ کیا کرتا تھا۔ (تاریخ اسلام، ج ا، ص ۴۷۵)

شام میں جو کچھ بھی خوشحالی تھی امیر کی جانب سے تھی وہ اس یمنی قبائل کیلئے تھی، جو اس کے وفادار تھے اور قیس کے قبائل کو نظر انداز کرتا تھا اور اگر کبھی ان سے کوئی خطرہ لاحق ہوتا تو انہیں بھی کچھ دینا شروع کر دیتا۔ (التمدن الاسلامی، ج ۴، ص ۴۷)

معاویہ نے عام الجماعۃ کے بعد اپنے والیوں کے نام خط لکھا کہ جس کے بارے میں گواہی سے ثابت ہو جائے کہ وہ علیؑ اور ان کے اہلبیتؑ سے محبت رکھتا ہے اس کا نام دیوان سے کاٹ دیا جائے اور اس کو جو حصہ دیا جاتا ہے اسے بند کر دیا جائے۔ جس شخص کے بارے میں یہ شک ہو کہ وہ ان لوگوں سے وابستہ ہے اس پر تشدد کرو اور اس کا گھر تباہ کر دو۔ اگر مسلمانوں میں سے کوئی بھی ان کی نافرمانی کرتا تو وہ اس کا حصہ بند کر دیتے اگر چہ نافرمانی کرنے والا پورا شہر ہی کیوں نہ ہو۔ (التمدن الاسلامی، ج ۴، ص ۷۶)

معاویہ سب سے پہلا شخص تھا جس نے رعایا کے مال و دولت کو اپنے لئے مخصوص کیا تھا۔ (التمدن الاسلامی، ج ۲، ص ۱۹)

شاعر کے کلام کا اثر ذہنوں پر جلدی ہوتا ہے اور اگر مسلسل اشعار کی زبان میں کوئی بات کہی جائے تو وہ دیر پا ہو جاتا ہے، ضرب المثل کے طور پر استعمال میں آتی رہتی ہے چنانچہ معاویہ کے درباری شاعر اخطل انصاری جاہلیت کی دور کی روش کے مطابق مذمت آمیز اشعار کہا کرتا تھا اور معاویہ اس کو آلہ کار بنائے ہوئے تھا اور اس طرح دوسرے شعرا کے ذریعہ دور جاہلیت کی پرانی عداوتوں کو عرب کے دو قبیلوں اوس و خزرج کے درمیان دوبارہ زندہ کرنے کی بھرپور کوشش کرتا تھا۔

ابو الفرج اصفہانی کہتے ہیں: طویس کو ان اشعار سے بہت زیادہ لگاؤ تھا جو اوس و خزرج نے جنگ کے دنوں میں ایک دوسرے کے خلاف کہے تھے اس کا مقصد ان دونوں قبیلوں کو آپس میں لڑانا تھا بہت کم ایسے اجتماعات تھے جن میں ان دونوں قبیلوں کے افراد موجود ہوں اور ایسے اشعار کہے گئے ہوں اور ان میں اختلاف پیدا نہ ہوا ہو

وہ ان اشعار کے ذریعہ پرانی عداوتوں کو دوبارہ زندہ کرنا چاہتا تھا۔ (الاغانی، ج ۲، ص ۱۷۰؛ فجر الاسلام، ص ۲۸۰؛اسلام کی سیاسی تاریخ، ج ا، ص ۵۳۵)

شام میں معاویہ کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ یمنیوں کے حق میں اور قبیلہ مضر کے خلاف سازش کیا کرتا تھا اور قبیلہ کلب الیمانیہ کے ساتھ نزدیکی روابط استوار کرتا رہتا تھا چنانچہ اس نے یزید کی ماں میسون سے شادی کر لی تھی جو قبیلہ کلب کے سردار بجدل کی لڑکی تھی اور اپنے بیٹے یزید کی بھی اسی قبیلہ میں شادی کر دی، معاویہ کی حمایت سے اہل یمن اس قدر قوی ہوگئے تھے کہ وہ آخر میں شامی حکومت کو بھی نظر انداز کرنے لگے تھے تو معاویہ کو یمنیوں سے خطرہ لاحق ہوا تو یمنیوں کو مضر کے ساتھ لڑانے کا فیصلہ کر لیا اور مسکین دارمی کے نام پیغام بھیجا: ہم نے تیرے لئے شہر ہی میں وظیفہ مقرر کر دیا ہے، اگر چاہو تو اپنے شہر چاہو تو ہمارے پاس آجاؤ ہر حال میں تمہارا وظیفہ تمہیں ملتا رہے گا، چنانچہ جرجی زیدان نے تاریخ التمدن الاسلامی کے ص ۴۷ پر تحریر کیا ہے: معاویہ اس کام سے مسکین دارمی کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانا چاہتا تھا، چنانچہ اسی مسکین نے یزید کی خلافت کی تائید میں یہ اشعار کہے :

أَلالَيتَ شعری مایَقول إبنُ عامر

وَمروان أم ماذا یقول سعیدُ

بَنِی خلفاء الله مهلا فانما

یبوئها الرحمن حیث یریدُ

إذ المنبر الغربی خلاه ربه

فإن أمیر المومنین یزیدُ

کاش میں سمجھ سکتا ابن عامر، مروان اور سعید کیا کہنا چاہتے ہیں، اے فرزندان خلفا خاموش رہو، خدا جسے چاہے خلافت دیدیتا ہے، شام کی کرسی خلافت جب بھی خالی ہو جائے گی، تو اس کیلئے سزاوار ترین فرد امیر المومنین یزید ہے۔

امیر شام کے زمانہ حکومت میں بنی امیہ کو خوب پھلنے پھولنے اور طاقت و قوت میں اضافہ کا موقع ملا بنی امیہ کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ اسلاف سے اخلاف تک رسول اکرمؐ کے دشمن تھے انہوں نے آخری لمحوں میں مجبوراً

اسلام قبول کر لیا تھا، اس زمانہ میں معاویہ نے مسلمانوں کے دینی احساسات کو کچلنے کیلئے نام نہاد دین کو آلہ کار بنایا چنانچہ ابن ابی الحدید معتزلی کا بیان ہے۔

معاویہ نے اپنے اصحاب و تابعین کو یہ حکم دیا تھا کہ علیؑ کی تنقیص اور ان سے برائت اور بیزاری کے سلسلہ میں احادیث گھڑیں اور اس کے مقصد کیلئے ایک قابل توجہ رقم مخصوص کر دی چنانچہ ان لوگوں نے اس قدر احادیث گڑھ لیں کہ معاویہ خوش ہو گیا۔ ابو ہریرہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ اور عروہ بن زبیر کے نام اس فہرست میں شامل ہیں۔ (شرح نہج البلاغہ، ج ۴، ص ۶۱)

معاویہ نے فرقہ مرجئہ اور فرقہ جبریہ کو بھی اپنے مقصد کے تحت باقاعدہ استعمال کیا، ان کے بااثر افراد کو دولت وثروت سے نوازا اور اپنے مقصد کے مطابق اقوال و افعال کو پروان چڑھایا اس طرح معاویہ نے اپنی دنیاداری کی سیاست کے ذریعہ امت مسلمہ کو اپنے دباؤ میں رکھا اور معاشرہ کے لوگوں میں گناہ کا شعور ہی ختم ہو گیا اور زندگی گزارنے کا مقصد بھی امت کے لوگوں سے چھین لیا۔

بنی امیہ کے حکمرانوں نے جب اسلام سے انسانی اقدار کو نکالنے کی بھرپور کوشش کر لی اور اسلام کو ایک مخصوص گروہ کے مفاد میں استعمال کرنے کا طریقہ اپنا لیا تو حضرت علیؑ اور ان کے فرزندوں نے اسلام کا دفاع اور اس کو ہر شر اور تحریف سے بچانے کیلئے اپنا جہاد شروع کیا، حضرت علیؑ اپنی پوری زندگی جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ اسی راہ میں شہید ہو گئے ان کے بعد امام حسنؑ بھی اسی جہاد کی راہ میں شہید ہو گئے تو امام حسینؑ تنہا رہ گئے۔

حضرت امام حسینؑ نے معاویہ کے طریقہ کار کو دیکھا کہ وہ کس طرح مسلمانوں کو شہر بدر کر رہا ہے، انہیں فقر و فاقہ کا شکار بنا رہا ہے، ظلم و تشدد کا ہر حربہ استعمال کر رہا ہے، سیاسی مفاد کیلئے اسلام اور انسانی اصول میں کس طرح تحریف کر رہا ہے، اللہ و رسول پر کس طرح جھوٹ باندھ رہا ہے قبائلی عصبیت کو ہوا دے کر اسلامی معاشرہ کو کس طرح تباہ و برباد کر رہا ہے، بنی امیہ نے چاہا تھا کہ امام حسینؑ ان کے سامنے جھک جائیں تاکہ امت مسلمہ مکمل طور پر ان کی گرفت میں آجائے اور وہ بلا خوف و خطر اپنی سیاست کو نافذ کر دیں اسی بات کا ارادہ معاویہ بن ابی سفیان نے اپنے بیٹے یزید کی ولیعہدی کی بیعت لینے کے موقع پر کیا تھا اور اس کیلئے کبھی تشدد اور کبھی نرمی سے کام لیا تھا۔ (الکامل، ج ۳، ص ۲۴۹)

یہی اقدام یزید نے بھی بعد میں کیا لیکن امام حسینؑ نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ اپنی تاریخی اسلامی عظیم ذمہ داری کو سمجھ رہے تھے انہیں ان ضمیروں کو بیدار کرنا تھا جنہیں ظالموں کے آگے جھکنے کی عادت ہو چکی تھی، وہ یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ اموی سیاست کے زیر اثر معاشرہ کی اصلاح اور اس کی گندی ثقافت و طریقہ کو ہلا کر جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینے کی ضرورت ہے یہ ایک ایسے انقلابی عمل کی متقاضی تھی جو دنیا کے ہر صاحب عقل و شعور انسانوں کے چند جذبات کی ترجمانی بھی کرے اور ظالموں سے مقابلہ کرنے کی سمت میں مشعل راہ بن جائے۔ امام حسینؑ نے محمد حنفیہؒ کو خط میں لکھا تھا: میں اپنی ہوا ہوس، ظلم و فساد کیلئے نہیں قیام کر رہا ہوں، میں اپنے جد کی امت کی اصلاح کرنا چاہتا ہوں، جس کیلئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر ضروری ہے، اگر کوئی میری اس دعوت کو حق ہونے کی بناء پر قبول کرے گا تو خدا ہمیشہ سے حق کا مددگار ہے اور اگر کوئی قبول نہ کرے تو میں صبر و تحمل سے کام لوں گا تا کہ خدا میرے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ کر دے۔

امام حسینؑ نے اپنی وصیت میں مقصد قیام بھی بیان کیا ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ بھی واضح کیا ہے، امامؑ کا مقصد تھا امت مسلمہ کی اصلاح کرنا اور اصلاح کا وسیلہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، سیرت نبیؐ و علیؑ پر چلنا قرار دیا ہے، اصلاح کا مطلب یہ ہے کہ جو انحراف، تبدیلی، اسلام سے دوری، ایمان سے علاحدگی، احکام اسلامی کی پابندی سے بے تعلّقی پیدا ہو گئی اس کی نشاندہی کرکے ان کو اصلی حالت پر لانا۔

بنی امیہ کے دور حکومت میں جو خرابیاں مسلمانوں میں پیدا ہوئیں ان کی وضاحت امامؑ نے مختلف مواقع پر کی ہے، چنانچہ ایک خط میں یزید کی ولی عہدی کے بارے میں معاویہ کو لکھا:

اے معاویہ تو لوگوں کو یزید کے بارے میں دھوکہ دینا چاہتا ہے گویا تو کسی ایسے شخص کا تعارف کر رہا ہے جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔۔۔یزید کا تعارف کرانا ہے تو یوں کراؤ کہ یزید کتوں اور کبوتروں سے کھیلنے میں مصروف رہنے والا ایک بوالہوس آدمی ہے اور اپنا بیشتر وقت رنگارنگ اور رقص و سرور کی محفل میں گزارتا ہے، یزید کا ایسا تعارف کراؤ اس کے علاوہ سعی لاحاصل نہ کرو۔ (الامامۃ والسیاسۃ، ج۱، ص ۱۹۵)

اور جب یزید کے حکم سے ولید بن عقبہ نے امام حسینؑ سے یزید کی بیعت لینا چاہی تو امامؑ نے فرمایا: اے ولید ہم خاندان نبوت، معدن رسالت اور فرشتوں کی بارگاہ کے افراد ہیں ہدایت الٰہی کا ہم سے آغاز ہوا اور ہم پر خاتمہ

ہوا ہے، یزید ایک فاسق و فاجر، شراب خوار اور قاتل ہے علی الاعلان فسق و فجور کا ارتکاب کرتا ہے مجھ جیسا اس جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا۔ (اعیان الشیعہ، ج ۴، ص ۱۸۳)

یزید اور اس کے ما سبق حاکم کا دور قوانین فطرت اور دین الٰہی کی مخالفت سے معمور تھا دینی اقدار کی پامالی ان کا عام طریقہ تھا نیز عوام کا استحصال کرنا عادت ہو چکی تھی، چنانچہ امام حسینؑ نے حر کے لشکر سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: لوگو! رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کسی ظالم حکمران کو اس حال میں دیکھو کہ وہ محرمات الٰہی کو حلال کرتا ہے، اللہ کے عہد کو توڑتا ہے، سنت رسول کی مخالفت کرتا ہے اور اللہ کے بندوں پر زیادتی کرتا ہے تو ان حالات میں اپنی آواز اور عمل کے ذریعہ ان کو جو نہ روکے تو اسی ظالم کی طرح عذاب کا مستحق ہے، لوگو! بنی امیہ نے شیطان کی اطاعت کرکے رحمان کی اطاعت چھوڑ دی ہے فساد و فتنہ برپا کیا ہے اور اسلامی حدود و تعزیرات کو معطل کر دیا ہے، بیت المال کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیا ہے۔ (طبری، ج ۴، ص ۳۰۴؛ کامل، ج ۳، ص ۲۸۰)

نیز امامؑ نے اموی لشکر کے ساتھ قتال سے تھوڑی دیر پہلے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: وائے ہو تم پر کہ تم خاموش نہیں ہوتے اور میری بات نہیں سنتے تم کو ہدایت کی طرف بلا رہا ہوں جو میری اطاعت کرتا ہے وہ ہدایت پانے والوں میں شمار ہوگا اور جو میری نافرمانی کرتا ہے وہ ہلاک ہوگا، تمہیں کیا ہو گیا ہے تم سب نے میری اطاعت چھوڑ دی اور میری باتیں سننے کیلئے آمادہ نہیں ہو، تمہارے شکم لقمہ حرام سے بھر گئے ہیں اور تمہارے دلوں پر مہر لگ چکی ہے افسوس ہو تم پر، تم خاموش نہیں ہوتے اور میری بات نہیں سنتے۔ (اعیان الشیعہ، ج ۱، ص ۱۵۵)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ اصلاح

اسلامی دینی احکام میں تمام واجبات اور مستحبات کو معروف اور تمام محرمات و مکروہات کو منکرات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، معاشرہ کے تمام افراد کو معروف کے بجالانے اور منکر سے بچنے بچانے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کہا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ معروف کا بجالانا اور اس کے بجالانے کا حکم دینا خود معاشرہ کی خوبی کی علامت ہے اسی طرح منکر سے بچنا اور دوسروں کو بچنے کا حکم دینا معاشرہ کے اصلاح کے عمل میں معاون ہوتا ہے۔

مولائے کائنات حضرت علیؑ کا ارشاد گرامی ہے: اللہ نے امر بالمعروف کو واجب کیا ہے عوام کی مصلحتوں اور فائدوں کیلئے اور نہی عن المنکر کو فرض کیا ہے بیوقوفوں کو برائیوں سے روکنے کیلئے۔ (نہج البلاغہ، کلمات قصار ۲۵۲)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: اے ایماندارو! جو شخص یہ دیکھے کہ ظلم و تعدی پر عمل ہو رہا ہے اور برائیوں کی طرف دعوت دی جارہی ہے اور اپنے دل سے اس کا انکار کر دے تو گویا کہ محفوظ رہ گیا ہے اور بری ہو گیا اور اگر زبان سے انکار کر دے تو اجر کا بھی حقدار ہو گیا یہ قلبی انکار سے بہتر ہے اور اگر کوئی شخص تلوار کے ذریعہ اس کی روک تھام کر دے تا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے اور ظالمین کی بات پست ہو جائے تو یہی وہ شخص ہے جس نے ہدایت کے راستہ کو پالیا اور سیدھے راستہ پر قائم ہو گیا اور اس کے دل میں یقین کی روشنی پیدا ہو گئی۔ (نہج البلاغہ، کلمات قصار نمبر ۳۷۳)

اسی موضوع سے متعلق دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا: بعض لوگ منکرات کا انکار دل، زبان اور ہاتھ سب سے کرتے ہیں تو یہ نیکی کے تمام حصوں کے مالک ہیں اور بعض لوگ صرف زبان اور دل سے انکار کرتے ہیں اور ہاتھ سے نہیں روکتے تو انہوں نے نیکی کی دو خصلتوں کو حاصل کیا ہے اور ایک خصلت کو برباد کر دیا ہے اور بعض لوگ صرف دل سے انکار کرتے ہیں وہ نہ ہاتھ استعمال کرتے ہیں اور نہ زبان تو انہوں نے دو خصلتوں کو ضائع کر دیا اور صرف ایک کو پکڑ لیا ہے۔ اور بعض وہ بھی ہیں جو دل، زبان اور ہاتھ کسی سے بھی برائیوں کا انکار نہیں کرتے تو یہ زندوں کے درمیان مردہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور یاد رکھو کہ تمام اعمال خیر مع جہاد کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقابلہ میں وہی حیثیت رکھتے ہیں جو گہرے سمندر میں لعاب دہن کے ذرات کی ہوتی ہے اور ان تمام اعمال سے بلند تر حاکم ظالم کے سامنے کلمہ انصاف کا اعلان کرنا ہے۔ (نہج البلاغہ، کلمات قصار نمبر ۳۷۴)

امام علی نے ایک خطبہ کے حصہ میں ارشاد فرمایا ہے: إِنَّ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ لَخُلُقَانِ من خُلُقِ اللهِ سُبْحَانَه وَإِنَّهُمَا لَا يُقَرِّبَانِ مِنْ أَجَلٍ وَ لَا يَنْقُصَانِ مِنْ رِزْقٍ وَ عَلَيْكُمْ بِكِتَابِ اللهِ فَإِنَّهُ الْحَبْلُ الْمَتِيْنُ وَالنُّوْرُ الْمُبِيْنُ۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۶)

بیشک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دو خدائی اخلاق ہیں یہ نہ کسی کی موت کو قریب کرتے ہیں اور نہ کسی کی روزی کو کم کرتے ہیں تمہارا فریضہ ہے کہ کتاب خدا سے وابستہ رہو وہی ہدایت کی رسی ہے اور روشن نور الٰہی ہے۔

کلمات قصار میں حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا: وَالجِهادُ مِنها عَلىٰ أَربَعِ شُعَبٍ: عَلَىَ الْأَمرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهىَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالصِّدْقِ فِي الْمَوَاطِنِ وَشَنانِ الفَاسِقِينَ فَمَنْ أَمَرَ بِالمَعْرُوفِ شَدَّ ظُهَورَ المُومِنِينَ وَمَن نَهىٰ عَنِ المُنكَرِ أَرغَمَ انُوفَ الْكافِرِيْنَ (المنافقين) وَمَنْ صَدَّقَ فِي المَواطِنِ قَضىٰ مٰا عَلَيه وَمَن شَنئَ الفاسِقين وَ غَضَبَ لِلّٰهِ، غَضَبَ اللهُ لَه وَإرضاهُ يَومَ القِيامَة۔ (نہج البلاغہ، کلمات قصار نمبر ۳۱)

جہاد کے بھی چار شعبے ہیں امر المعروف اور نہی عن المنکر ہر مقام پر ثبات قدم اور کافروں فاسقوں سے نفرت اور عداوت، لہٰذا جس نے امر بالمعروف کیا اس نے مومنین کی کمر کو مضبوط کیا اور جس نے منکرات سے روکا اس نے کافروں کی ناک رگڑی اور جس نے میدان قتال میں ثبات قدم کا مظاہرہ کیا وہ اپنے راستہ پر آگے بڑھ گیا اور جس نے فاسقوں سے نفرت اور عداوت کا برتاؤ کیا پروردگار اس کی خاطر اس کے دشمنوں سے غضبناک ہوگا اور روز قیامت اس کو خوش کر دے گا۔

امام حسینؑ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اس طرح سے انجام دیا کہ آپؑ نے لشکر عمر سعد فوج یزید کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے کتاب خدا کو چھوڑنے والو، شیطان کے دھوکہ میں مبتلا، اللہ کی نافرمانی پر متحد، کتاب خدا میں تحریف کرنے والو، چراغ شریعت کو بجھانے والو، اولاد انبیاء کے قاتلو، اوصیاء وعترت کو نابود کرنے والو۔۔۔ تم وہ خبیث ترین پھل ہو جو ہر غاصب کا لقمہ بنتا ہے اور تم ہر دیکھنے والے کیلئے درد بن گئے ہو اللہ کی لعنت ہے ان لوگوں پر جو عہد و پیمان کرنے کے بعد اسے توڑ دیتے ہیں حالانکہ تم نے اس بیعت پر اللہ کو گواہ بنایا ہے۔۔۔ لوگو جو کچھ مجھے کہنا تھا کہہ دیا اور خوف خدا یاد دلا دیا اب میں اپنے خاندان کے ہمراہ دوستوں کی قلّت، دشمنوں کی کثرت اور یار و مددگار نہ ہونے کے باوجود جہاد کیلئے آمادہ ہوں۔ (اعیان الشیعہ، ۱۵۹)

امام نے مذکورہ وصیت ہی میں یہ بھی فرمادیا تھا کہ اگر کوئی میری اس دعوت کو حق ہونے کی وجہ سے قبول کرتا ہے تو خدا ہمیشہ سے حق کا مددگار ہے اور اگر میری دعوت قبول نہ کرے تو میں صبر و تحمل سے کام لوں گا تا

کہ خدا میرے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ کر دے۔ امام حسینؑ بخوبی جانتے تھے کہ حق کبھی طاغوت کی پیروی نہیں کرتا باطل کو ایک نہ ایک وقت میں حق کے سامنے جھکنا ہی پڑتا ہے، حق اگر باطل کی ہوا و ہوس کا تابع ہو جائے تو زمین و آسمان فاسد ہو جائیں گے۔ لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أهواء هُمْ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَ السَّمٰوات۔ (سورہ مومنون، آیت ۷۱)

امامؑ کی وصیت میں یہ امر نہایت توجہ اور تفکر کے قابل ہے کہ امامؑ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو میری بات کو میری عزت و عظمت، مسلمانوں کے درمیان اہمیت اور رسول اکرمؐ سے قرابتداری کی بناء پر قبول کرے بلکہ یہ فرمایا کہ حق ہونے کی بناء پر قبول کرے تو خدا حق کا مددگار ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ امامؑ حق کی جانب دعوت دے رہے تھے اور مقابل میں آنے والے باطل کے نمائندے تھے جنہیں امامؑ نے اپنی قربانی کے ذریعہ موت کے گھاٹ لگا دیا اور دنیا کے عقلمندوں نے دیکھ لیا کہ شہید ہو کر بھی زندہ ظالموں کو کیوں کر مردہ بنایا جا سکتا ہے، آج اگر آپ کسی سے پوچھیں کہ یزیدی ہو تو فوراً انکار کر دے گا اور اگر سوال کرو کہ حسینی ہو تو سر اونچا کر کے اثبات میں جواب دینے میں سربلندی محسوس کرے گا۔

امام حسینؑ کی قربانی کے اثرات و نتائج

امام حسینؑ نے یزیدی بہیمانہ اور بربریت آمیز مطالبہ کو ٹھکرا کر اقوام عالم کو غیر فانی وہ سبق دیا کہ انسان زندگی کے جس شعبہ میں مدد چاہے وہ مل سکتی ہے وہ نسلوں کیلئے سرچشمہ ہدایت بن گئی اور انسان کے مردہ جذبات میں زندگی کی لہر دوڑا دی، امام حسینؑ کی قربانی کے اثرات اور نتائج کو مختصر جملوں میں اگر بیان کیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے:

۱۔ امام حسینؑ اچھی طرح جانتے تھے کہ اصلاح کی تحریک میں فوری اور جلدی کامیابی نظر نہ آئے گی لیکن حقیقت بیں نگاہیں قوتی فائدہ پر نظر رکھتیں بلکہ پائدار نتائج کو دیکھتی ہیں چاہئے وہ دیر میں حاصل ہوں چنانچہ اس اصلاح کی آواز کا اثر تھا کہ اموی حکومت کے قید خانوں میں قید افراد نے حریت انسانی کی آواز بلند کی اور اموی تخت و تاج کو الٹ دیا جس کی ابتداء سلیمان بن صرد خزاعی اور جناب مختار نے کی اور بعد میں یہ طریقہ سب کی سمجھ میں آگیا کہ کمزور اور ضعیف اگر سچے مقصد پر جمع ہو جائیں تو اپنی عملی طاقت سے حکومت کی کایا پلٹ دیتے ہیں۔

۲۔امام حسینؑ کی قربانی نے ذہن و دماغ میں تبدیلی پیدا کر دی اور جو ادباء و شعراء ظلم واستبداد کی داستانوں کو بیان کرنے پر فخر محسوس کرتے تھے انہوں نے بیکسی اور مظلومیت کی مدح سرائی کرنے کو باعث عزت سمجھ لیا اور نوحہ و مرثیہ ادب کی ایک عظیم صنف بن کر جادہ ادب ہو گیا۔

سیرت نبیؐ و علیؑ کے ذریعہ اصلاح

امام حسینؑ سیرت نبیؐ و علیؑ کے علمبر دار تھے جس طرح پیغمبر اکرمؐ کی صداقت و امانت پر دشمن عرب کو اعتبار و اعتماد تھا اور وہ قرآن کریم کی تلاوت کرکے تزکیہ نفوس انسانی فرماتے تھے پھر کتاب الٰہی کی تعلیمات سے آراستہ فرماتے تھے اور اس میں پوشیدہ حکمت کو واضح کرکے انسانوں کو صراط مستقیم پر گامزن کرتے تھے اور حضرت علیؑ رسولؐ کے ناصر و مددگار ہو کر دین حق کا پیغام پہونچا رہے تھے اسی انداز پر امام حسینؑ بھی سیرت نبیؐ و علیؑ پر عمل پیرا ہو کر اصلاح امت کا فریضہ انجام دیتے رہے، جس طرح رسول اکرمؐ بت پرستوں کی اصلاح کا عملی اقدام لَاإِلٰہَ إِلَّا اللّٰہ سے کیا اور حضرت علیؑ نے ان کی نصرت کی راہ میں ثابت قدم رہتے ہوئے اسے استحکام عطا کیا اسی طریقہ پر امام حسینؑ نے یزید کے اس نظریہ لَعِبَتْ هَاشِمُ بِالْمُلْكِ فَلَا خَبَرٌ جَاءَ وَلَا وَحْيٌ نَزَلَ کو اپنی اور بے مثال اصحاب واعزہ کی قربانی کے ذریعہ لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہ کی بنیاد کو ہمیشہ کیلئے مضبوط کر دیا اور یزیدی نظریہ کا دم خم نکال دیا تاکہ دوبارہ کسی بھی حاکم کے اندر ایسی جرأت و جسارت نہ پیدا ہو سکے۔علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است پس بنائے لاالہ گردیدہ است

زندہ حق از قوت شبیری است باطل آخر داغ حسرت میری است

نقش الا اللہ بر صحرا نوشت سطر عنوان نجات ما نوشت

اگر یہ لکھا جائے تو بیجا نہ ہو گا کہ سرکار رسالتمآبؐ نے اپنی سیرت طیبہ سے جن باتوں کی تعلیم و تربیت تیئیس برس میں کی تھی امام حسینؑ نے ان باتوں کو ایک رات اور ایک دن میں واضح کر دیا اور جان نثاری کے ذریعہ ان میں اتنی قوت و طاقت بھر دی کہ یزیدی مزاج، جذبہ اور حوصلہ ہمیشہ کیلئے فناء کی وادی میں چلا گیا۔نبی اکرمؐ اگر جناب سلمان و ابوذر کے ساتھ جناب بلال کے ساتھ مساوات و مواسات کا سلوک کرتے تھے اور اسے روح اسلام قرار دیتے تھے حضرت علیؑ اگر مالک اشتر اور جناب قنبر کو نگاہ لطف و کرم سے دیکھتے ہوئے مساوی برتاؤ

کرتے تھے تاکہ کسی کو غلام ہونے کا خیال نہ رہ جائے، اسی طرح امام حسینؑ نے جناب فضہ اور جون کے ساتھ برتاؤ کیا تاکہ سیرت نبیؐ و علیؑ دنیا کو یاد بھی رہے اور اس تذکر عملی سے صاحبان عقل و ہوش اور اہل ایمان کو فائدہ حاصل ہو سکے۔ وَ ذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْریٰ تَنْفَعُ الْمُومِنِیْن۔ حقیقت یہ ہے امام حسینؑ نے جو قدم بھی اٹھایا وہ حدود دین الٰہی کے اندر اور سیرت نبیؐ و علیؑ پر گامزن رہتے ہوئے کیا۔ جب امام حسینؑ نے فوج یزید سے خطاب کرتے ہوئے پوچھا کہ تم کیوں مجھ سے برسرپیکار ہو کیا میں نے کسی حلال محمدؐ کو حرام اور حرام محمدؐ کو حلال کر دیا ہے؟ تو سب نے بیک زبان اقرار کیا کہ آپ نے کوئی تبدیلی نہیں کی ہے ہم تو آپ کے والد کے بغض اور عداوت میں لڑ رہے ہیں کہ اسلامی جنگوں میں انہوں نے ہمارے عزیزوں کو قتل کیا ہے ایسے میں حدیث پیغمبرؐ جب اعلان کرتی ہے کہ محبت علیؑ ایمان ہے اور ان سے بغض کفر ہے تو ان یزیدی کافروں کے فتنہ کو روکنا امامؑ کیلئے ضروری تھا جس کو امام نے روک دیا۔

۳۔ امام حسینؑ کے اصلاحی عمل نے بنی امیہ کے اثرات ورسوخ کی دیواروں کو منہدم کر دیا، حاکم شام نے جعلی حدیثوں، اشعار، مختلف فرقوں کی زرخرید موافقت اور داستان سازوں کی وجہ سے جو حکومت کو حکومت کے ظلم وجور کے خلاف آواز بلند کرنے سے روک رکھا تھا مگر امامؑ نے قربانی دے کر اس قسم کے افراد کے نظریات میں تبدیلی پیدا کر دی اور انہوں نے بڑی حد تک جعلی حدیث تیار کرنے اور داستان سرائی سے خود کو باز رکھا اور آخر شامی حکومت کے مظالم کی قلعی کھل گئی اور حقیقی چہرہ سامنے آگیا۔

۴۔ امام حسینؑ کی قربانی کے بعد آمریت اور حکومت کے زور زبردستی میں دبی ہوئی رعایا کو مردہ دلی سے نکلنے اور سچی زندگی گزارنے کا موقع ملا، ظلم وستم کی مطلق العنانیت کو شکست ہوئی اور حکومتی جاہ وجلال کے اظہار کے برخلاف آج راجہ مہاراجہ بھی نہایت خلوص کے ساتھ حسینی فقیر بننے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

۵۔ یزید اور اس کے اسلاف کا زمانہ قوم میں جہالت کو عام کر کے آزادی اور حریت انسانی پر ڈاکہ ڈال رہا تھا لیکن امامؑ نے کربلا کے میدان میں چند گھنٹوں میں اخلاقی، سیاسی، تمدنی، مذہبی اور معاشرتی خوبیوں کے وہ اسباق پڑھا دیئے جس سے جاہل عربوں کی آنکھیں کھلیں اور ان ہی اموی ظلم وجور کے خلاف جذبہ نفرت و بیداری پیدا ہوا اور نتیجہ میں اموی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

۶۔ امامؑ نے امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور سیرت نبیؐ و علیؑ پر چلتے ہوئے خدمت خلق، انسانی محبت اور اخلاق کریمانہ کا وہ سبق پڑھایا جو قیامت تک یاد رکھنے کے لائق ہے اور مظلومانہ زندگی کے توسط سے انسانی معاشرہ کے ذہن میں راسخ کر دیا کہ جب تک ضروری نہ ہو اس وقت تک جنگ نہیں ہونی چاہئے اس لئے امامؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا تھا کہ تم لوگ تب تک جنگ نہ کرنا جب تک دشمن حملہ کرنے میں پیش قدمی نہ کر دے۔

۷۔ بنی امیہ کے زمانہ میں ذات پات، چھوت چھات کا جو رنگ چڑھایا گیا تھا اسے امام حسینؑ نے اس طرح کر دیا کہ جناب فضہ کنیز کو بھی عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا جیسے اپنی بیٹیوں اور عزیزوں کو، جون غلام حبشی کا سر اسی انداز سے زانو پر رکھا جس طرح جناب علی اکبر کا اور ایک ہی قبر میں آزاد و غلام دونوں کو گنج شہیداں میں دفن کیا گیا۔

۸۔ امام حسینؑ نے اپنی شہادت کے ذریعہ بتا دیا کہ اگر اصلاح معاشرت چاہتے ہو تو اپنی معاشرت کے تمام شعبوں کو اگر مظلومیت پر ڈھال لو تو دنیا میں کسی طرح کا کوئی تصادم نہیں ہوگا۔

۹۔ امامؑ کے اصلاحی پیغامات کا اثر اہل مدینہ پر بھی اس قدر ہوا کہ جہاں عقل و فکر نے کھلے عام یزید کی برائیوں کا تذکرہ کرنا شروع کر دیا اور جمود فکری کا خاتمہ ہوا بیداری کی لہر دوڑ گئی چنانچہ عبد اللہ بن حنظلہ نے مجمع میں کھڑے ہو کر کہا کہ میں ایک ایسے شخص کے پاس سے آرہا ہوں کہ اگر میری کوئی بھی مدد نہ کرے تو بھی میں اپنے چند فرزندوں کو لے کر اس کے خلاف لڑنے کیلئے جاؤں گا اس نے ہمیں بہت دولت دی اور بہت تحفے دیئے ہمارا بہت احترام کیا میں نے اس کی چیزوں کو اس لئے قبول کیا تا کہ میں اس کے مال کو اسی کے خلاف جنگ کرنے کیلئے خرچ کروں۔

اصلاح امام حسینؑ کے اثرات و نتائج کے طور پر چند امور کا تذکرہ کیا گیا ورنہ مکمل اثرات کو قلمبند کرنے کیلئے مکمل ضخیم کتاب کی ضرورت ہے جسے مختصر سے مضمون میں نہیں پیش کیا جا سکتا ہے اگر خلاصہ کر کے تحریر کیا جائے تو لکھا جا سکتا ہے کہ

○ بنی امیہ کی لادینیت اور جاہلیت پر مبنی حکومت کے خلاف آوازیں بلند ہونے لگیں جس سے حکومت کی چولیں ہل گئیں اور آخر میں فناء کے گھاٹ لگ گئی۔

○انسانوں کے ضمیر میں احساس گناہ کا جذبہ بیدار ہوا اور یزیدی دربار سے دولت وثروت پانے والے بھی مخالفت پر آمادہ ہوگئے اور عوام نے سمجھ لیا کہ یزیدی حکومت دولت وثروت کی کثرت اور ظلم وجور کی بہتات کا ایک کھیل تھی۔

○انسانی اقدار کے صحیح مناظر سامنے آنے لگے اور دبی کچلی ہوئی انسانی قوم بیدار ہوگئی اور لوگ راہ مستقیم پر چلنے کیلئے آمادہ ہوگئے۔

○کلمہ گویوں اور اسلام کے ماننے والوں میں ظلم وجور کے خلاف جذبہ جہاد بیدار ہوگیا اور اسلام کی حقیقی عظمت رفتہ کو زندہ کرنے کیلئے تیار ہوگئے۔

خدایا ہم سب کو اصلاح امام حسینؑ سے سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے ہوئے سیرت نبیؐ و علیؑ کی پابندی میں زندگی گزاریں۔

والسلام من اتبع الہدی

کربلا کا مقصد امت کی تربیت

مولانا سید احمد رضا رضوی

زرارہ- قم المقدسہ

خلاصہ

واقعہ کربلا میں اسلام کا وہ حقیقی چہرہ نظر آتا ہے جو رسول خداﷺ لے کر آئے تھے اور جس کے لیے آپ نے کافی زحمتوں کا سامنا کیا مگر آپ کی رحلت کے بعد اس چہرہ کو کافی حد تک بدل دیا گیا اور اس تبدیلی میں اسلامی حکومت کا خاص کردار تھا جس نے آپ کی رحلت کے بعد ہی کچھ اس طرح کام شروع کیا کہ آخر کار حکومت ان کے ہاتھ میں آ گئی اور امامت کو خلافت اور خلافت کو حکومت و سلطنت میں تبدیل کر دیا گیا اور اسلام کے نام پر وہ سب ہونے لگا جسے اسلام نے آنے کے بعد ختم کیا تھا، امام حسین علیہ السلام نے انھیں انحرافات کے خلاف قیام کیا اور امت کی تربیت کے لیے متعدد اقدامات کیے جسے حکومت برداشت نہ کر سکی جس کا نتیجہ کربلا کا واقعہ ہے۔

کلیدی الفاظ: کربلا، امام حسین، تربیت، حکومت

مقدمہ

دین مبین اسلام نے تربیت کو بہت اہمیت دی ہے اور اسے تعلیم سے پہلے ضروری سمجھا ہے اس لیے کہ اگر علم ہوگا تربیت نہیں ہوگی تو علم کا صحیح استعمال نہیں ہوگا جس کا ہم کل بھی اور آج بھی مشاہدہ کر رہے تھے اور کر رہے ہیں:

{هُوَالَّذِی بَعَثَ فِی الْأُمِّیِّینَ رَسُولاً مِنْهُمْ یَتْلُو عَلَیْهِمْ آیَاتِهِ وَیُزَکِّیهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ وَإِنْ کَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِی ضَلَالٍ مُبِینٍ} (سورہ جمعہ، آیت ۲) ''خدا نے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجا جو انھیں میں سے تھا کہ ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرے اور ان کے نفوس کو پاکیزہ بنائے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اگرچہ یہ لوگ بڑی کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے (ترجمہ علامہ جوادی)

رسول خدا ﷺ نے تعلیم سے پہلے امت کی تربیت کیتاکہ علم کا صحیح استعمال ہوسکے یہ عرب جاہل نہیں تھے پڑھے لکھے تھے مگر تربیت نہ ہونے کی بناء پر علم کا استعمال اس طرح کررہے تھے کہ جاہلوں سے بدتر نظر آرہے تھے۔

امام حسین علیہ السلام کے لیے اس ماحول میں قیام ضروری ہوگیا تھا اس لیے کہ امت زمانہ جاہلی کی طرف پلٹ رہی تھی اور تمام امور جو زمانہ جاہلیت میں انجام دیئے گئے تھے اسلامی معاشرہ میں پھر سے رائج ہورہے تھے اور ایک مکمل سازش کے تحت اسلام کو ختم کیا جارہا تھا امت کی جو تربیت کی گئی تھی اس پر حملہ ہورہا تھا اور دھیرے دھیرے اسلام کی ابہت اور پیغام کو یکے بعد دیگرے مسخ کیا جارہا تھا اور سازش کا اہم پہلو یہ تھا کہ تمام امور اسلام کے نام پر انجام پارہے تھے تاکہ لوگ اسلام سے ہی منحرف ہوجائیں اور اسلام کو ختم کرنے کا جو ہدف تھا وہ پایہ تکمیل تک پہنچ جائے۔

آج مستشرق یا دوسرے افراد اسلام کا جو چہرہ دکھارہے ہیں وہ اسی تاریک دور کا ہے جس کی داغ بیل اموی حکمرانوں نے ڈالی تھی جہاں قتل و غارت گری و تشدد، بے حیائی، غیرت انسان کا فقدان اور انسانی اہانت کی جاتی تھی اور کوئی بولنے والا نہیں تھا بلکہ انھیں تمام امور کو سراہا جارہا تھا اگر کوئی بولنے کی جرأت کرتا تھا تو حالات ایسے بنادیے گئے تھے کہ اس کی آواز صدابہ صحرا ہوکر رہ جاتی تھی یا پھر اسے بے رحمی سے قتل کردیا جاتا تھا۔

ان حالات میں امام حسین علیہ السلام نے عزم محکم کے ساتھ قیام کیا اور ظالم و جابر حکمرانوں کے خلاف آواز اٹھائی اور آپ کا مقصد نہ جنگ تھا نہ حکومت کی دستیابی بلکہ امت کی تربیت تھی تاکہ یہی امت جو غفلت میں پڑی ہے قیام کرے اور دوبارہ اسلامی طرز زندگی پلٹ آئے اگرچہ کام دشوار تھا اور راہ مشکل، اس لیے کہ نصف صدی سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا تھا جہاں زمانہ جاہلیت کے تمام امور انجام پارہے تھے مگر آپ نے وہ حکمت عملی اپنائی کہ نصف صدی کی کارکردگی ایک طرف اور چند عشروں کی کارکردگی ایک طرف جو اس طرح رنگ لائی کہ آج بھی کوئی اسلام کے نام پر انحرافات کی جرأت نہیں کرپارہا ہے۔

اگرچہ انحرافات ہیں شیطان اپنی ذمہ داری سے غافل نہیں مگر ہر دور میں حسینی تربیت یافتہ جیالے کربلا کو اسوہ بناکر ان انحرافات کی عمر کو طولانی نہیں ہونے دیتے اور اسلام و دین کا دفاع کرتے رہے ہیں۔

چودہ صدیاں گذر جانے کے بعد بھی آج جہاں بھی اسلام اور دین محمدی کے خلاف زبان و قلم یا کسی اور طریقہ سے حملہ ہوتا ہے تو کربلائی فکر والے ہی سامنے آتے ہیں اور دین اسلام کا دفاع کرتے ہیں اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے کس طرح امت کی تربیت کی کہ وہ آج تک تمام تر مشکلات و رکاوٹ کے باوجود اسلام کا دفاع کر رہی ہے۔

واقعہ کربلا کے تربیتی پہلو

امام حسین علیہ السلام نے بعنوان ایک معلم و مربی کربلا میں وہ چراغ روشن کیا جس کی روشنی سے آج تک آزاد فکر کے افراد بہرہ مند ہو رہے ہیں آپ کی تعلیم و تربیت کا امتیاز یہ ہے کہ معاشرہ کے ہر طرح کے افراد اس سے استفادہ کرتے ہیں ہر آزاد فکر انسان آپ کو اپنا آئیڈیل اسوہ اور نمونہ بنانے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ تعلیمات کربلا تو بے انتہا ہیں مگر ہم چند ایک کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

ا۔ انحرافات سے مقابلہ

واقعہ کربلا کا اہم ترین تربیتی پہلو رسول خدا (ص) کے بعد معاشرہ میں جو انحرافات ہوئے تھے اس سے مقابلہ ہے اب رسول خدا (ص) کے بعد کیا کیا انحرافات ہوئے تھے اس کو سمجھنے کے لیے ہم کو ماضی کی تاریخ کا سرسری جائزہ لینا ہوگا۔

رسول خداﷺ نے جب آنکھ کھولی تو معاشرہ کا عالم کا تھا کہ اکثریت صحرا نشین اور خیموں میں زندگی بسر کر رہے تھے اور یہ دو خصلت کے حامل تھے ایک طرف صدق اور فداکاری کے حامل تھے تو دوسری طرف ظلم و ستم، جنگ و خونریزی، خشونت، کینہ توزی جیسی صفات کے بھی حامل تھے (جعفر شہیدی، پس از پنجاہ سال، ص۴۰)

ان کی فداکاری اور گذشت کا یہ عالم تھا کہ اپنے قبیلے اور ہم پیمان قبیلے کے لیے اپنی جان تک دینے کو تیار ہو جاتے تھے حتی کہ جانوروں کے دفاع کے لیے بھی یہ اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور اس طرح کہ عرب میں مثل مشہور ہو گئی تھی''احمی من مجیر الجراد'' اور کبھی اتنے ظالم اور خونریز ہو جاتے تھے کہ ایک چھوٹی سی بات پر چالیس چالیس سال تک جنگ کرتے تھے۔

رسول خداﷺ نے ان دونوں خصلتوں کی تربیت کی نہ افراط نہ تفریط بلکہ درمیانی اصول بنائے اور لوگوں کو ان اصول کا پابند بنایا ان کی سادگی کو ایثار و باہمی تعاون میں تبدیلی کیا اور خونریزی کو جہاد اور جذبہ شہادت میں۔ (الفتوح، ابن اعثم کوفی، ص۲۶)

باہمی جنگ وجدال و کینہ پروری کو آپؐ نے اس طرح سنوارا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے قربان ہونے پر آمادہ تھے غنائم جنگی کو ایک دوسرے کے لیے چھوڑنے پر آمادہ تھے اپنے ذاتی مکان اور ملکیت میں ایک دوسرے کو شریک بنا رہے تھے (المیزان، علامہ طباطبائی، ج۱۹، ص۲۱۷)۔ اور یہ ایثار خداوند کریم کو پسند آیا اور آیت نازل فرمائی (سورہ حشر، آیت۹)۔ رسول خدا نے زمانہ جاہلیت کے تمام رسم و رواج اور بے بنیاد سنتوں کو ختم کرکے اسلامی اصول پر مبنی ایک خوبصورت معاشرہ کی تربیت کی ایسا معاشرہ جہاں ایمان، تقویٰ، احسان، جہاد کا بول بالا تھا اور لوگوں کے درمیان بھائی چارہ کو صیغہ اخوت کے ذریعہ پروان چڑھایا ایسا معاشرہ جہاں امیر و فقیر غلام و آقا، بزرگ و کوچک (از لحاظ قوم وقبیلہ) سب کو ایک دوسرے کے برابر لا کھڑا کیا مگر افسوس کہ آپ کی رحلت کے فوراً بعد لوگ زمانہ جاہلیت کی طرف پلٹنے لگے اور اس کام میں وہ داخلی دشمن سرگرم ہوگئے جو رسول اکرم (ص) کی زندگی میں کچھ نہ بول سکے، دل میں کینہ لیے ہوئے اور انتظار میں تھے کہ کسی نہ کسی طرح اس باب کو بند کیا جائے اور یہ سازشی ٹولہ جو کہ درحقیقت صرف اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا کھل کر سامنے آگیا اور وہ تمام انسانی اقدار کو یکے بعد دیگرے ختم کرنے لگا افسوس تو اسی بات پر ہے کہ تمام امور اسلام کے نام پر اور اسلامی طاقت کے ذریعہ انجام پا رہے تھے۔ (مروج الذہب، مسعودی، ج۲، ص۳۵۰)

سنت رسول کو بدل دیا گیا اور اس میں تبدیلی پیدا کی گئی یہ سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب نقل احادیث اور حفظ احادیث پر پابندی لگائی گئی (تاریخ طبری، ج۳، ص۳۷۳؛ طبقات ابن سعد، ج۶، ص۷؛ کنز العمال، متقی ہندی، ج۱۰، ص۲۹۳؛ تقیید العلم، خطیب بغدادی، ص۴۹؛ نقش ائمہ در احیاء دین، علامہ عسکری، ج۲، ص۲۰)۔

ہزاروں احادیث کو جمع کرکے جلا دیا گیا اور حکم حکومتی صادر کیا گیا کہ جن کے پاس بھی حدیث ہیں ان کو جلا دیا جائے اس کام کے پس پردہ جعلی احادیث کا جو بازار گرم ہوا تو اس نے اسلام کے مقدس اور خوشنما چہرہ کو بگاڑ کر رکھ دیا۔

امام حسین علیہ السلام نے ایام حج میں اصحاب و بزرگان کے جم غفیر میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ دین اسلام میں انحراف آچکا ہے اور آپ لوگوں نے اس ستمگر کو کرسی خلافت پر بٹھایا ہے آپ بھی اس کے ذمہ دار ہیں امور الٰہی کو ایک ایسے انسان کے ہاتھ میں دے دیا ہے جو شراب خوار ہے شک و شبہات کے ذریعہ امور انجام دیتا ہے حلال محمد کو حرام اور حرام محمد کو حلال کر رہا ہے جبکہ یہ مقام و منصب ان افراد کے پاس ہونا چاہیے جو خداشناس، اسلام شناس ہوں۔ علی الاعلان سنت نبوی میں تحریف کی جارہی ہے اور کوئی بولنے والا نہیں ہے۔

میرے قیام کا مقصد نہ حصول حکومت ہے اور نہ منصب، نہ میں ظلم وجور کے لیے قیام کر رہا ہوں بلکہ میرا ہدف اسلام حقیقی کو لوگوں تک پہچانا ہے سنت اب وجد کو دوبارہ زندہ کرنا ہے امت کی تربیت میرا ہدف اور مقصد ہے۔ اور میں یہ کام کرکے رہوں گا چاہے اس راستہ میں مجھے جو بھی قربانی دینی پڑے۔

خلاصہ یہ کہ رسول خدا (ص) کی رحلت سے لے کر سن ۶۰ ہجری تک جو انحرافات ہوئے ہیں ان کی تعداد تو بہت زیادہ ہے مگر ہم یہاں چند عدد مرقوم کر رہے ہیں جن کا براہ راست رابطہ اسلام دین اور قرآن سے ہے:

۱/۱۔ منصب الٰہی کے انتخاب میں تبدیلی

رحلت نبی مکرم، کے بعد نص قرآن (سورہ مائدہ، آیت ۵۵ اور ۶۷) (آیت اولی الامر اور آیت بلغ) اور متعدد احادیث کے اعتبار سے امامت و رہبری مولائے کائنات کا حق تھا مگر اسلام میں سب سے بڑا انحراف رحلت نبی اکرمؐ کے فوراً بعد یہ ہوا کہ امامت کو خلافت سے بدلا گیا اور امام علیؑ کو قبول نہیں کیا گیا۔ (الجامع الصحیح ترمذی، ج ۵، ص ۳۲۸؛ مسند احمد بن حنبل، ج ۳، ص ۱۷؛ الغدیر علامہ امینی، ج ۱، ص ۲۷۔۳۰؛ تہذیب التہذیب، ابن حجر عسقلانی، ج ۷، ص ۳۳۷)

یہاں سے ہی دو فکر سامنے آتی ہیں ایک وہ فکر جو رسولؐ کی فکر تھی اور ایک وہ فکر جو رسولؐ کی فکر سے بالکل متفاوت ہے۔ پہلی فکر وہی امامت والی ہے جبکہ دوسرا نظریہ امامت کو چھوڑ کر خلافت والا نظریہ ہے جو بعد میں حکومت اور سلطنت میں تبدیل ہو گیا (پس از پنجاہ سال، جعفر شہیدی، ص ۸)

۱/۲۔ خلافت کا سلطنت سے بدلنا

ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت رسول خداؐ کے بعد امامت کے بدلے خلافت کو رواج دیا گیا اور پھر تمام مملکت اسلامی میں اپنی فکر کے افراد بٹھائے گئے اور پھر دھیرے دھیرے وہی منحرف فکر جو نہ تو اسلام سے سازگار تھی نہ انسانیت سے، رائج کی جانے لگی اور یہ سلسلہ تقریباً نصف صدی تک جاری رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت حکومت اور سلطنت میں بتدیل ہو گئی لہٰذا امیر شام نے صراحت کے ساتھ اعلان کیا کہ میں پہلا بادشاہ ہوں (تاریخ دمشق، ابن عساکر، ج۲۵، ص۵۵)

اور یہ تاریخ کا اہم ترین موڑ تھا جہاں سے دنیائے سلام اور رسول خداﷺ کے اصولوں کو پامال کیا جانے لگا اور اسلام میں بدعتوں کا رواج عروج پر پہنچ گیا۔

آج بھی کم و بیش یہی صورتحال ہے آئے دن اسلام کے نام پر مولائیت کے نام پر عزاداری کے نام پر طرح طرح کی بدعتیں رائج کی جارہی ہیں اور ہم بصیرت سے دور دشمن کی ان سازشوں کا شکار ہورہے ہیں آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم بصیرت کے ساتھ اسلام اور مذہب کو دیکھیں سمجھیں اور دشمن کی سازشوں کو نقش برآب کردیں مگر افسوس کہ ہمارے یہاں بصیرت نہیں پائی جاتی اور ہم نیزوں پر بلند ہوئے قرآن کے نام پر کاغذ کی حرمت کے تحفظ کے لیے وقت کے قرآن صامت اور امام برحق کے مقابلے میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔

۱/۳۔ جعل و تحریف حدیث

اس بات کی ابتدا تو رحلت پیامبر گرامیؐ کے بعد (تدوین منع احادیث) کے بعد ہی ہو گئی تھی مگر امیر شام کے دور میں باقاعدہ جعل و تحریف کا ایک مکمل ادارہ بنایا گیا تھا اور حکومت کا ایک بڑا بجٹ اس کام کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا۔

اس سلسلے میں امیر شام نے دو طرح سے کام کیا:

۱۔ قصہ گو اور پیش گوئی کرنے والے افراد کو مختلف مقامات پر بٹھایا گیا کہ امیر شام کے بارے میں پیش گوئی کریں کہ یہ تو سالہا سال پہلے سے ہی اس منصب کے لیے طے کئے گئے تھے مثال کے طور پر ایک ہندی کاہن کی پیشگوئی بیان کی گئی کہ اس نے سالوں پہلے بتادیا تھا کہ معاویہ نام کا ایک شخص خلیفہ ہوگا اس قسم کے اور بھی بہت

سے نمونے تاریخ کی کتابوں میں مل جائیں گے۔ (المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی، ج۶، ص۷۶۷)

۲۔ان خرافات کے علاوہ امیر شام نے اپنی حکومت کو مشروع بنانے کے لیے روایات واحادیث رسول کا بھی سہارا لیااور اپنی حکومت کے لیے حدیث بھی جعل کروائی مثلاً رسول خدا (ص) نے اس کے بارے میں دعا کی اور خدا سے چاہا کہ معاویہ کو علم و حکمت سے مالا مال کردے، خدا نے اسے ایک پیراہن عطا کیا ہے اور وہ پیراہن خلافت ہے، رسول خدا (ص) نے مخاطب ہو کر کہا کہ جب تم بادشاہ ہو جانا تو تقویٰ اختیار کرنا، معاویہ کو دوست رکھنا ضروری ہے۔ (المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی، ج۸، ص۳۰۲؛ تاریخ دمشق، ابن عساکر، ج۲۴، ص۴۰۴ و۱۶؛ ج۲۰، ص۴۰۱؛ صبح الاعشیٰ، قلشقندی، ج۳، ص۱۳۰)

اس کے علاوہ معاویہ نے شعراء، خطباء، ادباء، قصہ گو، پیش گو حضرات کو بھی اس کام پر لگادیا کہ اس کی شان میں قصیدے کہے جائیں، داستانیں بنائی جائیں، امثال و حکم آمادہ کیا جائے اور ان لوگوں نے ایسے ایسے قصہ کہانی اور اشعار آمادہ کیے کہ خدا کی پناہ اسے حلیم، بردبار، شجاع، سخی، عالم و حکیم و داناتک سے تعبیر کیا گیا۔ (الفہرست، ابن ندیم، ص۱۰۲؛ جواد علی، ج۱، ص۸۳)

وہ احادیث جو امیر شام کی منقصت میں وارد ہوئی تھیں اس کا مفہوم بالکل بدل دیا گیا اور اسے تعریف و تمجید میں بدلا گیا غرض کہ ہر وہ کام اس دور میں ہوا جسے رسول خدا (ص) نے بڑی زحمات کے ساتھ ختم کیا تھا۔ رسول خدا (ص) نے امت کی تربیت کے لیے تعلیم و تزکیہ اخلاق حسنہ کو محور بنایا تھا مگر رحلت رسول خدا کے بعد یکے بعد دیگرے تمام تعلیمات اسلامی کو پس پشت ڈال کر ایک نیا اسلام نیا دین نیا مذہب بنایا گیا اور آج اسلام پر جو مستشرقین کی طرف سے روز نئے اعتراضات ہو رہے ہیں۔ یہ اسی دور کا نتیجہ ہیں ان حالات میں امام حسین علیہ السلام کے لیے سوائے قیام کے اور کوئی چارہ نہیں تھا اور ایسا قیام جو گذشتہ پچاس سال کے انحرافات کا جواب ہو سکے اور اس کے لیے ایک بہت بڑی حکمت عملی کی ضرورت تھی جو امام حسین علیہ السلام نے تیار کی اور میدان عمل میں آگئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اصول مذہب محفوظ ہو گئے۔ کل تک اصول اسلام و مذہب کو جو تبدیل کیا جارہا تھا امام حسین علیہ السلام نے اپنی حکمت عملی اور قیام سے اس پر روک لگادی جو آج تک قائم و دائم ہے۔

۱/۴۔ ظلم و جبر کی بنیاد

مذکورہ تمام امور کی انجام دہی کے باوجود معاویہ کو وہ حیثیت نہیں مل پارہی تھی جس کا وہ خواہاں تھا لہٰذا اس نے ظلم و جبر کی بنیاد رکھی اور اپنے تمام امور کو ظلم وزیادتی کے ذریعہ منوانے کی سیاست کو شروع کیا اور چند امور انجام دیئے:

الف: حاکم کے لیے لوگوں کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ حکومت و حاکم کے سامنے مطیع محض رہیں اور کسی قسم کے اعتراض کا حق عوام کو نہیں ہے خود حاکم یا اس کے کارکن جو بھی انجام دیں وہی درست ہے لہٰذا ابن زیاد کا اعلان تھا کہ خدا اور اس کے خلیفہ کی اطاعت تم پر واجب ہے اس کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔ اس طرزِ تفکر کو پورے اسلامی معاشرہ میں رائج کیا جارہا تھا تاکہ حاکم کے ہر نامشروع امر کو اسلامی اور شرعی حیثیت دی جائے اور وہ نظام جو رسول خداؐ نے قائم کیا تھا دھیرے دھیرے ختم ہوجائے اور اسلام کا وہ چہرہ سامنے آجائے جس سے لوگ متنفر ہوجائیں۔

امام حسین علیہ السلام نے اسی طرزِ فکر کے خلاف قیام کیا اور واقعی اسلام کی طرف لوگوں کو پھر سے دعوت دی اور وہ نظام جو رسول خداؐ رائج کرگئے تھے اسے دوبارہ رائج کرنے کے عزم کے ساتھ میدان عمل میں آگئے۔

ب: لوگ حق و باطل، ایمان و کفر، ظلم و عدالت کے درمیان تشخیص کی صلاحیت نہیں رکھتے لہٰذا اگر حاکم یا اس کے نمائندوں سے کوئی امر خلاف حق خلاف عدالت صادر ہو تو حق اعتراض نہیں رکھتے جو بھی اعتراض کرے گا وہ اسلام سے خارج ہوجائے گا اور اس کا قتل جائز ہوگا۔

اس سیاست نے سیکڑوں اصحاب اور عوام کی جان لی جو بھی اعتراض کرتا یا تو اسے قتل کردیا جاتا یا پھر زندان میں ڈال دیا جاتا۔ آج بھیبہ سیاست عام ہورہی ہے بالخصوص وہ اسلامی ملک جو خود کو اسلام کا علمبردار مانتے ہیں وہاں بھیبہ سیاست آج کل کارفرما ہے۔

ج: حاکم وقت کو انسانوں کی جان پر کامل اختیار حاصل ہے جس کو چاہے بخش دے جسے چاہے قتل کردے کسی کو اعتراض کا حق نہیں حتی کہ اس وقت کے قاضی اور علماء بھی اس قانون کو تسلیم کررہے تھے اس لیے کہ

آواز اٹھانے کی ان میں جرأت نہیں تھی اور یہ جرأت کیوں نہیں تھی اس کا ذکر ہم خود امام حسین علیہ السلام کے قول کی روشنی میں آیندہ کریں گے۔

د: حاکم اور اس کے تمام نمائندوں کو بیت المال پر مکمل تصرف کا حق حاصل تھا۔اور اس کے لیے کوئی قانون نہیں تھا امیر شام صراحت کے ساتھ کہا کرتے تھے زمین خدا کی ملکیت ہے اور میں خلیفہ خدا ہوں لہٰذا میں جو بھی تصرف کرتا ہوں وہ ہمارا حق ہے (مروج الذہب، مسعودی، ج۳، ص۵۱؛ الغدیر، علامہ امینی، ج۸، ص۴۰۳)

یہ وہ دور تھا جس دور میں سب سے زیادہ بیت المال کا بے جا تصرف ہوا اور افسوس تو اس بات کا ہے کہ بیت المال اسلام و مسلمین کے خلاف بالخصوص اہلبیتؑ کے خلاف استعمال کیا گیا۔

۱/۵۔ منحرف فرقوں کی حمایت اور تاسیس

رحلت رسول خدا (ص) کے بعد فرقے تو وجود میں آئے مگر خلفاء بظاہر ان کی حمایت نہیں کر رہے تھے لیکن یہ دور وہ تھا جب منحرف فرقوں کی نہ صرف حمایت کی جا رہی تھی بلکہ بنائے جا رہے تھے۔

جیسے مرجئہ، جبریہ اور مرجئہ کو زیادہ اہمیت دی گئی اس لیے کہ ان کا نظریہ تھا کہ جنایت کاروں، گنہگاروں، قتل و ظلم کرنے والوں کی سزا قیامت میں ہوگی اور ان کے گناہ ان کے ایمان پر اثرانداز نہیں ہوں گے، یہ نظریہ اس لیے بنایا گیا تاکہ حاکمان وقت کے ظلم و ستم کو شرعی نگاہ سے نہ دیکھا جائے۔ اور ان کے خلاف اور ان کے ظلم و ستم کے خلاف کسی قسم کا اعتراض یا قیام نہ کیا جائے امام حسین علیہ السلام نے اپنے قیام سے اس نظریہ پر خط بطلان کھینچ دیا اور بتایا کہ ظلم و ستم اور ظالمین کے مقابلے میں قیام اسلامی فکر کا ایک حصہ ہے۔

دوسرا نظریہ جو اس دور میں رائج کیا گیا وہ نظریہ "جبر" تھا جسے حاکمان وقت نے بھی رائج کرنے کی کوشش کی مثال کے طور پر ابن زیاد کا جناب زینب سے کہنا کہ دیکھا تمہارے بھائی کے ساتھ خدا نے کیا کیا یعنی وہ یزید اور اپنی تنزیہ کرنا چاہ رہا تھا کہ ہم نے کچھ نہیں کیا تو کچھ کیا ہے وہ خدا نے کیا ہے وہی نظریہ جبر کہ جو کچھ انسان انجام دیتا ہے وہ خدا انجام دیتا ہے مگر جناب زینب نے اسے وہیں پر جواب دے کر نہ صرف یہ کہ نظریہ جبر کو باطل

قرار دیا بلکہ اپنی حقانیت اور یزید و ابن زیاد کو بھرے دربار میں ذلیل کر دیا۔ (مقتل جامع سید الشہداء، مہدی پیشوائی، ج ۲، ص ۵۷)

فرقہ مرجئہ کو اس دور میں اتنا رواج دیا گیا کہ تمام سرزمین اسلامی میں اس کے طرفدار موجود تھے۔ (جعفر سبحانی، فروغ ابدیت، ص ۵۹)

اس فرقہ کی ابتدا زمانہ رسولؐ میں ہی ہو گئی تھی خود رسول خداؐ ائمہ طاہرینؑ نے اس فرقے کی مخالفت کی اور ائمہ طاہرینؑ نے شیعوں کو اس فرقے سے دور رہنے کی تاکید فرمائی۔ (مجلسی، بحار الانوار، ج ۲، ص ۱۷؛ ج ۷۳، ص ۳۱۵؛ ج ۴۶، ص ۲۹۱)

امام حسین علیہ السلام نے قیام کرکے اور جناب زینب (س) نے دربار میں ابن زیاد کو مخاطب کرکے اس نظریہ کو باطل قرار دیا اور سوئے لوگوں کے ضمیر کو بیدار بھی کیا کہ ان نظریات کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۱/۶۔ زمانہ جاہلیت کی بازگشت

رسول خدا (ص) نے اپنی پوری زندگی اس بات میں لگادی کہ کسی طرح وہ رسم و رواج اور کلچر جو جاہلیت کے دور میں رائج تھا اسے ختم کیا جائے اور آپ نے اسے ختم بھی کیا مگر رحلت رسول کے بعد سازش کے تحت اس دور جاہلیت کو دوبارہ رواج دیا جانے لگا مگر سن ۶۰ ہجری تک نظام و رسم جاہلی اوج پر تھی چونکہ حکومت خود اسے رواج دے رہی تھی حکومت اس انداز سے ترتیب دی گئی تھی کہ جہاں نظام قبائلی، ذات پات، آقا غلام کے امتیاز دوبارہ عود کر آئے تھے، اسلام کے نام پر بننے والی حکومت ایک خاندان سے مخصوص کر دی گئی تھی شراب و شباب مملکت اسلامیات میں عام تھا اس دور کا اگر جائزہ لیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ جیسے قبل از بعثت کا زمانہ پھر سے آگیا ہے۔

ان حالات کا امام حسین علیہ السلام نے بہت غور سے جائزہ لیا اور امامت و زعامت کی جو ذمہ داری منجانب اللہ آپ کو ملی تھی اس کے تقاضے کے تحت آپ نے امت کی تربیت کے لیے قیام فرمایا اور از سر نو اسلامی ڈھانچے کو سنوارنے کا عزم مصمم کر لیا، واقعہ کربلا میں آپ نے تمام قبائلی تعصب، ذات پات، آقا غلام کے امتیازات کو ختم کرکے سب کو ایک صف میں لا کھڑا کیا اور سلطنتی نظام کے جنازے میں آخری کیل گاڑ دی۔

۷/۱۔ شام کی حکومت کا پائیدار ہونا

خلیفہ سوم کے قتل کے بعد ایسی فضا بنائی گئی کہ قاتل ہی خونخواہ بن گیا اور جو مختلف انداز سے اس سازش کو ختم کرنے کی کوشش کر رہا تھا اسی کو قاتل بنادیا گیا اور اس بے جا خونخواہی کے نعرے نے مختلف انداز سے اسلامی معاشرہ پر اپنا اثر چھوڑا ایک طرف مولائے کائنات کے ہاتھوں پر بیعت کرنے والوں نے عہد شکنی کی تو دوسری طرف شام داخلی امور میں دخل اندازی کرتا رہا اور نتیجہ جنگ پر تمام ہوا۔ ایسی جنگ جس میں مسلمان مسلمان کے ہاتھوں صحابی، صحابی کے ہاتھوں قتل کیا گیا وہی جاہلیت کے دور کی عکاسی ہو رہی تھی امت واحدہ میں ایسا شگاف ڈالا گیا کہ جس کا خمیازہ آج تک اسلام بھگت رہا ہے۔

ایک طرف حکومت عدل تھی جس کا نعرہ تھا کہ کسی ظالم کو برداشت نہیں کیا جائے گا مظلوموں کو ان کا حق دیا جائے گا معاشرہ کے کچلے ہوئے اور ناتوان افراد کو ان کا مسلم حق واپس دیا جائے گا بیت المال عوام الناس کا حق ہے حاکم عدل پیٹ پر پتھر باندھ کر سو جائے گا مگر بیت المال کو ذاتی امور میں استعمال نہیں کر سکتا۔

دوسری طرف ظالم کا ظلم تھا مظلوموں کی کوئی سنوائی نہیں تھی بیت المال کو اپنی حکومت کی پائداری کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا کہیں طمع تو کہیں تحدید کے ذریعہ حکومت کا حامی بنایا جا رہا تھا تمام دینی مذہبی تربیتی سیاسی اور اجتماعی امور ظالموں کے ہاتھ میں تھے رسولؐ کے زمانے میں شہر بدر کیے جانے والے اہم منصب پر تھے۔

ان حالات میں مولائے کائنات نے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹایا اور آخر کار شہید کیے گئے اور آپ کے بعد آپ کے فرزند ارجمند امام حسن علیہ السلام نے اسی راہ کو اختیار کیا اور ظالم کے مقابلے میں سراپا احتجاج بن کر کھڑے رہے۔ امام حسن علیہ السلام کے بعد جب امام حسین علیہ السلام کا زمانہ آیا تو آپ نے اب وجد کے راستے کو اختیار کیا مگر آپ نے اپنی روش بدلی اور ارادہ کر لیا کہ اس نظام کو ختم کر کے ہی رکنا ہے لہٰذا آپ نے مختلف انداز سے اقدام کیے اور بالآخر اپنی شہادت کے ذریعہ آپ نے اس نظام کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

امام حسین علیہ السلام کے اقدامات

ا۔ دین کی پاسداری، حفاظت

مذکورہ حالات اور معاشرہ کی پسماندگی کو دیکھتے ہوئے فریضہ منصبی کے پیش نظر امام حسین علیہ السلام نے قیام کی ابتدا کی اور امت کی از سر نو تربیت کرنے کے لیے صدائے احتجاج بلند کی اگرچہ یہ کام آسان نہیں تھا اس لیے کہ شام کی حکومت نے ایک طویل مدت میں سب کچھ بدل کر رکھ دیا تھا۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں: شام کے بادشاہی نظام نے سب کچھ ختم کر دیا تھا نہ فکری آزادی تھی، نہ عدالت و قضاوت آزاد تھی، نہ اسلامی قوانین کے نافذ کرنے کی اجازت تھی (خلافت و ملوکیت ابوالاعلیٰ مودودی، ص۱۸۷) وہ مزید لکھتے ہیں کہ یہ وہ دور تھا کہ جب قتل، دھمکی، لالچ کے ذریعہ اپنے نظریات کو تحمیل کیا جارہا تھا اسلام اور اسلامی اقدار کو پس پشت ڈال دیا گیا تھا مبانی اسلام کو یا تو ختم کر دیا گیا تھا یا پھر اس میں تحریف کر دی گئی تھی شیعہ اور خاندان رسالتمآبؐ کو مکمل ختم کرنے کی سازش جاری تھی۔

امام حسین علیہ السلام نے سب سے پہلا قدم اس راہ میں جو اٹھایا تھا وہ سوئے ہوئے اذہان کی بیداری اور واقعی دین کی حفاظت تھی وہ دین جو سول خدا (ص) لے کر آئے تھے آپ نے ہر شعبہ میں اصلاح و تربیت کی ابتدا کی اور اپنے قیام کو "اصلاح امت" کا نام دیا اور قیام کی ابتدا میں اعلان کر دیا کہ میرا ہدف نہ جاہ و حکومت ہے نہ سرکشی نہ ہی جنگ و جدال بلکہ میرا ہدف اصلاح امت ہے امر بالمعروف و نہی از منکر کو دوبارہ زندہ کرنا ہے نانا اور بابا کی سیرت کو دوبارہ رائج کرنا ہے (بحارالانوار، ج۴۴، ص۳۲۹)

آپ نے قیام کا عنوان "اصلاح" اس لیے بھی رکھا تھا کہ امیر شام اور یزید نے لوگوں کے ذہن میں ایک طویل مدت برنامہ کے تحت یہ بات راسخ کر دی تھی کہ جو کچھ وہ انجام دے رہے ہیں وہی اسلام ہے وہی دین کا آئین، منشور اور قانون ہے اس دور میں معروف و منکر کا نام و نشان نہیں تھا اور سیرت نبوی و علوی کی جگہ سفیانی اور اموی سیرت رائج کی جاچکی تھی وہی زمانہ جاہلیت کی سنتیں، رسم و رواج دوبارہ اسلامی معاشرہ پر سایہ فگن تھیں تمام اسلامی قوانین کو توڑا جارہا تھا اور غیر اسلامی قوانین کو رائج کیا جارہا تھا، امام نے جب آواز اٹھائی تو بڑے بزرگوں نے آکر مشورہ بھی دیا کہ آپ ایسی طاقت سے نہ ٹکرائیں مگر امام نے اپنے فریضہ منصبی کے مد نظر کسی کی بات نہیں قبول کی اور آپ نے اصلاح و تربیت امت کے لیے آواز بلند کی اور پہلا نعرہ تھا امر بالمعروف کو

دوبارہ رائج کرنا یعنی ایک صالح اور عدالت محور حکومت کا قیام ایسی حکومت جو خدا اور رسولؐ چاہتے تھے جو حکومت رسول خداؐ نے ترتیب دی تھی آپ اپنے بابا علی مرتضیٰؑ کی طرز پر حکومت کا قیام چاہتے تھے للذا دوسرا قدم آپ کا یعنی نہی از منکر یعنی یزید کی حکومت کا خاتمہ۔ اس لیے کہ معاشرہ میں اس سے بڑا منکر کوئی اور نہیں تھا انھوں نے مقام و منصب الٰہی پر زور و زبردستی، حیلہ و نیرنگ کے ساتھ حکومت پر قبضہ کیا ہوا تھا جبکہ منصب امام اور امت کی رہبری کا حق منجانب خدا ہمارا ہے آپ نے اہل بصرہ کے نام ایک خط میں اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''اِنّ قَومَنَا استَاثَرُوا عَلَینَا بِمَقَامِ رَسُولِ اللہ وَنَحنُ وَرَثتہ واَحَقُّ بہ مِنھُم وَاَنَا اَدعُوکُم اِلیَ کِتَابِ اللہِ وَسُنَّتہ نَبِیِّہِ فَاِنَّ السُّنۃَ قَدْ اُمِیتَتْ وَالْبِدْعَۃَ قَدْ اُحِیَتْ فَاِن سَمِعُوا اِلَیَّ اَھْدکُم سَبِیلَ الرشاد۔ (الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج ۴، ص ۹)

ایک قوم نے مقام و منصب الٰہی پر قبضہ کر لیا ہے جبکہ ہم اس کے زیادہ مستحق تھے اور ہم ہی وارث پیغمبر تھے میں تم لوگوں کو کتاب خدا اور سنت رسولؐ کی طرف دعوت دے رہا ہوں اس لیے کہ سنت رسول پامال کی جا رہی ہے اور بدعتوں نے اس کی جگہ لے لی ہے اگر میری دعوت قبول کروگے تو میں تم لوگوں کی راہ راست کی طرف ہدایت کروں گا۔

آپ نے اپنے اس مختصر سے بیان میں پوری تاریخ سمیٹ دی، آپ نے بتادیا کہ مقام امامت اور منصب خلافت الٰہی کے حقیقی وارث وہی ہیں جسے سازش کے تحت تنصیب، وصیت اور شوریٰ نے ہٹادیا تھا آج اگر یہ منصب ہمارے پاس ہوتا تو دین اسلام کے نام پر جو کھیل کھیلا گیا ہے وہ نہ کھیلا جاتا۔

دوسری بات جو آپ نے کہی وہ یہ کہ ہمارا قیام دو اصولوں کے محور پر ہوگا کتاب خدا اور سنت اب وجد یعنی ذاتی خواہشات، حکومت کا حصول جنگ و خونریزی مقصد نہیں ہے۔

تیسری اہم بات جو آپ نے فرمائی کہ گذشتہ پچاس سالوں میں دو کام برنامہ کے تحت انجام دیے گئے ایک سنت رسولؐ کو بالائے طاق رکھا گیا دوسرے سنت زمانہ جاہلیت کو رواج دیا گیا دونوں کے لیے آپ نے الگ الگ لفظ ''امیتت'' و ''احییت'' استعمال کیا ہے یعنی جسے رسول خداؐ نے ختم کیا تھا اسے دوبارہ زندہ کیا گیا اور جسے آپ نے رائج کیا تھا اسے ختم کیا گیا۔

غرض کہ آپ نے اپنے مختصر سے بیان میں گذشتہ پچاس سال کی تاریخ بیان کردی کہ ان سالوں میں نام تو اسلام کا تھا مگر کام سب غیر اسلامی انجام دیے جارہے تھے آج اسلام اور مسلمانوں پر جو اعتراضات ہورہے ہیں وہ انھیں ادوار کی مرہون منت ہیں اور افسوس تو اس بات پر ہوتا ہے کہ خود کو تعلیم یافتہ اور متمدن جاننے والے مستشرق ائمہ طاہرینؑ کی زندگی کا یا تو مطالعہ نہیں کرتے یا کرتے تو ہیں مگر اس کو صحیح بیان نہیں کرتے اور بیان بھی کیسے کریں اگر بیان کریں گے تو اپنے ہدف (نابودی اسلام) تک نہیں پہنچ پائیں گے مگر یہ بات بھی مسلم ہے کہ تاریخ میں اسلام کے نام پر ایسا بہت کچھ کیا گیا ہے کہ جس کا آج امت اسلامی خمیازہ بھگت رہی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر جب آپ کا یزیدی فوج سے آمنا سامنا ہوا تو فرمایا کہ: اے لوگو رسول خدا (ص) نے فرمایا کہ جو بھی ظالم و جابر حاکم کو دیکھے جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کررہا ہو الٰہی عہد و پیمان کو توڑ رہا ہو سنت رسول سے انحراف کررہا ہو، عوام پر ظلم وزیادتی کررہا ہو، مرتکب گناہ ہورہا ہو اور لوگ اس کے خلاف آواز نہ اٹھائیں تو خدا پر لازم ہے کہ وہ ایسے افراد کو اسی کے ظلم و ستم سے دوچار کردے۔ اے لوگو جان لو کہ یہ قوم (یزید اور اس کے ہمنوا) غاصب ہیں شیطان کی اطاعت کرنے والے ہیں، حکم خدا سے دور ہوگئے ہیں، فساد و منکرات کو علی الاعلان انجام دے رہے ہیں، حدود الٰہی کو پامال کررہے ہیں، بیت المال جو پوری امت کا حق ہے انھوں نے اسے صرف اپنے لیے مخصوص کرلیا ہے ان حالات کو بدلنے کے لیے مجھ سے بہتر اس وقت کوئی نہیں ہے لہٰذا میں قیام کررہا ہوں۔ (تاریخ طبری، ج۹، ص ۳۰۴)

اس بیان میں بھی آپ نے گذشتہ پچاس سال کی پوری تاریخ بتادی اور لوگوں کو یہ بھی بتادیا کہ اگر ان حالات میں امر بالمعروف اور نہی از منکر نہیں ہوگا تو خدا ہم سب کا مواخذہ کرنے کا حقدار ہے آپ نے یزید ظالم و جابر کا ذکر کیا تاکہ سوئی ہوئی امت کو بیدار کیا جاسکے آپ نے اپنے بیان میں غیرت بھی دلائی اور خوف خدا کا بھی ذکر کیا۔

آپ نے امت کی تربیت کے لیے صرف بیانات سے کام نہیں لیا بلکہ حالات ناسازگار ہونے کے باوجود میدان عمل میں بھی عملی طور پر قدم آگے بڑھایا اس لیے کہ ایک مربی کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود پہلے عمل کرے تاکہ دوسروں کو دعوت دے سکے کہ شاید یہ ہی وجہ تھی کہ آپ نے مدینہ کو ترک کیا اور اسلام کے مرکزی شہر مکہ کی طرف کوچ کیا مگر لوگوں نے روکنا چاہا اور مصلحت اندیشی کا مشورہ بھی دیا مگر آپ نے بات تو سب کی سنی

مگر کیا وہی جس کا آپ کا فریضہ منصبی تقاضہ کر رہا تھا آپ نے ایک لمحے کے لیے بھی یزید اور پہلے کی حکومت کو قبول نہیں کیا اور نہ ہی آپ نے کہیں یک سرے موظلم و زیادتی کا سہارا لیا حتی کہ میدان جنگ میں بھی اسلامی قوانین کو مد نظر رکھا خود آپ کے بھیجے ہوئے سفیر جناب مسلم نے بھی ابن زیاد جو کہ خیمہ فساد و شر کا سپہ سالار تھا کو قتل کرنے کا سنہرا موقعہ صرف اس لیے ہاتھ سے جانے دیا کہ دھوکے سے کسی کو مارنا اسلام پسند نہیں کرتا۔ (تاریخ طبری، ج۵، ص۳۶۰)

خود کربلا میں ایک وقت ایسا آیا کہ جناب زہیر ابن قین امام کے پاس آئے اور کہا مولا اجازت دیجیے کہ ہم حملہ شروع کریں اس وقت اگر ہم حملہ کردیں گے تو فتح یقینی ہے اور ہم دشمن کو نابود کریں گے امام علیہ السلام نے اسلامی قانون کی پاسداری کرتے ہوئے جناب زہیر کو منع کر دیا اور کہا کہ اسلام پہلے حملہ نہیں کرتا بلکہ اسلام کا ہدف دفاع ہے خونریزی نہیں۔ (الارشاد، شیخ مفید، ص۲۰۸)

امام حسین علیہ السلام نے اپنے اس کردار سے بھی اسلام پر لگے ایک بہت بڑے الزام کو رد کر دیا جو کہا جاتا ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے یا آج کل جو اسلام کو جنگ پسند اور مسلمانوں کو دہشت گرد کہا جارہا ہے البتہ کل بھی اسلام کے چہرے کو خراب کرنے کی سازش کی گئی تھی اور اس طرح کا کردار پیش کیا گیا تھا کہ لوگ اسلام سے متنفر ہو جائیں اور جنگ و جدال کو اسلام کا جز بنانے کی کوشش کی گئی اور آج بھی استعمار مختلف خود ساختہ گروہوں کے ذریعہ اسلام کو بدنام کرنے کی ناکام کوشش میں لگے ہوئے ہیں جیسے کل اسلام کے قوانین کو بالائے طاق رکھ کر اسلامی اقدار کو پامال کیا گیا تھا آج مختلف استعماری گروہ اسلام کے نام پر اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کر رہے ہیں البتہ بہت جلد ان چہروں سے نقاب اتر گئی اور دونوں (بنانے والے اور استعمال ہونے والے) بے نقاب ہو گئے اور اسلام کا صلح پسند چہرہ آج بھی نکھرا ہوا سب کے سامنے ہے۔آپ نے جناب زہیر کو حملے کی ابتدا کرنے کی اجازت نہ دے کر یہ بتایا کہ اسلام نے کبھی بھی جنگ کی ابتدا نہیں کی بلکہ اپنا دفاع کیا ہے یہ بھی تربیت کا ایک پہلو تھا۔

۲۔واضح اور صریح موقف

امام حسین علیہ السلام نے اس قیام میں اپنا موقف رز و اول ہی سے بالکل واضح الفاظ میں بیان کر دیا تھا آپ نے اپنے اس اقدام سے یہ اعلان کیا کہ جو بھی امت کا رہبر یا پیشوا ہو اسے اپنا موقف واضح کرنا چاہیے تاکہ ہدف

معلوم ہوسکے کہ وہ کیا کرنا چاہ رہا ہے جبکہ دنیاوی رہبر و پیشوا کبھی اپنا موقف واضح نہیں کرتے یا کرتے بھی ہیں تو حالات کو دیکھ کر بدل دیتے ہیں اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ دنیاوی رہبر سیاسی بیان دیتے ہیں تاکہ حالات کو دیکھ کر اپنے بیان کو بدل سکیں۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے اس قیام میں اپنا موقف بالکل واضح کر دیا تھا کہ میں اصلاح امت کے لیے قیام کر رہا ہوں اب اصلاح امت کے لیے جو بھی اقدام کرنا ہوگا وہ میں کروں گا اور پھر اصلاح امت کا مفہوم بھی صریح بیان کر دیا کہ نہ میں سرکشی کرنا چاہتا ہوں نہ حکومت کے لیے قیام کر رہا ہوں اور نہ ہی امت میں افتراق و انتشار میرا مقصد ہے بلکہ امر بالمعروف اور نہی از منکر میرے قیام کا اصل رکن ہے اور اس محور پر تمام اقدام کئے جائیں گے۔

آپ ابتدا سے ہی تمام دینی اور الٰہی رہبروں کی طرح صریح اللہجہ تھے اور جہاں جہاں بھی حق کا مسئلہ آتا تھا بالکل واضح اپنا موقف بیان کر دیتے تھے تاریخ میں بہت سے موارد ملتے ہیں جہاں آپ نے بہت واضح اپنا موقف بیان کیا ہے خلیفہ دوم کو ممبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا میرے بابا کے ممبر سے نیچے اترو۔ خلیفہ دوم نے کہا کیا یہ تم کو تمہارے بابا نے کہا ہے تو آپ نے فرمایا اگر انہوں نے کہا ہوتا اور میں ان کی پیروری کرتے ہوئے تم سے کہتا تو خدا کی قسم میں ہدایت یافتہ ہوں یعنی بتا رہے ہیں کہ اولاً تو میرے بابا نے کہا نہیں اور اگر کہا ہوتا تو حق ہوتا۔ (مروج الذہب، ذہبی، ج ۳، ص ۲۸۵)

دوسرا موقعہ جب آپ نے حاکم شام کے رشتہ کو رد کیا تھا حاکم شام نے یزید کے لیے پیغام بھیجا کہ عبداللہ ابن جعفر کی بیٹی سے یزید کا عقد کر دیا جائے ہم اتنا مہر دیں گے اور اس رشتہ کے ذریعہ دونوں قبیلوں میں صلح بھی ہو جائے گی آپ نے مروان جو رشتہ لے کر آیا تھا اور مدینہ کا حاکم تھا اسے صراحت سے کہا ہم دو قبیلوں میں نزاع اور اختلاف خدا کے لیے ہے اسے ہم دنیا کے عوض صلح میں نہیں بدل سکتے اور تو نے جو کہا ہے کہ اکثر لوگ یزید پہ غبطہ کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا وہ اکثر نہیں اقل میں ہیں اور جو ہیں بھی وہ نادان ہیں اکثریت ہم اہلبیت پہ غبطہ کرتی ہے۔ (موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام، تحقیقات باقر العلوم، ص ۲۴۶)

آپ نے حاکم شام کے اور اس کے ذریعہ بنائے گئے گورنر سپہ سالار وغیرہ کے خلاف بھی سخت موقف اختیار کیا اور مختلف انداز سے اس کی حاکمیت کو غیر مشروع قرار دیا ہے جب اس نے اہل مدینہ کو ایک خط اور ایک خط امام حسین علیہ السلام کو یزید کی بیعت کے لیے لکھا اور آپ کو تقویٰ کی رعایت اور فتنہ سے پرہیز کرنے کے لیے لکھا

تو آپ نے سخت اور واضح موقف میں اس کو جواب دیا اور اس کو اس کی اوقات یاد دلادی (الامۃ والسیاسۃ، دینوری، ص ۱۵۴؛ الامام الحسین، عائلی، ص ۳۳۶)

امام اپنے کردار سے امت کی تربیت کر رہے تھے کہ اپنے موقف میں انسان کو واضح اور صریح ہونا چاہیے حالات چاہے جیسے بھی ہوں اگر حق بات کی بات آجائے تو پھر اپنا موقف واضح کردو چاہے اس راہ میں جو بھی قربانی دینی پڑے گریز نہ کرو۔

۳۔ باطل کے چہرہ کو اشکار کرنا

امام حسین علیہ السلام نے اپنے اس قیام میں جو موقف اختیار کیا تھا اصلاح امت اس کا تقاضہ تھا کہ لوگوں کو بتائیں کہ موجودہ حالات کا اسلام قرآن اور دین سے کوئی تعلق نہیں ہے جبکہ حالات اتنے خراب تھے کہ اس دور میں حق بولنا اور حق کے لیے آواز اٹھانا یعنی خود کو معرض خطرہ میں ڈالنا تھا صرف خطرہ ہی نہیں بلکہ یقینی جان سے جانا تھا اس لیے کہ حاکم شام نے جو زیاد بن ابیہ کو دستور دیا تھا (کہ علی کے شیعوں کو تلاش کرو اور انھیں قتل کردو اور اگر ان کے شیعہ ہونے کی دلیل نہ ملے تو اگر شک بھی ہو تو قتل کردو (الاحتجاج، طبرسی، ج ۲، ص ۱۸) اس سے صاف ظاہر ہے کہ حق بولنے کی اجازت کسی کو نہیں تھی جنھوں نے حق کے لیے آواز اٹھائی انھیں قتل کردیا گیا ان حالات میں امام حسین علیہ السلام نے چہرہ باطل سے نقاب اٹھائی تاکہ لوگوں کو معلوم ہوسکے کہ موجودہ حکومت کس راہ پر جارہی ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے ایک خط جس میں آپ کو یزید کی بیعت کے لیے لکھا گیا تھا اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ ''تو اور تیرے احباب شیطان کے گروہ میں شامل ہوچکے ہیں تم حجر اور ان کے ساتھیوں کے قاتل ہو جو اہل عبادت و زہد تھے انھوں نے عدل، امر بالمعروف اور نہی از منکر کے لیے قیام کیا تھا تو نے جو ان سے عہد و پیمان کیا تھا اس کو توڑ دیا تو نے عمر بن حمق کو قتل کیا، تو حضرمی کا قاتل نہیں ہے؟ تو نے خط میں لکھا ہے کہ امت محمد میں فتنہ پیدا نہ کروں جبکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تو بذات خود امت محمد میں سب سے بڑا فتنہ ہے خدا کی قسم اس وقت تیرے مقابلے میں جہاد سے افضل کسی چیز کو نہیں سمجھتا اور اگر میں تیرے خلاف جہاد کروں گا تو یہ تقرب الٰہی کا بہترین راستہ ہوگا تو ایک شراب خوار اور سگباز کو امت کا خلیفہ بنانا چاہتا ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ

تونے خود کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے اور خود کو نابود کرلیا ہے اور امت کو تباہ کردیا ہے۔(الامامہ والسیاسۃ، دینوری، ص۱۵۵؛الغدیر، علامہ امینی، ج۱۰، ص۱۹۸)

آپ نے اپنے اس خط میں چند امور کی طرف اشارہ کیا ہے ظاہراً مخاطب تو حاکم ہے مگر آپ کا پیغام سب کے لیے ہے آپ نے اصحاب باوفا اور صاحبان زہد و تقویٰ کے قتل کی طرف اشارہ کرکے بتایا کہ یہ وہ افراد تھے جنھوں نے حق کے لیے قیام کیا تھا یعنی مقابلے میں آنے والا باطل پر تھا بالفاظ دیگر آپ بتارہے تھے کہ اگر ہمارے مقابلے میں بھی آؤگے تو باطل پر ہی رہوگے اس لیے کہ میں ان اہل حق کا امام ہوں۔

آپ نے جہاد کا اعلان کرتے ہوئے موجودہ حکومت پر خط بطلان کھینچ دیا اور بتادیا کہ اس وقت کے حاکم سے جہاد تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے یعنی آپ بتارہے تھے ابھی تک جو جعل حدیث، رعب و وحشت اور لالچ کے ذریعہ حاکم وقت کی اطاعت کو خدا کی اطاعت کے برابر بتایا جارہا تھا وہ سب باطل ہے اور جو کچھ دین، اسلام اور مذہب کے نام پر کیا جارہا ہے وہ سب باطل ہے اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ایک اور اہم بات جو آپ نے اپنے خط میں لکھی وہ یہ کہ تونے اس طرح حکومت کی گویا تو کوئی الگ مخلوق ہے ان لوگوں میں سے نہیں ہے یعنی آپ بتارہے ہیں کہ حاکم کو عوام جیسا ہونا چاہیے عوام کے تمام درد و غم اور مشکلات میں شریک ہونا چاہیے جبکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ عوام اور تجھ میں نہ پٹنے والی کھائی بن گئی ہے۔آپ کے اس بیان سے واضح ہے کہ عوام اس کے ساتھ نہیں تھے اور اگر خاموش تھے تو صرف خوف کی بناء پر اور اگر عوام حاکم کے ساتھ نہ ہو تو حاکم کو حکومت کا حق نہیں۔

ایک دوسرے مقام پر آپ نے حاکم کے شرائط بیان کرتے ہوئے لکھا کہ میں اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کسی بھی حاکم کو حکومت کا حق نہیں اگر وہ ان شرائط کا حامل نہ ہو:

۱۔ قرآن سے اتنا آشنا ہو کہ اس کے مطابق عمل کرے، ۲۔ معاشرہ میں عدالت کو جاری کرے، ۳۔ دین الٰہی کا پابند ہو، ۴۔ خود کو خدا کے لیے اور اس کی رضایت کے لیے وقف کردے۔(تاریخ طبری، ج۷، ص۳۳۵؛ الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج۳، ص۲۶۷؛ مقتل خوارزمی، ج۱، ص۱۹۵)

امام حسین علیہ السلام نے مذکورہ صفات کو بیان کرکے بتایا کہ موجود حکومت ان میں سے کسی ایک پر عمل نہیں کررہی ہے لہٰذا انھیں حکومت کا حق نہیں اگر یہ حکومت کررہے ہیں تو ظلم و جبر کی بناء پر حکومت کررہے ہیں۔

آپ بظاہر مخاطب تو حاکم شام سے ہیں مگر پوری امت کی تربیت فرمارہے ہیں کہ دیکھو جو بھی حاکم ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان صفات کا حامل ہو اور جب اس قسم کا حاکم و خلیفہ ہوگا تو معاشرہ میں ظلم و ستم نہیں ہوگا ایک خوشحال اور دینی معاشرہ ہوگا اس لیے کہ حاکم جس طینت کا ہوگا معاشرہ بھی اس طرح کا ہوگا اس لیے کہ حدیثیا مثل ہے کہ "اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوکِھِمْ'' کہ لوگ تو بادشاہوں کے دین پر ہی ہوتے ہیں (بحارالانوار، مجلسی، ج۱۰۲، ص۷؛ کشف الغمہ، اربلی، ج۲، ص۲۱) (اس میں بحث ہے کہ یہ حدیث ہے یا مثل، بہرحال جو بھی ہو تعلیمات قرآن سے بہرحال سازگار ہے، سورہ ابراہیم، آیت۲۱ ؛سورہ غافر، آیت۴۷ ان دونوں آیات کا مفہوم یہ ہے کہ : حاکم وقت جس دین مسلک یا فکر کا ہوتا ہے تقریباً عوام اسی فکر کی ہوتی ہے البتہ مراد وہ لوگ جن کو قرآن نے ''ضعفائ'' سے تعبیر کیا ہے یعنی عوام میں وہ لوگ جو جاہل یا پسماندہ طبقے کے ہوتے ہیں علماء یا پڑھے لکھے طبقے کو اس میں کلی طور پر شامل نہیں کیا جائے گا البتہ موجودہ دور میں بلکہ ہر دور میں پڑھے لکھے افراد بھی اس میں کسی حد تک شامل ہوجاتے ہیں۔

بہرحال امام حسین علیہ السلام نے ایک مربی کی حیثیت سے امت کو بتادیا کہ حاکم و حکمران کی صفت کیا ہے اور اسی محور پر حاکم کا انتخاب کیا جانا چاہیے تاکہ معاشرہ حرج و مرج کا شکار نہ ہو۔ آپ نے اور بھی مقامات پر باطل کے چہرہ کو آشکار کیا اور بتادیا کہ حق کدھر ہے اور باطل کدھر۔

۴۔ حق گوئی

رسول خدا (ص) سے طارق بن شہاب بجلی نے سوال کیا یا رسول اللہ کونسا جہاد افضل ہے تو آپ نے فرمایا: "کَلِمَۃُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَایِرٍ" ظالم بادشاہ کے سامنے حق بیان کرنا (ارشاد القلوب، دیلمی، ج۱، ص۲۵۰)

امام حسین علیہ السلام جس دور سے گذر رہے تھے اس دور میں حق گوئی کا کاملاً فقدان تھا کسی میں ہمت نہیں تھی کہ وہ حاکم جائر کے خلاف زبان کھولے اس کی اصل وجہ خوف و ہراس تھا اس لیے کہ اب تک جن لوگوں

نے زبان کھولی یا تو ان کو زندان میں ڈال دیا گیا یا پھر قتل کر دیا گیا۔ حاکم شام کے مخالفین کی تعداد بہت زیادہ ہے مگر بولنے کی ہمت کوئی نہیں کر رہا تھا امام حسین علیہ السلام نے اس ماحول کو بدلا اور متعدد مقام پر آپ نے حاکم جائر کے سامنے کلمہ حق جاری کیا۔

ایک مرتبہ امیر شام نے مسجد النبیؐ میں لوگوں کو جمع کیا اور یزید کی تعریف و تمجید شروع کی اور کہا کہ اگر امت مسلمہ میں یزید سے بہتر کوئی اور ہوتا تو میں اس کے لیے بیعت لیتا میری نظر میں یزید سے بہتر کوئی اور اس وقت نہیں ہے اس مجمع میں امام حسین علیہ السلام موجود تھے آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا: تم نے اسے فراموش کر دیا جو یزید اور یزید کے باپ دادا سے بہتر ہے امیر شام نے کہا شاید تمھاری مراد تم خود ہو امام علیہ السلام نے فرمایا ہاں وہ میں ہوں تو حاکم شام نے کہا تم یزید سے بہتر ہو، مگر امت محمد میں بہتر نیز یزید ہے، آپ نے فرمایا: تمھارا یہ بات بے اساس ہے جھوٹ پر مبنی ہے یزید شراب خوار ہے ہوس پرست ہے لہو و لعب کا دلدادہ ہے اور تم مجھ سے اس کا مقابلہ کر رہے ہو۔ (الامامہ والسیاسۃ، دینوری، ص ۱۶۳)

آپ نے اپنے اس بیان اور کردار سے سوئے ذہنوں کو جگایا اور امت کو بتایا کہ حق بات کہنے میں تامل نہ کرو ورنہ ظالم کو ظلم کرنے کی راہ مل جائے گی اور وہ مزید ظلم و جور کرے گا لہٰذا جب جب اور جہاں جہاں موقعہ ہو ظالم کے سامنے کلمہ حق کو جاری کرو تاکہ اس کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔

آج ہمارے معاشرے میں بھی بہت زیادہ دین سے انحراف پایا جاتا ہے مگر بولنے والے بہت کم ہیں یہی وجہ ہے کہ انحراف پیدا کرنے والوں کو موقعہ مل رہا ہے یہ دشمن کی ایک مکمل سازش ہے کہ عزاداری جو ہمارے مذہب کی پہچان ہے اسے کسی طرح ختم کر دیا جائے اگرچہ ان کو معلوم ہے کہ یہ ختم ہونے والی نہیں ہے لہٰذا انھوں نے سازش کے تحت روح عزاداری کو ختم کرنے کی سازش شروع کر دی ہے اب ہمارا فریضہ ہے کہ ہم بصیرت کے ساتھ روح عزا کو بچائیں اور اس کی حفاظت کریں۔

عزاداری امام حسین علیہ السلام جو اتحاد کا مرکز و محور تھی آج اسے ہماری ''میں'' اور ''ہم'' نے ختم کر کے رکھ دیا ہے جسے دیکھیے ہماری مجلس، میرا جلوس، ہماری انجمن، میری انجمن کے نوحہ خواں اور ماتم دار جبکہ یہ نہ سوچا کہ جب فرش عزا بچھادی ہے تو نہ ہم نہ میں اب بانی مجلس جناب سیدہؑ ہیں ہماری مجلسیں بنیں مجلس حسین، میری انجمن نہیں انجمن حسینی، ہمارے ماتم دار۔ نہیں حسین کے نوحہ خواں اور ماتم دار ان حالات میں

علماء ،بزرگوں اور ذاکرین کرام اہل منبر کو آگے آنے اور یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ ہماری پہچان وہ عزاداری ہے جس کی بانی جناب زینب ہیں اور جو جناب سیدہ کے زخموں کا مرحم بھی ہے۔

۵۔ موت وحیات اور آخرت پر نگاہ

واقعہ کربلا میں مسئلہ موت وحیات بالکل واضح ہو کر سامنے آیا امام علیہ السلام نے بھی اپنے ساتھ آنے والوں کو کسی خوش فہمی میں نہیں رکھا اور ہر موقعہ پر موت کی خبر دیتے رہے اور موت علی الحق کو سعادت کا ذریعہ بتایا آپ نے فرمایا: ''مَنْ کَانَ بَاذِلاً فِینَا مُهْجَتَهٗ وَ مُوطِئاً عَلیٰ لِقَاءِ اللهِ نَفْسَه فَلْیَرْحَلْ مَعَنا؛ '' جو بھی ہماری راہ میں اپنی جان قربان کر سکتا ہے اور خود کو خدا کی ملاقات کے لیے آمادہ کرلیا ہے وہ ہمارے ساتھ آئے۔ (لہوف، سید بن طاووس، ص۱۲۶؛ بحار الانوار، علامہ مجلسی، ج۴۶، ص۲۶۶۔۲۶۷)

آپ نے ایک خطبے میں جو علماء کے درمیان دیا تھا فرمایا: ان لوگوں نے آنکھوں کو بند کرلیا ہے جبکہ خدائی عہد و پیمان توڑے جارہے ہیں مگر آپ لوگوں کو کوئی فکر نہیں ہے اس کے مقابلے میں اگر آپ کے خاندان یا آباء و اجداد کے ساتھ کئے گئے عہد و پیمان توڑے جاتے تو آپ کی آواز بلند ہو جاتی ہے آپ لوگوں نے ستمگروں کے ساتھ ساز باز کرلی ہے اور آج جو آپ کے مناصب پر نااہل بیٹھے ہوئے ہیں وہ صرف اس لیے کہ آپ نے موت کے خوف سے آواز نہیں اٹھائی اور اس فانی دنیا سے دل لگائے ہیں۔ (تحف العقول، محمد حسن حرانی، ص۲۶۹)

شام کے حاکم نے اور پھر یزید نے لوگوں کو مادی دنیا میں اتنا غرق کر دیا تھا کہ بڑے بڑے لوگ آخرت سے غافل ہو گئے تھے امام حسین علیہ السلام اس غفلت کو ختم کرنا چاہ رہے تھے بتانا چاہ رہے تھے کہ موت بالآخر آنی ہے تو کیوں نہ اس موت کو شہادت میں بدل کر آخرت کو سنوار لیں۔ آپ نے اپنے اصحاب کے درمیان مسئلہ موت کو بار بار دہرایا تاکہ لوگ اس مفہوم کو بھی یاد رکھیں جس سے غافل ہو گئے تھے۔ امام علیہ السلام نے موت جیسے بھاینک تصور کو شہادت کے خوشنما پیرائے میں ڈھال کر لوگوں کو بتایا کہ موت کتنی آسان اور خوبصورت ہے عادی موت کے بعد انسان کو نہیں معلوم کہ وہ اہل بہشت سے ہے یا دوزخ اس کا مقدر ہے لیکن امام حسین علیہ السلام نے لوگوں کو بتایا کہ راہ خدا میں اگر جان چلی جائے تو اس کا مقدر بہشت ہی ہے۔

امام امت کی تربیت کر رہے تھے اور مفہوم شہادت کو بھی لوگوں تک پہنچا رہے تھے کہ ظالم و جابر حکمرانوں سے خوفزدہ نہ ہو بلکہ کلمہ حق کے لیے آواز اٹھاؤ اور اگر راہ میں قتل کر دئے جاتے ہو تو خدا نے ایسے لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ ہم ان کو جنت عطا کریں گے۔

آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں کربلا ہمارے لیے مشعل راہ ہے مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مفہوم کربلا مقصد قیام حسینی کو صحیح اور درست بیان کریں۔ مقام معظم رہبری آیت العظمٰی خامنہ ای حفظہ اللہ نے اس دور کو جہاد تبیین سے تعبیر کیا ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ ہم آج اسلام، دین، قرآن، کربلا، زندگانی رسول خداؐ اور ائمہ طاہرینؑ کو صحیح انداز سے بیان کریں صرف جنگوں اور معجزوں تک چودہ معصومینؑ کو محدود نہ کریں بلکہ ان کی زندگی کے تمام پہلو کو اجاگر کیا جائے۔

ماضی میں فرش عزاء پر ہر مسلک و مکتب فکر کے افراد آکر بیٹھتے تھے اور ہمارے بزرگان (جو باحیات ہیں خدا ان کو طول عمر فرمائے اور جو ہمارے درمیان نہیں خدا ان کے درجات عالی و متعالی فرمائے) مذہب حقہ کی تبیین فرماتے تھے لہٰذا ہر مکتب فکر کا انسان، مذہب حق کے تقدس کو مقدس مانتا تھا مگر آج دیگر مذاہب کے افراد یا تو کم آتے ہیں یا آتے ہی نہیں ہیں اس کی وجہ تلاش کرنے کی ضرورت ہے آج جو کچھ ہمارے ملک عزیز ہندوستان میں ماحول بنایا جارہا ہے شاید اس کی اہم وجہ یہ بھی ہو کہ گذشتہ چند دہائیوں سے ہم نے مذہب حق کی صحیح تبیین نہیں کی، غیر تو غیر اپنے بھی آج مختلف انداز سے بالخصوص نوجوان طبقہ اعتراض کر رہا ہے اگرچہ وہ سوال کے پیرائے میں ہوتا ہے مگر در حقیقت وہ ان کے ذہن کو مشوش کرتا ہے اور درست جواب نہ ملنے کی بناء پر وہی سوال اعتراض کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

محرم آج ہمارے پاس ایسا پلیٹ فارم ہے کہ ہم اس سے سارے عالم کو دگرگوں کر سکتے ہیں بس ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کا کس طرح استعمال ہو جس طرح ہمارے بزرگ کرتے تھے اور دین مبین اسلام کے تمام پہلو کو اسی منبر سے اجاگر کرتے تھے وہ عزاداری ہو جو حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو مطلوب ہے۔

امام رضا علیہ السلام نے ایک موقعہ پر فرمایا خدا اس پر رحمت نازل فرمائے جو ہمارے امر کو زندہ کرتے ہیں سائل نے سوال کیا مولا کس طرح آپ کے امر کو زندہ کیا جائے تو آپ نے فرمایا ہمارے علوم و کلام کو لوگوں

تک پہنچاؤ اگر لوگوں تک ہمارے محاسن پہنچ گئے تو وہ ہمارا اتباع کریں گے۔ (عیون اخبار الرضا علیہ السلام، ج۱، ص۲۷۵)

اب ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم علوم آل محمدؐ، اخلاق و کردار آل محمدؐ، فضائل و مصائب آل محمدؐ کو لوگوں تک پہنچائیں اور صحیح ابلاغ کریں تاکہ لوگ ان کو سن کر آل محمدؐ کا اتباع کریں اور یہ امتیاز صرف ہم کو حاصل ہے کہ ہمارے رہبر و رہنما ہر خطا و غلطی سے پاک و پاکیزہ ہیں ان کے اقوال گہربار اور ان کا کردار ایسا ہے کہ لوگ خود بخود مائل ہوں گے اور مذہب حق یک طرف آئیں گے۔

منابع

۱۔ قرآن مجید.
۲۔ نہج البلاغہ.

الف: فارسی

۳۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، تہذیب التہذیب، طبع حیدر آباد ہند.
۴۔ ابن ندیم، محمد بن اسحاق، الفہرست، تہران.
۵۔ اربلی، علی بن عیسیٰ، کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ، تبریز.
۶۔ شہیدی، جعفر، پس از پنجاہ سال، تہران.
۷۔ شیخ مفید، محمد بن نعمان، الارشاد، ترجمہ ہاشم رسولی، تہران.
۸۔ طبرسی، احمد بن علی، الاحتجاج، نجف.
۹۔ فیض الاسلام، علی نقی، ترجمہ و شرح نہج البلاغہ، تہران.
۱۰۔ مشکور، محمد جواد، موسوعۃ کلمات الامام الحسین، مشہد.
۱۱۔ نجمی، محمد صادق، سخنان حسین بن علی، قم.

ب: عربی

۱۲۔ ابن ابی الحدید، محمد الحمید بن ہبۃ اللہ، شرح نہج البلاغہ، قم.
۱۳۔ ابن شہر آشوب، محمد بن علی، مناقب آل ابی طالب، قم.
۱۴۔ ابن اثیر، محمد بن علی، الکامل فی التاریخ، بیروت.
۱۵۔ ابن اثیر، محمد بن علی، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، بیروت.
۱۶۔ ابن اعثم کوفی، محمد بن علی، الفتوح، بیروت.
۱۷۔ ابن بابویہ، محمد بن علی، علل الشرایع، قم.
۱۸۔ ابن حنبل، احمد بن حنبل، مسند، بیروت.

۱۹۔ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت.
۲۰۔ابن شعبہ، حسن بن علی، تحف العقول، قم.
۲۱۔ابن طاووس، علی بن موسیٰ، اللھوف علی قتلی الطفوف، نجف.
۲۲۔ابن عبدربہ، احمد بن محمد، العقد الفرید، بیروت.
۲۳۔ابن عبدی، تاریخ مختصر الدول، تہران.
۲۴۔ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، بیروت.
۲۵۔ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، بیروت.
۲۶۔ابن منظور، محمد بن مکرم، مختصر التاریخ الدمشق، بیروت.
۲۷۔ابوالفرج اصفہانی، علی بن الحسین، الاغانی، بیروت.
۲۸۔امین، احمد، فجر الاسلام، بیروت.
۲۹۔امینی، عبدالحسین، الغدیر، بیروت.
۳۰۔ بلاذری، احمد بن یحییٰ، انساب الاشراف، بیروت.
۳۱۔ترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع الصحیح الترمذی، بیروت.
۳۲۔خطیب بغدادی، احمد بن علی، تقیید العلم، بیروت.
۳۳۔خوارزمی، محمد بن محمود، مقتل خوارزمی، قم.
۳۴۔ذہبی، محمد بن احمد، سیر اعلام النبلائ، بیروت.
۳۵۔سبحانی، جعفر، بحوث فی الملل والنحل، قم.
۳۶۔شوشتری، محمد تقی، قاموس الرجال، قم.
۳۷۔طباطبائی، محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، بیروت.
۳۸۔طبری، جریر بن فہد، تاریخ طبری، بیروت.
۳۹۔عسکری، مرتضیٰ، عبداللہ بن سبا، بیروت.
۴۰۔عسکری، مرتضیٰ، نقش ائمہ در احیاء دین، بیروت.
۴۱۔عاملی، عبداللہ، الامام الحسین، بیروت.
۴۲۔علی جواد، المفصل فی التاریخ العرب قبل الاسلام، بیروت.
۴۳۔قلقشندی، احمد بن علی، صبح الاعشیٰ، بیروت.
۴۴۔متقی، علی بن حسام الدین، کنز العمال، بیروت.
۴۵۔مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، بیروت.
۴۶۔مسعودی، علی بن الحسین، مروج الذہب، بیروت.
۴۷۔مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، مصر.
۴۸۔مودودی، ابوالاعلیٰ، خلافت وملوکیت، لاہور.
۴۹۔یعقوبی، علی بن اسحاق، تاریخ یعقوبی، بیروت.

عزاداری

ایک تربیت گاہ کی حیثیت سے

مولانا سید جمال عباس سرسوی

عزاداری ! سرکار سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کے خونچکاں قیام اور انقلاب آفرین شہادت کے تسلسل کا نام ہے۔ یہ آزاد اندیش اور حریت پسند انسانوں کے لئے اپنے مقاصد و اہداف تک رسائی کے لئے آئیڈیل اور مشعل راہ ہے۔اس کے بے پناہ آثار و برکات میں سے "اخلاقی و تربیتی پہلو" بنی نوع بشر کے لئے سعادت اور خوش بختی کا پیش خیمہ ہے۔اس تحریر میں ہم عزاداری کا ایک تربیت گاہ کی حیثیت سے جائزہ لیں گے اور اس کے بعض اخلاقی و تربیتی پیغامات کی طرف اشارہ کریں گے تاکہ ان پر عمل کرکے کامیابیوں کی راہیں طے کی جا سکیں۔

دنیا کی تمام موجودات، بلکہ پوری کائنات اور تمام مخلوقات کے بالمقابل انسان کی اہم ترین امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ رب کریم نے اسے دولت عقل و خرد سے نوازا ہے۔اسی لئے اس میں تکوینی و تخلیقی نشو و نما کے علاوہ رُشد و کمال کی قابلیت اور ترقی و اقبال کی استعداد پائی بھی جاتی ہے۔اسی سے انسان کی شخصیت، قابل اہمیت بنتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ خداوند متعال نے کائنات کی تمام موجودات کو اس کے رشد اور تکامل کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ارشاد الٰہی ہے:"هُوَالَّذِی خَلَقَلَکُمۡ مَافِی الۡأَرۡضِ جَمِیعًا"[1]۔ لہٰذا اگر انسان عقل و خرد کی راہنمائی میں صحیح تربیتی عوامل کے زیر سایہ، رشد و کمال اور تربیت کے مراحل کو بحسن و خوبی طے کرے تو وہ انسانی کمال اور فضائل کے اس بلند ترین مقام تک پہنچ سکتا ہے، جہاں ملائکہ بھی پہنچنے سے قاصر ہیں۔ البتہ کامل "نمونۂ عمل" شخصیتوں کی پیروی میں ترقی کا یہ سفر اور آسان ہے۔" قَدۡ کَانَتۡ لَکُمۡ اُسۡوَةٌحَسَنَةٌ فِیۡ اِبۡرَاهِیۡمَ "[2] اور " لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلُ اللہِ اُسۡوَۃٌحَسَنَۃٌ "[3]،اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہیں۔

۱۔ سورۂ بقرہ: ۲۹۔

۲۔ سورۂ ممتحنہ: ۴

۳۔ سورۂ احزاب: ۲۱۔

کربلا اور واقعہ عاشور، اپنے تلخ، غم انگیز، کربناک اور مصیبت بھرے حادثات و واقعات کے باوجود، سرکار سید الشہداء اور آپ کے جانثار اصحاب باوفا کا ایک ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جس کے سامنے عقل انسانی دم بخود اور کائنات سراپا حیرت و استعجاب ہے۔ در حقیقت کربلا ایسی ہمہ جہت درسگاہ اور عزاداری ایسی بے مثال تربیت گاہ ہے جس میں ہر شعبہ حیات کے لئے نمونہ عمل موجود ہیں۔ خود مولا امام حسین علیہ السلام کا فرمان ہے: "وَلَکُمْ فِیَّ اُسْوَۃٌ، میری زندگی تمہارے لئے نمونۂ عمل ہے"[1]۔ لہذا ہر عزادار ہر سال کربلا والوں کی یاد مناتے ہوئے ان سے عہد کرتا ہے کہ ان کے مشن کو آگے بڑھائے گا اور ان کے مقصد کو عام کرتے ہوئے پوری دنیا کو حسینی کردار میں ڈھالنے کی بھرپور کوشش کرے گا تاکہ منتقم خون حسین اور وارث کربلا کی عدل وانصاف سے لبریز حکومت کی راہ ہموار ہو سکے، ظالم اپنے کیفر کردار کو پہونچیں اور مظلوموں کو ان کا حق مل سکے۔

ذیل میں ہم کربلا کے بعض اخلاقی وتربیتی پیغامات کی طرف اشارہ کررہے ہیں تاکہ ہر عزادار، ان پر عمل کرکے اس حسینی تربیت گاہ سے فیض اٹھاتے ہوئے، کربلا والوں کی طرح کامیاب ہو سکے[2]۔ کیونکہ "جینا اور مرنا" دونوں ہی میں اچھے، بہترین اور کامل نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے[3]۔ اور کربلا میں سماج کے تمام اصناف کی نمائندگی اور ہر عمر کے افراد اور ہر رشتہ موجود ہے؛ گودی کے شیر خوار، چھوٹے بچے، نوجوان، جوان، درمیانی عمر کے لوگ، بوڑھے، عورت، مرد، نئی دلہن، نیا دولہا، بھائی، بہن، چچا، ماموں، پھوپھی، خالہ، آقا، غلام، کنیز، گورے، کالے، عرب، عجم، نو مسلم، مستبصر وغیرہ۔ لہذا ہر انسان جیسا چاہے اپنے لئے ایک مناسب آئیڈیل چن سکتا ہے جن میں سے بعض کی جانب اب ہم اشارہ کررہے ہیں:

ا۔ ایمان

اہل نظر جانتے ہیں کہ "ایمان" ایک وسیع عنوان ہے۔ جس کی اصل وبنیاد "ایمان باللہ" ہے۔ پیغمبروں، آسمانی کتابوں، فرشتوں، جنت وجہنم، قیامت، حساب وکتاب وغیرہ پر ایمان، اسی "ایمان باللہ" کے مختلف شعبے ہیں۔

ا۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۳، ص ۴۰۸، تاریخ طبری، ج ۳، ص ۳۰۷۔

۲۔ فَیالیتَنی کنتُ معکم فَافُوزَ فوزاً عظیماً (زیارت وارثہ)۔

۳۔ شیخ عباس قمی، مفاتیح الجنان، ص ۸۰۴، زیارت عاشوراء: "اللھم اجْعَل مَحیایَ مَحیٰا محمدٍ وآلِ محمدٍ وَمَمٰاتی مَماتَ مَحمدٍ وآل محمد." "خدایا میری زندگی کو محمدؐ اور ان کے اہلبیتؑ کی زندگی کی طرح اور موت کو بھی محمد اور ان کے اہلبیتؑ کی طرح قرار دے۔

"ایمان" صرف ذہن اور فکر پر ہی اثرانداز نہیں ہوتا بلکہ انسان کے پورے وجود پر اثر ڈالتا ہے۔ انسان کے موقف اور اس کی عملی زندگی میں اس کے ایمان کو بخوبی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

کربلا، امام حسین علیہ السلام کی قربانی اور عزاداری کا بھی اہم ترین اور بنیادی پیغام "ایمان" ہی ہے یہ ایمان کہ خدا سچا ہے، اپنے وعدوں کا پکا ہے، حاضر وناظر ہے، چھوٹے سے چھوٹا کام بھی اس کے علم سے پوشیدہ نہیں ہے وغیرہ. ...، ثبات قدم کا باعث اور شک وتردید سے نجات کا سبب ہوتا ہے۔ کربلا اسی ایمان کا درس دیتی ہے۔ چنانچہ جب ابن عباس نے مولا امام حسین علیہ السلام سے التجا کی کہ عراق کے بجائے کہیں اور چلے جائیں تو آپ نے فرمایا: "انی ماض فی امر رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم و حیث امرنی و انا لله وانا الیه راجعون[1] "اوریوں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات کی پیروی اور خدا کے جوار رحمت کی طرف بازگشت کی جانب اپنے مصمم ارادہ کا اظہار فرمادیا ، وگرنہ بار بار اصحاب اور رشتہ داروں کے خیرخواہانہ مشورے، کوفیوں کی بے وفائی اور آپ کے والد اور برادر کی مظلومیت اور تنہائی یہ سب چیزیں اپنی جگہ ایک معمولی انسان کے دل میں شک وتردید ایجاد کرنے کے لئے کافی تھیں لیکن امام حسین علیہ السلام، محکم ایمان کی وجہ سے ثابت قدم رہے۔ یہ ایمان وعقیدہ، ارادوں اور عمل کو صحیح سمت دیتا ہے؛ چنانچہ جب حر نے آپ کے قافلہ کار استہ روکا تو آپ نے ایک خطبہ کے ضمن میں فرمایا: "سیغنی الله عنکم[2] "، "میری تکیہ گاہ خدا ہے اور وہ مجھے تم لوگوں سے بے نیاز کرے گا"۔ جب کوفہ کے حالات بیان کرتے ہوئے آپ سے کہا گیا کہ لوگ آپ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہیں تو آپ نے جواب میں فرمایا: "حسبی الله ونعم الوکیل[3]۔ "عاشور کی صبح جب سپاہ یزید نے امام کے خیموں کی طرف حملہ کرنا شروع کیا تو اس وقت بھی آپ کے ہاتھ آسمان کی طرف بلند تھے اور خدا سے مناجات کرتے ہوئے یوں فرمارہے تھے" خدایا! ہر سختی اور مشکل میں میری امید اور میری تکیہ گاہ تو ہی ہے، خدایا! جو بھی حادثہ میرے ساتھ پیش آتا ہے اس میں میرا سہارا تو ہی ہوتا ہے، خدایا! کتنی سختیوں اور مشکلات میں تیری درگاہ کی طرف رجوع کیا اور

---

۱ معالی السبطین، ج۱، ص۲۴۶.
۲ موسوعہ کلمات امام حسین، ص۳۷۷؛ العوالم، الامام الحسینؑ، ص۲۳۳۔
۳ موسوعہ کلمات امام حسین، ص۳۷۸۔

تیری طرف ہاتھ بلند کئے تو تو نے ان مشکلات کو دور کیا[1]"، جب وہب بن عبداللہ دوسری مرتبہ میدان کربلا کی طرف نکلے تو اپنے رجز میں اپنا تعارف کرایا کہ میں خدا پر ایمان لانے والا اور اس پر یقین رکھنے والا ہوں[2]۔

کربلا والوں کی طرح حسینی عزاداروں کا ایمان بھی ایسا محکم ہونا چاہیئے جو انھیں راہ حق پر ثابت قدم رکھ سکے۔

۲-تسلیم ورضا

مدینہ طیبہ چھوڑنے سے پہلے سرکار سید الشہداء علیہ السلام اپنے جد بزرگوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مطہر پر خداوند عالم سے مناجات میں فرماتے ہیں: "اَسئَلُکَ یَاذَالجلالِ وَالاِکرَام، بِحَقِ ھٰذَاالقَبْرِ وَمَنْ فیه اِن اختَرتَ لِی مٰاھُولَکَ رَضیً وَلِرسُولکَ رضیً؛[3] اے صاحب جلالت وکرامت معبود، اس قبر اور صاحب قبر کے حق کے ذریعہ تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے سامنے اس راستہ کو رکھنا جو تیری اور تیرے رسولؐ کی خوشنودی کا باعث ہو"۔

جس وقت " ابو بکر بن عبد الرحمن " نے مولا امام حسینؑ سے عراق نہ جانے کی درخواست کی تو امامؑ نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا: " جو کچھ خدا نے مقرر کر دیا ہے وہ ہو کر رہے گا"[4]۔

جب آپ کی پھوپھی "ام ہانی" نے امامؑ کے مدینہ سے ہجرت کرتے وقت محبت آمیز درد بھرے انداز میں فرمایا: " میں نے سنا ہے کہ آپؑ مرنے کے لئے جا رہے ہیں؟" امامؑ نے جواب میں فرمایا: "کُل الذی مُقدَّرٌ فهُوَ کائن لا محالة؛[5] جو کچھ خداوند عالم نے مقدر و معین کر دیا ہے ہو کر رہے گا"۔

۱۔ الارشاد، ج ۲، ص ۹۶؛ بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۴۔
۲ بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۱۷، مناقب، ج ۴، ص ۱۰۱۔
۳۔ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق شیخ محمد السماوی، ج ۱، ص ۱۸۶۔
۴۔ تاریخ ابن عساکر، ج ۷، ص ۱۴۰۔
۵۔ جمعی از نویسندگان، موسوعة کلمات الامام الحسینؑ، ص ۳۰۶۔

امام حسینؑ اپنے معروف وصیت نامہ میں کہ جو انقلاب عاشور کا منشور شمار ہوتا ہے، تحریر فرماتے ہیں: "وَمَا تَوفِیقِی اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیہِ تَوَکَّلتُ وَاِلَیہِ اُنِیبُ؛[1] میں بس اللہ سے توفیق کا امیدوار ہوں، اسی پر توکل کرتا ہوں اور اسی کی جانب گامزن ہوں"۔

جس وقت "عبد اللہ بن مطیع" نے کوفہ کے لوگوں کے بارے میں بتایا، تو امامؑ نے ان سے فرمایا: "یَقضِی اللّٰہُ مَا اَحَبَ؛[2] خداوند عالم جو چاہتا ہے وہ معین کرتا ہے۔"

غرض تسلیم و رضا، کربلا والوں بالخصوص امامؑ کی ایک ایسی ممتاز صفت ہے جو ہر موقع و منزل پر قابل مشاہدہ ہے، یہاں تک کہ آپ کی آخری دعا و مناجات کے الفاظ ہیں: "صَبراً عَلیٰ قَضَائِکَ یَا رَبِّ لَا اِلٰہ سِوَاکَ، یَا غِیاثَ المُستَغِیثِین، مَالِی رَبٌّ سِواکَ وَلَا مَعبُودٌ غَیرُکَ، صَبراً عَلیٰ حُکمِکَ؛[3] پالنے والے تیری قضا و قدر پر صابر ہوں! تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، اے استغاثہ کرنے والوں کی فریاد سننے والے، تیرے علاوہ میرا کوئی رب ہے اور نہ کوئی معبود، میں تیرے فیصلہ پر راضی و خوش ہوں"۔ لہٰذا مرضی الٰہی پر راضی رہنا، ہر حال میں اللہ پر توکل کرنا اور اوامر و احکام الٰہی کے آگے سراپا تسلیم ہونا کربلا کا ایسا عظیم درس ہے، جس کی رعایت حقیقی عزادار کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

۳۔ عزت نفس

بہت ساری مشکلوں کی وجہ، عزت نفس کا فقدان ہے۔ اجتماع میں وارد ہونے سے ڈرنا، ذمہ داریوں کو قبول نہ کرنا، ناکامیوں کا خوف اور ہار جانے کا اندیشہ وغیرہ کا شکار وہی لوگ ہوتے ہیں جو عزت نفس کے حامل نہیں ہوتے۔ اور جس سماج میں عزت نفس نہیں پائی جاتی کربلا رونما ہوتی ہے۔ اس کے بر خلاف جو لوگ عزت نفس کے مالک ہوتے ہیں وہ قتل ہو کر بھی زندہ جاوید بن جاتے ہیں۔

۱۔ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۳۲۹۔
۲۔ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۲۲۹۔
۳۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ، ص ۵۱۰۔

جس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو ان کے بچپنے کے زمانے میں محبت و احترام سے نواز کر عزت نفس کا مالک بنایا چنانچہ ایک دن پیغمبر اکرمؐ بیٹھے ہوئے تھے اچانک شاہزادے وارد ہوئے، پیغمبرؐ ان دونوں کے احترام میں اپنی جگہ سے اٹھے ان کے قریب گئے، باہوں کو پھیلایا، دونوں کو اپنے کاندھوں پر سوار کیا، چل دیئے اور فرمایا: "نِعْمَ المطِیّ مَطِیکُما وَ نِعْمَ الراکبانِ اَنْتُما؛[1] اے میرے بچوں تمہاری سواری کتنی اچھی ہے اور تم بھی کتنے اچھے سوار ہو"؛ اسی طرح امام حسین علیہ السلام نے بھی اپنے بچوں کی تربیت میں اس کا خیال رکھا اور ان کی شخصیت سازی میں پیغمبرانہ سیرت کا مظاہرہ فرمایا، چنانچہ عبد اللہ بن عتبہ کا بیان ہے: "ایک دن میں حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی خدمت میں تھا اتنے میں آپؑ کے بیٹے (امام سجاد علیہ السلام) وارد ہوئے امامؑ نے ان کو اپنے پاس بلایا اور اپنے سینہ سے لگایا، ان کی پیشانی کا بوسہ دیا اور فرمایا: "بِاَبِی اَنتَ مَا اَطیَبُ ریحُک وَ اَحْسَنُ خُلقِک؛[2] میرا باپ تم پر فدا ہو! کتنے خوشبودار اور خوبصورت ہو"۔

عبید اللہ بن زیاد کے بارے میں مولا امام حسین علیہ السلام کا یہ فرمان: "أَلا وَإِنَّ الدَّعیَّ ابنَ الدَّعیِّ قَد رَکَّزَ بَینَ اثنَتینِ بَینَ السِّلَّةِ وَالذِلَّةِ وَهَیهاتَ مِنّا الذِلَّةُ؛[3] نجس ابن نجس نے مجھے شہادت اور ذلت کے درمیان مخیر کر دیا ہے لیکن ذلت ہم سے کوسوں دور ہے" ؛ کربلا والوں کی عزت نفس کا ایک نمونہ اور عزاداروں کے نام کھلا پیغام ہے کہ حقیقی حسینی عزادار کبھی ذلت کا سودا نہیں کرتا، وہ جان دے سکتا ہے مگر ذلت آمیز زندگی نہیں گذار سکتا۔

۴-شریک حیات کا احترام

بلاشبہ شریک حیات کی شخصیت، گھر کی رونق اور بچوں کے رشد و کمال کا سبب ہے۔ جس گھر میں میاں۔بیوی ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں وہ اپنے بچوں کے بہترین ماں باپ بھی ہوتے ہیں۔ میل و محبت، سکون و احساس اور پوری انرجی کے ساتھ اپنے بچوں کی تربیت کرتے ہیں، اس کے بالمقابل ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑے کا شکار والدین کی شخصیت، بچوں پر برے اثرات چھوڑتی ہے؛ ایسے بچے حقیر و ذلیل پروان چڑھتے ہیں۔ ائمہ معصومین

۱۔ سید بن طاووس، اللھوف، ص ۱۰۸۔
۲۔ کفایۃ الاثر، ص ۲۳۵۔
۳۔ سید ابن طاووس، اللھوف، ص ۱۸۰۔

علیہم السلام اور بالخصوص امام حسین علیہ السلام کی سیرت طیبہ، شریک حیات کے ساتھ برتاؤ کے سلسلہ سے بہترین مشعل راہ ہے۔ چنانچہ عاشور کے دن جس وقت "ہلال بن نافع" جنگ کے لئے آمادہ تھے، اور ان کی جوان بیوی ان کے جانے سے رنجیدہ وپریشان ہو کر بہت شدت سے رورہی تھی، مولا امام حسینؑ نے **"ہلال بن نافع"** سے فرمایا: "اِنَّ اَهلكَ لَا يُطِيبُ لَها فِراقُكَ، فَلو رَايتَ اَن تَختارَ سُرورَها عَلَىَ البِراز؛[1] تمہاری زوجہ تمہاری جدائی کو پسند نہیں کرتی، تو تم آزاد ہو اور اس کی خوشی کو جنگ پر مقدم کر سکتے ہو"۔

کربلا کے میدان میں ایمرجنسی اور حساس حالات کے باوجود شریک حیات کی تکریم و احترام کے سلسلہ سے، سرکار سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کی یہ سیرت، حسینی واقعی عزاداروں کو پیغام ہے کہ ایک بہترین اور باایمان نسل کی پرورش کے لئے ضروری ہے کہ میاں۔بیوی ایک دوسرے کا احترام کریں اور اپنے بچوں کو اپنے عمل کے ذریعہ دینی تربیت کریں۔

ماں باپ کی رفتار اور ان کا اخلاق و کردار بچے کی شخصیت پر اس قدر اثر انداز ہے کہ ہمارے بعض دینی متون میں بہت لوگوں کا خوشبخت اور بدبخت ہونا ان کے حمل کے زمانہ سے مربوط جانا گیا ہے[2]۔امام حسینؑ بھی پاکیزہ اور باعفت ماؤں کی تربیت کے آثار کو بیان کرتے ہیں اور اس کے گہرے اور مضبوط اثرات کو لوگوں کی زندگی میں اس طرح سے شرح دیتے ہیں: " أَلا وَإِنَّ الدَّعيَّ ابنَ الدَّعيِّ قَد رَكَّزَ بَينَ اثنَتَينِ بَينَ السَّلَّةِ وَالذِلَّةِ وَهَيهاتَ مِنّا الذِلَّةُ يَأبِى اللّٰهُ ذلكَ لَنا وَرَسولُهُ وَالمُؤمِنونَ وَحُجورٌ طابَت وَطَهُرَت وَأنوفُ حَمِيَّةٍ وَنُفوسُ أبِيَّةٍ مِن أن تُؤثِرَ طاعَةَ اللِئامِ عَلى مَصارِعِ الكِرامِ؛[3] نجس ابن نجس (عبید اللہ بن زیاد) نے مجھے ان دوراستوں (موت اور ذلت) میں سے ایک کو انتخاب کرنے پر مجبور کیا ہے۔لیکن ہیہات! کہ ہم ذلت اور رسوائی کو قبول کریں، خداوند اور اس کا رسولؐ اور مومنین اور پاک دامن گودیاں اور غیر تمند افراد یہ پسند نہیں کرتے کہ کم ظرفوں اور پست فطرت افراد کی اطاعت کو عزت کی موت پر ترجیح دی جائے"۔

اس بیان میں امامؑ نے ذلت اور پستی کے راستے کو قبول نہ کرنے کی دلیلوں میں سے ایک، ماں کی پاک دامنی کو جانا ہے کہ جو ایسے افکار کے وجود میں آنے کا زمینہ فراہم کرتی ہے۔ عاشور کے دن دلوں کو جگانے اور سب

۱۔ گروہی از نویسندگان، موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ، ص ۴۴۷۔
۲۔ "الشَقِي مَن شَقِيَ فِي بَطنِ اُمه وَالسَّعيدُ مَنْ سَعدَ فِي بَطنِ امة"، علی بن ابراہیم قمی، تفسیر قمی، ج۱، ص ۲۷۔
۳۔ سید ابن طاووس، اللھوف، ص ۱۸۰۔

لوگوں پر اپنی حجت تمام کرنے کے لئے اپنی نسبت کو حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور حضرت خدیجہ علیہا السلام سے بیان کیا ہے: "انشدکم اللّٰہ ھل تعلمون ان امی فاطمۃ بنت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم؟ قالوا: أللھم نعم۔انشدکم اللّٰہ ھل تعلمون أن جدتی خدیجۃ بنت خویلد أول نساء ھذہ الامۃ اسلاماً؟ قالوا: أللھم نعم؛ میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ میری ماں فاطمہ زہراؑ دختر محمد مصطفیٰؐ ہیں؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں، تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا تم جانتے ہو خدیجہ بنت خویلد سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والی خاتون میری نانی ہے؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں"۔

معاویہ سے مولا کا یہ خطاب: "ہماری سعادت، حضرت فاطمہؑ و خدیجہؑ جیسی پاک دامن ماوؤں کے زیر سایہ تربیت کا نتیجہ ہے"؛ بھی اسی تناظر میں ہے۔

۵-انداز گفتگو

گفتگو، شخصیت کی پہچان کا ذریعہ بھی ہے اور مد مقابل کے تئیں، بولنے والے کے جذبات کا اظہار بھی۔ اسی لئے انداز بیان، لحن، آواز کا اتارچڑھاؤ اور کلمات کا انتخاب، مخاطب افراد پر اچھے یا برے اثرات چھوڑتا ہے۔ نرم، اچھی اور محبت آمیز گفتگو محبت کی جڑوں کے دلوں میں مضبوط ہونے کا باعث ہے، اس کے برخلاف بات چیت میں تندروی،، بدبینی اور نفرت کا سبب بنتی ہے۔ دوست اور دشمن سے بات کرنے کا انداز بھی الگ الگ ہوتا ہے۔ جب ہم اس سلسلہ میں حضرت امام حسینؑ کی سیرت طیبہ پر نظر دوڑاتے ہیں تو آپ کو اپنی بیٹی سکینہ سے یوں گفتگو فرماتے دیکھتے ہیں: "یَانُورُ عَینِی، کَیفَ لَا یَسْتَسْلِمُ لِلْمَوتِ مَن لَا نَاصِرَ لَہٗ وَ لَا مُعِیْن؛[۲] اے میری نورِ نظر! جس کا کوئی ناصر و یاور نہ رہ جائے وہ موت کے سامنے کیسے تسلیم نہ ہو"۔ اپنے بھائی حضرت عباسؑ کو دشمن کے لشکر کی حرکت کا سبب جاننے کے لئے بھیجتے وقت، ان سے اپنے قلبی لگاؤ کو ان الفاظ میں بیان فرماتے پاتے ہیں: "یَا عباسُ، اِرْکَبْ بِنَفْسِی اَنْتَ- یَا اَخِی- حَتیٰ تلقاھم فَتَقُولُ لَھم: مَالَکُم؟ وَ مَا بَدَا لَکُمْ وَ تَسْئَلُھُمْ عَمَّا جَاءَ بِھِمْ؛[۳] میرے بھائی عباس، میری جان تم پر فدا ہو، سوار ہو اور ان کے پاس جاؤ اور کہو کہ تم کو کیا ہو گیا ہے؟ کیا چاہتے ہو؟ اور لشکر کے آنے کا سبب پوچھو"۔ جس وقت حضرت قاسمؑ نے اپنی شہادت کے سلسلے سے پوچھا، امام حسینؑ نے ان سے پیار بھرے انداز میں فرمایا: "اَیْ وَاللّٰہِ- فِدَاکَ عَمُّکَ- اِنَّکَ

۱۔ طبرسی، الاحتجاج، ج۱، ص ۲۸۲۔
۲۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ، ص ۴۹۰۔
۳۔ تاریخ طبری، ج۴، ص ۳۱۵۔

لَاحَدٌ فَمَن يقتل من الرجال معی؛[1] ہاں، تمہارا چچا تم پر فدا ہو، خدا کی قسم! تم بھی مردوں کی اس فہرست میں ہو جو میرے ساتھ شہید ہوں گے"۔ لیکن جب آپ دشمن سے مخاطب ہوتے ہیں تو دربار ولید میں "مروان" کو "یا بن الزرقاء[2]"، حر کی بدتمیزی کے جواب میں "ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ[3]" اور حر کے راہ راست پر آجانے کے بعد بوقت شہادت اس کے سرہانے "بَخٍّ بَخٍّ لکَ يَا حُر، اَنتَ حُرٌّ كَمَا سُمِّيتَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ، واللهِ مَا اَخْطَاَتْ اُمُّكَ اِذ سَمَّتْكَ حُرّاً، فَانتَ وَاللهِ حُرٌّ فِي الدنيا و سَعيدٌ فِي الْاٰخِرَةِ" [4]؛ جیسے آپ کے فرمودات عزاداروں نام واضح پیغام ہیں کہ گفتگو کرتے وقت موقع و محل کی شناخت، دوست و دشمن کی پہچان اور اسی لحاظ سے انداز گفتگو کا انتخاب ضروری ہے۔

۶۔ وفاداری

یوں سرکار سید الشہداء مولا امام حسینؑ کے فرمان: "فَاِنِّي لَا اَعْلَمُ اَصْحَاباً اَوَفىٰ مِنْ اَصْحَابِي؛[5] میں اپنے سے زیادہ با وفا صحابیوں کو نہیں جانتا"؛ کی روشنی میں تمام اصحاب و جانثاران حسینی، پیکر وفا تھے۔ پھر بھی حضرت عباسؑ اپنی بے مثال جانثاری و فداکاری اور وفاداری کی وجہ سے وفا کا ایسا نمونہ ہیں جس کا جواب لانے سے دنیا قاصر ہے۔ آپ نہ صرف یہ کہ خود اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ دفاع حق اور آقا و مولا کی مدد کے لئے کربلا میں حاضر تھے بلکہ آپؑ نے اپنے تین بھائیوں کو بھی اس راہ میں تشویق و ترغیب کرتے ہوئے ان سے فرمایا: "يَا بَنِي اُمِّي تَقَدَّمُوا حَتى اَرَاكُم قَد نَصَحْتُم لِلهِ وَ لِرَسُولِه؛[6] میرے بھائیوں! آگے بڑھو، میں تمہیں خدا و رسول کی راہ میں پیش گام دیکھنا چاہتا ہوں"۔ اور جس وقت شمر آپ کے لئے امان نامہ لایا، آپ نے جواب میں فرمایا: "تَبَّتْ يَدَاكَ وَ لُعِنَ مَا جِئْتَ بِهِ مِنْ اَمَانِكَ يَا عَدُوَّ اللهِ اَتَأْمُرُنَا اَنْ نَتْرُكَ اَخَانَا وَ سَيِّدَنَا الْحُسَيْنَ بْنَ فَاطِمَةَ ع وَ نَدْخُل فِي طَاعَةِ اللُّعَنَاءِ...؛[7] اے دشمن خدا! تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں، تیرے امان نامہ پر لعنت؛ تیرا خیال ہے کہ میں اپنے بھائی اور آقا و مولا حسین فرزند حضرت فاطمہ زہراؑ

۱۔ سید ہاشم بحرانی، مدینۃ المعاجز، ج ۴، ص ۲۱۴۔
۲۔ سید ابن طاووس، اللهوف، ص ۱۹۔
۳۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ، ص ۲۰۰۔
۴۔ سید ابن طاووس، اللهوف، ص ۱۹۲۔
۵۔ سید محسن امین، اعیان الشیعہ، ج ۱۱، ص ۷۷۴۔
۶۔ سابقہ حوالہ۔
۷۔ سابقہ حوالہ۔

کو چھوڑ کر، ملعونوں کی اطاعت میں آ جاؤں؟...."۔

حضرت عباسؑ امام حسینؑ کے لشکر کے علمدار تھے؛ حضرت عباسؑ کا علم، جس وقت یزید کے دربار میں لایا گیا، اور یزید نے دیکھا کہ اس پرچم میں کوئی جگہ سالم نہیں ہے، اس نے پوچھا: اس کو کون اٹھاتا تھا؟ جواب دیا گیا: عباسؑ بن علیؑ۔ یزید نے کہا: "هكذا يَكُونُ وَفاءُ الأخِ لأخيه؛[1] بھائی کی بھائی کے لئے وفا ایسی ہی ہونی چاہیئے"۔

آپؑ کی جانثاری و فداکاری اور وفاداری کا اوج و کمال تو وہ موقع ہے جب تین دن کی پیاس کے عالم میں، خشک ہونٹوں کے ساتھ، آپ پانی کی موجوں کے درمیان ہیں مگر اپنی بے انتہا پیاس کے باوجود اپنے آقا و مولا کی پیاس کو یاد رکھتے ہوئے آپ نے پانی کو منھ نہ لگایا اور فرمایا: "وَاللهِ لاأَذُقُ الْماءَ وَسَيّدي الْحُسَيْن عَطْشاناً؛[2] خدا کی قسم! میں پانی نہیں پیوؤں گا میرا آقا و سردار حسینؑ پیاسا ہے"۔ کیا دنیا، وفادار یا اور جانثاری کا ایسا کوئی نمونہ پیش کر سکتی ہے جو ہاتھوں کے کٹ جانے کے بعد بھی یہ کوشش کرے کہ پانی کو اپنے آقا اور ان کے بچوں تک پہنچا دے!۔

سرکار وفا حضرت عباسؑ کے یہ کلمات اور سیرت و کردار، تمام عزاداران حسینی کے لئے ادب، ولایت مداری، شجاعت اور جانثاری و وفاداری کا ایسا نمونہ ہے جسے ہر عزادار کو اپنانا چاہیئے۔

۷۔ اچھائیوں کی جانب ہجرت

کربلا کی مقناطیسی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دلوں کی پاکیزگی اور ضمیروں کی بیداری کا سبب ہے۔ اس میں خوبیوں کی جانب پلٹنے اور برائیوں سے نجات پانے کے ایسے نمونے پائے جاتے ہیں جہاں لشکر مخالف کا سردار بھی، اپنے بر وقت صحیح فیصلہ کی بدولت بہترین شہیدوں میں شامل نظر آتا ہے۔ عاشور کے دن، حضرت حرؑ نے مولا امام حسینؑ کی صدائے استغاثہ: "اَمَا مُغِيثٌ يُغِيثُنا لِوَجْهِ الله؛[3] سن کر خود کو امامؑ تک پہنچایا اور کہا: میں نے ہی سب سے پہلے آپؑ کا راستہ روکا، مجھے اجازت دیجئے کہ آپؑ کی راہ میں شہید ہونے والا پہلا بنوں اور آپؑ کے جد سے مصافحہ کروں"۔ امام حسینؑ نے کرامت و بزرگواری اور عفو و درگذر کی اعلی مثال قائم کرتے

۱۔ محمد محمدی اشتہاردی، سوگنامہ آل محمدؐ، ص ۳۰۰۔
۲۔ محمد محمدی اشتہاردی، سوگنامہ آل محمدؐ، ص ۳۰۴۔
۳۔ بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۱۳۔

ہوئے اس کی توبہ قبول کرلی اور اس کی زندگی کے آخری لمحات میں سرہانے بیٹھ کر: "اَنْتَ الْحُرُّ کَمَا سَمَّتْکَ اُمُّکَ وَاَنْتَ الحُرُّ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ؛[1] جیسا کہ تمہاری ماں نے تمہارا نام رکھا ہے تم ویسے ہی دنیا و آخرت میں آزاد ہو"؛ کا فرمان سنا کر، اچھائیوں کی جانب ہجرت، کے سب سے بلند نمونہ کی نشاندہی فرمادی۔ اور ہر عزادار کے لئے واضح کردیا کہ برائیوں پر اچھائیوں کے غلبہ کی راہ ہموار کرنا ہی عزاداری کا نصب العین ہے۔

۸۔ پردے کی پابندی

تحریک عاشور کے تربیتی نمونوں میں روشن ترین جلوہ، حجاب و عفاف کی رعایت ہے، جو اس بات کی نشاندہی ہے کہ حق و ولایت کے دفاع کے لئے، حجاب و عفاف اور حدود الٰہی کی رعایت کے ساتھ عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا جائز ہی نہیں بلکہ کبھی کبھی واجب و لازم اور ضروری بھی ہے۔ دشمن کے سپاہیوں نے اہل حرم کی بے حرمتی کی، ان کی چادریں چھین لیں، مگر پھر بھی انھوں نے پردے کی رعایت کی وہ مثال پیش کی جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ بی بی "ام کلثوم" جس وقت کوفہ پہنچیں، تو تماشائیوں کو للکارتے ہوئے فرمایا: "یَاَھْلَ الْکُوفَۃِ اَمَا تَسْتَحْیُونَ مِنَ اللّٰہِ وَ رَسُولِہ اَنْ تَنْظُرُوْنَ اِلیٰ حَرِمِ النَّبِی؛[2] اے کوفہ کے لوگوں! کیا تم خدا اور اس رسول سے شرم نہیں کرتے کہ تم حرم نبیؐ کی جانب نگاہ کرتے ہو؟"۔ شام میں داخل ہوتے وقت بھی حضرت ام کلثوم نے شمر کو بلایا اور اس سے چاہا کہ ان کو اس دروازے سے وارد کرے کہ جہاں کم لوگ ہوں اور شہیدوں کے سروں کو آگے رکھے تاکہ لوگ سروں کو دیکھنے میں لگ جائیں اور پیغمبرؐ کے اہلبیتؑ کی بے پردگی نہ ہو۔ لیکن بدذات شمر نے بالکل اس کے برعکس عمل کیا اور قیدیوں کو باب ساعات سے شام میں وارد کیا[3]۔

ایسا ہی حضرت سکینہؑ سے بھی نقل ہوا ہے کہ سہل بن سعد نے جس وقت سمجھا کہ یہ لوگ پیغمبرؐ کی نسل سے ہیں، آگے بڑھا اور ان میں سے ایک سے پوچھا، تم کون ہو؟ کہا: امام حسینؑ کی بیٹی سکینہ۔ پوچھا: کیا میں کوئی کام تمہارے لئے انجام دے سکتا ہوں۔ میں سہیل، تمہارے جد رسول خداؐ کا صحابی ہوں، حضرت سکینہؑ نے فرمایا: اس سر کے نیزہ بردار سے کہو کہ ہم سے آگے چلے تاکہ لوگ اس کو دیکھنے میں مشغول ہو جائیں اور رسول خداؐ کے حرم کی طرف نہ دیکھیں، سہیل تیزی کے ساتھ گیا اور چار سو درہم اس نیزہ بردار کو دیا اور وہ سر

۱۔ سابقہ حوالہ، ص ۱۵، ۱۴۔
۲۔ عبد الرزاق المقرم، مقتل الحسین، ص ۴۰۰۔
۳۔ سید محسن الامین، اعیان الشیعۃ، ج ۳، ص ۴۸۵۔

کو مخدرات سے دور لے کر چلا گیا۔[1]

حضرت زینبؑ نے یزیدی ظلم کی دھجیاں اڑاتے ہوئے ہتک حرمت پر بھی اعتراض کیا اور پردہ کے دفاع میں بھی فرمایا: " اے فتح مکہ کے آزاد ہونے والوں کے بچے، کیا یہ عدالت ہے کہ تم اپنی بیویوں اور کنیزوں کو پردے میں رکھو، لیکن رسول خداؐ کی بیٹیوں کو قیدی بنا کر، ان کی بے حرمتی کرو، ان کے چہروں کو اجاگر کرو اور دشمنوں کے قبضہ میں ایک شہر سے دوسرے شہر اس طرح گھماؤ کہ شہروں، آبادیوں، قلعوں اور بیابانوں کے لوگ انھیں دیکھیں اور دور اور نزدیک سے ان کے چہروں کا نظارہ کریں؟.... "[2]۔

کوفہ میں ابن زیاد سے امام سجادؑ کا یہ فرمان: " مسلمان اور پاکدامن مرد کو ان خواتین کے ساتھ بھیجو، اگر تو اہل تقویٰ میں سے ہے؟ "[3]، اہل حرم کے حجاب کی پاسداری کے ضمن ہی میں تھا۔

حضرت زینبؑ اور دیگر مخدرات کربلا نے تحریک کربلا میں امام حسینؑ بن علیؑ کے شانہ بہ شانہ رہ کر عزاداروں کو یہ پیغام دیا ہے کہ پردے کی رعایت اسلامی سماج کی وہ اہم ترین ضرورت ہے جس کا خیال ہر عزادار مرد اور عزادار عورت کو رکھنا چاہیئے۔

۹۔ مواسات وایثار

برابری و مواسات، یعنی دوسروں کو جان و مال میں، اپنے جیسا ہی دیکھنا اور جاننا یا دوسروں کو اپنے اوپر مقدم رکھنا[4]؛ حسن معاشرت کے اعلی ترین صفات میں سے ہے۔ دین مبین اسلام نے بھی اس پر زور دیا ہے؛ کچھ روایتوں میں اسے اول وقت نماز کے ساتھ مومنین کی خصوصی صفت[5]، شیعوں کی ان کے غیر سے پہچان کا معیار و میزان[6] اور خدا سے تقرب کا وسیلہ بتایا گیا ہے: "تَقَرَّبُوا اِلیَ اللّٰہِ تَعالیٰ بِمُواساۃِ اَخَوانِکم "[7]۔

۱۔ باقر شریف القرشی، حیاۃ الامام الحسین بن علی، ج ۳، ص ۳۰۷۔

۲۔ سابقہ حوالہ، ص ۳۷۸ "امن العدل یابن الطلقاء تخدیرک وحرائرک وامائک وسوقک بنات رسول اللہ سبایا قد ھتکت ستورھن وابدیت وجوھھن تحدو بھن الاعداء من بلد الی بلد ویستشرفھن اھل المناھل والمعاقل ویتصفح وجوھھن القریب والبعید... "

۳۔ تاریخ طبری، ج ۴، ص ۳۵۰۔

۴۔ علی اکبر دھخدا، لغت نامہ دھخدا، ج ۱۳، ص ۲۰۷۹۳۔

۵۔ محدث قمی، سفینۃ البحار، ج ۱، ص ۲۳۔

۶۔ بحار الانوار، ج ۷۱، ص ۳۹۱۔

۷۔ سابقہ حوالہ۔

کربلا والے اس خدا پسند خصلت کے بہترین نمونہ تھے، بلکہ وہ لوگ مواسات و برابری کی حدوں سے گزر کر ایثار کے اعلی ترین مقام کو پہنچ چکے تھے، امامؑ کے ساتھی امامؑ کی بہ نسبت اور خود ایک دوسرے کے لئے ایسی ہی حالت رکھتے تھے اور کسی بھی قربانی سے گریز نہیں کرتے تھے۔ کربلا کے راستے میں حر سے روبرو ہونے اور اس کے ساتھ لمبی گفتگو کرنے کے بعد جس شعر کو مولا نے زبان اقدس پر جاری کیا اس کے معنی یہ ہیں: "میں اپنے راستے پر جاؤں گا؛ موت اس جوانمرد کے لئے ذلت و پستی نہیں ہے جس نے خیر کی نیت کی ہو، جہاد کیا اور نیک و صالح افراد کے ساتھ مواسات رکھتا ہو"[۸]۔ شب عاشور اپنے باوفا ساتھیوں سے فرمایا: "مَنْ وَاسَانَا بِنَفْسِهِ كَانَ مَعَنَا غَداً فِي الْجِنَانِ نَجِيّاً مِنْ غَضَبِ الرَّحْمَانِ؛[۹] جو کوئی بھی اپنی جان کے ساتھ ہمارے لئے مواسات رکھتا ہوگا، کل قیامت کے دن جنت میں ہمارے ساتھ ہوگا اور خدا کی ناراضگی سے نجات پائے گا"۔

کربلا میں مواسات و ایثار کا خوبصورت ترین جلوہ اس وقت دکھائی دیا جب اصحاب حسینی اور بنی ہاشم ایک دوسرے سے پہلے جان دینے اور مرنے کی کوشش کرتے نظر آئے؛ حضرت عباسؑ بنی ہاشم سے فرماتے ہیں: "...اصحاب ہمارے مہمان ہیں، کل صبح پہلے ہمیں میدان میں جانا ہے اور ان سے پہلے موت کا استقبال کرنا ہے..."؛ بنی ہاشم اٹھے، تلواروں کو کھینچ لیا اور کہنے لگے: " ہم سب آپؑ کے ساتھ ہم عقیدہ ہیں"؛ دوسری جانب تمام اصحاب، جناب حبیبؑ کے ارد گرد جمع تھے، حبیبؑ کہہ رہے تھے: "... صبح میدانِ جنگ میں پہلے ہم جائیں گے، ایسا نہ ہو کہ بنی ہاشم میں سے کوئی خون میں غلطاں ہو جائے، جبکہ ہمارے جسموں میں جان اور رگوں میں خون رہے، اور لوگ کہیں کہ اپنے سرداروں کو جنگ کے لئے بھیج دیا اور خود فداکاری و جانثاری سے بچ گئے"؛ سب نے تلواریں نکال لیں اور کہنے لگے: " ہم سب آپ کے ہم عقیدہ ہیں"[۱۰]۔

کربلا والوں کے ایثار و مواسات کی گواہی مولاامام حسینؑ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے دو غفاری جوانوں کے لئے صادر فرمایا تھا وہ آپ کی خدمت میں آئے اور میدان میں جانے کی اجازت مانگی، امامؑ نے ان دونوں سے فرمایا: خداوند تم کو بہترین اجر و جزا دے گا کہ اس طرح میری مدد اور مواسات کے لئے حاضر ہو"[۱۱]۔

۸۔ سابقہ حوالہ، ج۴۵، ص۲۳۸۔
۹۔ موسوعۃ کلمات الحسینؑ، ص۳۹۹۔
۱۰۔ موسوعۃ کلمات الحسینؑ، ص۴۰۹۔
۱۱۔ بحار الانوار، ج۴۵، ص۲۹۔

حضرت عباسؑ کے زیارت نامہ میں "فَلَنِعْمَ الْاَخِ الْمُواسِی" [۱]، "السَلامُ عَلیکَ اَیہَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَالصِّدیقُ الْمُواسی۔۔۔" [۲]؛ جیسے الفاظ آپ کی جانثاری کا واضح وآشکار اور روشن و منور ثبوت بھی ہیں اور حسینی عزاداروں کے نام کھلا پیغام بھی کہ حقیقی عزادار اور عاشق مولا وہی ہے جو خود کو کردار حسینی میں ڈھالنے کی کوشش کرے اور افراد بشر کے تئیں مواسات و ایثار کے جذبہ سے سرشار ہو۔اس لئے کہ اپنے اوپر دوسروں کو مقدم رکھنا اور جانثاری، جہاں ایک طرف ایک دوسرے کے مشکلات میں مددگار رہنے کا سبب ہے، وہیں راہ خدا میں جہاد کرنے والوں کی دلگرمی کا باعث ہے کہ وہ دشمنوں کے مقابلہ میں تنہا نہیں ہیں۔

۱۰۔ رازداری

ابن زیاد کے کارندوں نے امامؑ کے نامہ بر سفیر "قیس بن مسہر" کو "قادسیہ" کے مقام پر گرفتار کرلیا۔ قیس نے راز محفوظ رکھنے کی غرض سے خط نگل لیا اور بہت دباو کے باوجود بھی نہ اس کے مضمون کی اطلاع دی اور نہ ان لوگوں کے نام ظاہر کئے جن کے نام وہ خط تھا۔ نتیجتاً ان کو دارالامارہ سے نیچے گرادیا گیا اور ان کی شہادت ہوگئی [۳]۔اور اس طرح "قیس بن مسہر" نے راز داری کی وہ مثال قائم کی جو واقعہ عاشور کے تربیتی بہترین نمونوں میں ایک اعلی ترین نمونہ ہے۔

ان نمونوں کے علاوہ بھی ایسے بہت سے تربیتی نمونے ہیں جنھیں کربلا سے اخذ کیا جاسکتا ہے ، جیسے نیکیوں کی تشویق [۴]، اول وقت نماز [۵] کی ادائیگی، ادب کی رعایت [۶]، ترک و فارس کے شہید اور قومیت زدایی [۷]، وغیرہ جن پر تفصیلی تحقیق کی ضرورت ہے اور اس مقالہ میں اس سے زیادہ لکھنے کی گنجائش نہیں۔

رب کریم سے دعا ہے کہ ہمیں کربلا والوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق کرامت فرمائے۔آمین یارب العالمین

۱۔ شیخ عباس قمی، مفاتیح الجنان، ص۴۳۶ زیارت نامہ حضرت عباسؑ۔
۲۔ سابقہ حوالہ، زیارت امام حسینؑ در روز عید قربان، ص۴۴۸۔
۳۔ بحار الانوار، ج۴۴، ص۳۷۰۔
۴۔ مقتل الحسینؑ، مقرم، ص۲۰۸۔
۵۔ بحار الانوار، ج۴۵، ص۲۱۔
۶۔ سابقہ حوالہ، ص۲۲۔
۷۔ سابقہ حوالہ، ص۳۰۔

پیغامات کربلا

مولانا سید محمد حسنین باقری، لکھنؤ

مقدمہ

شہید اعظم حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کی عظیم الشان قربانی تمام عالم بشریت کے لیے پیغامات رکھتی ہے۔ ضرورت ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس قربانی پر غور کیا جائے اور اس سے سبق حاصل کیے جائیں، بالخصوص جب انسانیت پامال ہو رہی ہو، انسانی اقدار کو پائمال کیا جارہا ہو، دنیا میں فتنے سر اٹھا رہے ہوں، اس وقت مزید ضرورت ہے کہ کربلا کو سامنے رکھ کر اس سے پیغامات حاصل کیے جائیں۔ اور کربلا تو ہر انسان کی ضرورت کا نام ہے بس شرط ہے کہ انسان کی انسانیت بیدار ہو جائے۔ جوشؔ ملیح آبادی نے کیا خوب کہا ہے:

کیا صرف مُسلمانوں کے پیارے ہیں حُسینؑ

چرخِ نوعِ بَشَر کے تارے ہیں حُسینؑ

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو

ہر قوم پکارے گی، ہمارے ہیں حُسینؑ

رہبر انقلاب آیۃاللہ خامنہ ای نے فرمایا: عزاداری سیدالشہداؑ خدا سے تقرب حاصل کرنے کا سب سے افضل طریقہ ہے۔ اس لیے ہر عزادار حسینی کی ذمہ داری ہے کہ اس عمل سے اپنے کو حقیقی عزادار بنائے اور اس میں جو پیغامات پوشیدہ ہیں انھیں سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔

حالانکہ علامہ نجم آفندیؒ مرحوم کے بقول :

مفہومِ عزا جاننے والے کم ہیں

احسان کو گردانے والے کم ہیں

شبیرؑ ترے چاہنے والے ہیں بہت

لیکن ترے پہچاننے والے کم ہیں

اس لیے اگر مفہوم عزاء کو سمجھ جائیں اور امام حسین علیہ السلام کی معرفت ہو جائے تو اس دنیا کا نقشہ ہی بدل جائے اور حسینی عزادار واقعی معنی میں حسینی بن کر دنیا سے یزیدیت اور یزیدی مشن کو خاک میں ملادیں گے اور دنیا کو امن و امان کا گہوارہ بنا کر انسانی اقدار کو پامال ہونے سے بچالیں گے۔

امام حسین علیہ السلام کی قربانی اور کربلا کی تحریک میں پیغامات تو بہت زیادہ ہیں لیکن ذیل میں صرف ان میں سے بعض کو پیش کیا جارہا ہے:

(۱) معرفت خدا

خدا کی طرف سے بھیجے جانے والے تمام انبیاء و اولیاء منجملہ نبی و آل نبی علیہم السلام کا اصل مشن پرچم توحید کو بلند کرنا، دنیا کو اس کے خالق سے آشنا کرانا، عبد و معبود کے رشتے کو پہچنوانا اور انسانوں کو اس سے کمتر کی بندگی سے نجات دلا کر صرف خالق یکتا و خدائے بزرگ و برتر کی بندگی میں لانا تھا۔ صادق آل محمدؐ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: " إِنَّ أَفْضَلَ الْفَرَائِضِ وَ أَوْجَبَهَا عَلَى الْإِنْسَانِ مَعْرِفَةُ الرَّبِّ وَ الْإِقْرَارُ لَهُ بِالْعُبُودِيَّةِ، " (إثبات الهداۃ بالنصوص والمعجزات، جلد ۲، صفحہ ۱۸۲) "انسان پر سب سے ضروری اور سب سے اہم و برتر ذمہ داری، اپنے رب کا پہچاننا اور اس کی بندگی کا اقرار کرنا ہے"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: " مَاذَا وَجَدَ مَنْ فَقَدَكَ وَ مَا الَّذِي فَقَدَكَ مَا وَجَدَ، " (مفاتیح الجنان، شیخ عباس قمیؒ، دعائے عرفہ) خدایا! جس نے تجھے کھو دیا اس نے کیا پایا اور جس نے تجھے پالیا اس نے کیا کھویا۔ اور اسی مشن کو کربلا میں عملی شکل میں پیش کیا۔ اپنے خطبات، خطوط اور اپنی دعاؤں میں توحید کا تذکرہ و عبد و معبود کا بیان، قدم قدم پر ذکر خدا، مختلف مواقع پر خدا کی جانب توجہ دلانا، میدان جنگ میں اقامۂ نماز، آخری لمحات میں سجدۂ خالق میں سر رکھنا اس بات کا پیغام تھا کہ یہ قربانی خدا کی راہ میں اس کے مشن کی حفاظت اور توحید کی لاج رکھنے کے لیے ہے۔ اتنی بڑی قربانی پیش کرکے دنیا کو بتا دیا کہ آؤ میرے ذریعہ اس

جہان کے خالق اور اپنے حقیقی معبود کو پہچانو کہ وہ کتنی عظمتوں کا حامل ہے۔ میری قربانی کے ذریعہ توحید کی اہمیت کا اندازہ کرو، میرے اقدام کے ذریعہ خدائی احکام اور الٰہی شریعت کے مرتبے کو سمجھو، خدا و دین خدا کو حسین ابن علیؑ کی نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کرو۔ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ، علیؑ کا نور نظر اور فاطمہؑ کا لخت جگر ہوں مگر اگر کربلا میں جام شہادت پی رہا ہوں تو میرے سامنے جو مقصد ہے وہ اتنا زیادہ اہمیت و عظمت کا حامل ہے کہ اس کے لیے میں ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار ہوں حتی میں تو دشمن کی تین دن کی پیاس اور ششماہہ علی اصغرؑ کی قربانی بھی دے رہا ہوں تا کہ اگر میری شہادت کے بعد کربلا کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھو، حسینؑ کا نام سنو، حسین ابن علیؑ کا تذکرہ کرو تو تمہاری نگاہوں میں حسینؑ کا مقصد اور مشن بھی ہو۔ تم اپنے خالق و معبود کو پہچان رہے ہو، تم ذکر حسینؑ و یاد حسینؑ کے ذریعہ خدا والے بن رہے ہو۔ عزائے حسینؑ تم کو خدا سے نزدیک کرنے کا ذریعہ ہو۔

قربانی کربلا کو نگاہوں میں رکھ کر خالق و معبود کو پہچان کر اس سے اتنا قریب ہو جاؤ کہ دنیا کی سختیاں، مشکلات، دشواریاں، پریشانیاں، آفتیں، مصیبتیں تم کو کسی بھی قدم پر مایوس نہ ہونے دیں۔ تم عزائے حسینؑ کے ذریعہ یہ جذبہ بھی حاصل کرو کہ چاہے پوری دنیا میں ظلم و ناانصافی سر اٹھا رہی ہو، کمزوروں کو دبایا جا رہا ہو، انسانیت کراہ رہی ہو، انسان کو کوئی راہ چارہ دکھائی نہ دے رہا ہو ایسے میں تم اپنے خالق سے لو لگاؤ، خدا پر بھروسہ کرو، ہو سکتا ہے تمہیں امتحانات، دشواریوں و سختیوں سے گزرنا پڑے لیکن تمہاری کامیابی یقینی ہو گی۔ حسین ابن علی جب سخت سے سخت امتحان سے گزر گئے تو کربلا والے ہو کر سختیاں و دشواریاں تو تمہارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ جب امام حسینؑ اپنے بچوں و عورتوں کے ساتھ اُن مصائب و مشکلات کو شکست دے گئے تو تم بھی نام حسینؑ کے ذریعہ ہر سختی، ہر امتحان، ہر مصیبت سے گزر جاؤ اور شہید کربلا سے سبق لیکر کسی بھی موقع پر کسی بھی مرحلے میں اپنے پروردگار سے مایوس نہ ہو۔ ہر وقت اپنے معبود کو اپنی نگاہوں میں رکھو۔

(۲) ہر حال میں خدا پر بھروسہ اور عدم مایوسی

قرآن کا اعلان ہے: ”لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللّٰهِ،“ (سورہ زمر، آیت ۳۹)، اللہ کی رحمت سے ہر گز مایوس نہ ہو۔ اور خدا سے مایوسی کو کفار کی پہچان قرار دیا ہے: ”وَلَا تَيْأَسُوا مِن رَّوْحِ اللّٰهِ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللّٰهِ إِلَّا

الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ، " (سورہ یوسف، آیت ۸۷)، اور رحمت خدا سے مایوس نہ ہونا کہ اس کی رحمت سے کافر قوم کے علاوہ کوئی مایوس نہیں ہوتا ہے۔

یہ ممکن ہی نہیں کہ خدا کو پہچان کر ماننے والا زندگی کے کسی موڑ پر مایوس ہو جائے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی بے نظیر قربانی اس بات کی گواہ ہے کہ خدا کا ماننے والا کبھی بھی مایوسی کا شکار نہیں ہوتا وہ ہر حال میں خدا پر بھروسہ رکھتا ہے لہٰذا بڑے سے بڑا امتحان دینا اس کے لیے ممکن ہو جاتا ہے، جب انسان کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ: " وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ، " (سورہ طلاق، آیت ۳)، اور جو خدا پر بھروسہ کرے گا خدا اس کے لئے کافی ہے۔ جب خدا اس کے لیے کافی ہے تو کیا پھر بھی مایوسی ممکن ہو سکتی ہے؟ ہر گز نہیں۔ اور اس چیز کو امام حسین علیہ السلام نے اپنے بہتر ساتھیوں کے ساتھ کربلا میں ثابت کر دیا۔

(۳) علم و بصیرت

انسانیت کی پہچان علم و شعور ہے اس نعمت سے محروم انسان بظاہر تو انسان ہوتا ہے لیکن انسانی کمالات اس کے اندر نہیں آیا کرتے وہ خود اپنے فائدے و نقصان کو بھی پہچاننے کی صلاحیت نہیں رکھتا جو بھی چاہتا ہے اسے اپنے مقصد کے لئے استعمال کر لیتا ہے۔ علم و شعور تو اسلام کے آفاقی پیغام کی بنیاد ہے اسلام نے حق کی طرف دعوت دینے میں مجبور نہیں کیا بلکہ عقل و فکر و شعور کو بیدار کرنا چاہا ہے۔ جب تک انسان کے اندر عقل و فکر اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہ ہو وہ اسلام کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے اسلام زور دیتا ہے کہ علم حاصل کرو جہالت کی تاریکیوں سے باہر نکلو اور علم کی روشنی میں عقل کو بروئے کار لا کر حقائق کو درک کرو۔ جہالت صرف فرد کی موت نہیں ہے بلکہ سماج و معاشرہ کی موت کا سبب بن جاتی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ کربلا کے اس پیغام کو سامنے رکھا جائے کہ عقل و فکر اور شعور و بصیرت نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ فرزند رسولؐ کے قتل کے درپے ہوئے اور جہالت و بے بصیرتی کے نتیجے میں یزید جیسے فاسق و فاجر اور دشمن خدا و رسولؐ کے ہاتھوں استعمال ہو گئے۔ لشکر یزید کی جہالت و لاعلمی اور عدم شعور و بے بصیرتی ہی کا نتیجہ تھا کہ بظاہر تو آل نبیؐ کا گھر اجڑ گیا، فرزند نبیؐ کو قتل کر دیا لیکن ان کے ہاتھ نہ دنیا آئی اور نہ آخرت " خَسِرَ الدُّنيا وَالآخِرَة " کا مکمل نمونہ بن کر سامنے آئے۔

کربلا آج بھی تمام انسانوں کو پیغام دیتی ہے کہ جب حسین ابن علی علیہاالسلام نے اپنی عظیم قربانی زیارت اربعین کے اس جملہ "بَذَلَ مُهْجَتَهُ فِيكَ لِيسْتَنْقِذَ عِبَادَكَ مِنَ الْجَهَالَةِ وَ حَيرَةِ الضَّلالَةِ" (التہذیب، شیخ طوسیؒ، ج۶، ص۱۱۳؛ بحار، ج۳۱، ص۹۸۳)؛ [خدایا! حسین ابن علیؑ نے تیری راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا تاکہ تیرے بندوں کو جہالت اور گمراہی سے نجات دیں] کی روشنی میں بندگان خدا سے جہالت و گمراہی کو دور کرنے کے لیے دی۔ اور کربلا میں غازی عباسؑ جیسی ایک ذات کو رہتی دنیا تک بطور آئیڈیل و نمونہ پیش کیا جنھوں نے اپنے علم و شعور و بصیرت کی وجہ سے اپنے کو اس درجہ تک پہنچایا کہ آج کربلا ہی نہیں بلکہ تاریخ عصمت میں چہاردہ معصومین علیہم السلام کے بعد سرفہرست نظر آتے ہیں۔ جن کے لیے امام معصوم حضرت جعفر صادق علیہ السلام نے گواہی دی: "كانَ عَمُّنَا العَبَّاسُ بنُ عَلِيٍ نَافِذَ البَصِيرَةِ ، صُلبَ الإِيمَانِ ،جَاهَدَ مَعَ أَبِي عَبدِاللهِ وَ أَبلَى بلاءً حَسَناً وَ مَضَى شَهِيداً." (عمدۃالطالب، ص۳۵۶؛ تنقیح المقال، ج۲، ص۱۲۸) [میرے چچا عباس ابن علیؑ با بصیرت، دور اندیش، مضبوط ایمان کے حامل تھے، امام حسینؑ کی رکاب میں جہاد کیا، بہترین آزمایش کے مرحلے سے گزرے اور شہادت کے درجے پر فائز ہوئے]۔ تو تم بھی اپنے کو علم کی دولت سے مالامال کرو اپنی عقل و فکر کو بروئے کار لاؤ اپنے شعور و بصیرت کو پختہ کرو تاکہ اولاً تم خود اپنے کو پہچان سکو اور حق و باطل میں تمیز دے سکو، ساتھ ہی ساتھ دوسرے کو موقع نہ دو کہ تم کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کرسکے۔ کم از کم تمہارے اندر اتنی صلاحیت ہو کہ تم پہچان سکو سامنے والا تم کو کدھر لے جانا چاہتا ہے تم سے کیا حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تمہارے ذریعہ اپنے کس مفاد کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ دنیاوی مفاد کے لئے تم کو دوزخ کا ایندھن بنا رہا ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ انسانیت کا گلا گھوٹنے کے لئے تمہارا سہارا لے رہا ہے۔ کمزوروں کو دبانے، لوگوں پر ظلم کرنے کے لئے تم کو سپر بنایا ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ دشمن تم کو مقدسات کے بہانے اسلام کے خلاف لا کھڑا کرنا چاہتا ہے۔ دین کے نام پر تم کو محافظ دین سے برسرپیکار کر رہا ہے۔!!

لہٰذا آؤ کربلا سے یہ پیغام لو کہ اپنے اور سماج کے درمیان سے جہالت ولاعلمی کی لعنت کو ختم کرو علم کی شمع روشن کرو، علمی میدانوں میں آگے بڑھو، علم کو اپنی پہچان بنالو اور علم وآگہی کی روشنی میں اپنی عقل و فکر اور شعور کو پختہ کرو تاکہ تم بھی محفوظ رہو اور تمہارا سماج بھی محفوظ رہے، آنے والے زمانے میں تمہاری اولاد عظمت و سربلندی کے ساتھ جی سکیں اور باطل طاقتیں اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہوسکیں۔

(۴) عزت و سربلندی

انسانی کمالات میں سے ایک کمال عزت نفس ہے، عزت و سربلندی انسانیت کی پہچان ہے کربلا میں سید الشہداؑ کا ایک اہم پیغام تھا" هَيْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّة " ہم ہرگز ہرگز ذلت کو گوارا نہیں کرسکتے۔ فرمایا: " موتٌ فی عزٍّ خیرٌ مِن حیاةٍ فی ذُلّ " (بحار، ج ۴۴، ص ۱۹۲) [ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے] ۔ اور شہید کربلاؑ نے تو یہاں تک فرمادیا کہ اس راہ میں اگر موت بھی آجائے تو وہ سعادت و خوشبختی ہے اور ذلت و رسوائی کے سائے میں ظالمین کے ساتھ زندگی گزارنا نا قابل قبول ہے: " «اِنِّي لَا اَرىٰ الْمَوتَ اِلّا سَعَادَةً وَ الحياةَ مَعَ الظَّالمينَ الّا بَرَماً» " (بحار، ج ۴۴، ص ۱۹۲)۔

کیا پاس تھا قولِ حق کا، اللہ اللہ
تنہا تھے، پر اعدا سے یہ فرماتے تھے شاہ
میں اور اطاعتِ یزید گمراہ
لا حولَ و لا قُوّةَ الّا باللّٰه

(مولانا الطاف حسین حالیؔ)

لہٰذا اگر تم انسان ہو، اپنے کو اشرف المخلوقات کہتے ہو تو اپنی عزت نفس کا پاس و لحاظ کرو۔ اپنی عزت کا سودا نہ کرو۔ خدا نے تم کو عزیز بنایا ہے لہٰذا ہر قدم پر اس عزت کی حفاظت کرو۔ چاہے گلا کٹ جائے، بچے قربان ہو جائیں، بھرا گھر اجڑ جائے، خواتین اسیر و قیدی بنالی جائیں لیکن عزت نفس اور عزت انسانی پر آنچ نہ آنے دو۔ کسی ظالم کے آگے گھٹنے ٹیکنا ذلت کو گوارا کرنا ہے، فاسق و فاجر کی منشاء و خوشنودی کا خیال کرنا عزت نفس کا سودا کرنا ہے، باطل سے مرعوب ہو جانا اپنے کو نہ پہچاننا ہے، شرک و الحاد سے راضی رہنا ذلت کو گوارا کرنا ہے، دنیاوی مفاد کے لئے باطل کی خوشنودی حاصل کرنا اپنے کو ذلیل کرنا ہے، ظلم و ناانصافی، فسق و فجور، قتل و غارت گری، فتنہ و فساد، بے دینی و بے حیائی کو دیکھ کر خاموشی اختیار کرنا عزت انسانی کا سودا کرنا ہے۔ چند روزہ زندگی کے لئے باطل آقاؤں کی جی حضوری کرنا عزت نفس کو پامال کرنا ہے، خدا کو چھوڑ کر باطل سے کسی

طرح کی امید وابستہ کرنا ذلت کے آگے سر جھکانا ہے، جھوٹی شہرت کے لئے دینی اصولوں کو پامال کر دینا عزت کا گلا گھونٹنا ہے، کسی مخلوق کے آگے ہاتھ پھیلانا عزت نفس کو پامال کرنا ہے۔

عزت نفس اور سربلندی کے ساتھ زندگی گزارنے کا مطلب ہے کہ صرف خدا کی طاقت پر بھروسہ کرو، کسی باطل طاقت سے نہ ڈرو، کسی ظالم و جابر سے مرعوب نہ ہو، اپنی قلّت پر کسی طرح کا خوف نہ ہو، عزت نفس اور سربلندی کے لئے ہو سکتا ہے سختیوں سے گزرنا پڑے، قربانی دینا پڑے ہر طرح کی قربانی کے لئے تیار رہو۔ اور اگر جان و مال سے گزرنا پڑے تو اپنی عزت و سربلندی کے لئے اپنی جان و مال سے گزر جاؤ، کربلا کا نمونہ سامنے ہے حسینؑ گلا کٹا کر آج بھی عزیز ہیں اور یزید ظلم کر کے بھی ذلیل و رسوا ہے۔ کربلا کا یہ درس انتہائی اہم ہے کہ کسی بھی قدم پر کسی بھی مرحلے میں اپنی عزت نفس کو فراموش نہ کرو، هَيهَاتَ مِنَّا الذِّلَّة کو عملی جامہ پہناؤ، باطل کے آگے کسی بھی حالت میں سر نہ جھکاؤ، سربلندی کے ساتھ اپنی عزت و شرافت انسانی و ایمانی کی حفاظت کرو۔

(۵) حریت وآزادی

انسان کو اللہ نے آزاد پیدا کیا ہے حتیٰ کہ اسے مخلوق کی حاکمیت سے بھی آزاد رکھتے ہوئے نظام حکومت و حاکمیت اپنے ہاتھ میں رکھا ہے کہ حاکم بنانا اس کا کام ہے تاکہ انسانی عزت و وقار باقی رہے اور انسان کسی اپنے جیسے کا محکوم نہ بنے۔ اسی لیے اگر اس نے نبی و رسول اپنی جانب سے معین کیے تو آخری رسول کے بعد جانشین رسول و خلیفۂ رسول کو بھی اپنی ہی جانب سے معین کیا جس کا سلسلہ قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔

امام حسینؑ کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ عزت انسانی کا تقاضہ حریت وآزادی ہے۔ یہ انسان کی انسانیت کے خلاف ہے کہ وہ غلامی والی زندگی گزارے اور باطل کا غلام رہے۔ یہ عظمت انسانی سے سازگاری نہیں رکھتا کہ انسان اپنے خالق حقیقی کے علاوہ کسی اور کی عبادت و پرستش کرے۔ شرافت انسانی کا تقاضا ہے کہ وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑا نہ جائے۔ چاہے وہ جسمانی غلامی ہو یا فکری غلامی۔ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: لاَ تَكُنْ عَبْدَ غَيْرِكَ وَقَدْ جَعَلَكَ اللهُ حُرّا (نہج البلاغہ)، کسی غیر کے غلام نہ بنو اللہ نے تو تم کو آزاد پیدا کیا ہے۔

لہٰذا امام حسینؑ نے قیام کرکے تمام آزاد پسند انسانوں کو پیغام دیا کہ اپنی انسانی عزت و شرافت کا خیال کرتے ہوئے اپنے کو غلامی سے آزاد رکھو۔ حریت وآزادی تو تمہارا سرمایہ ہے کسی باطل کی غلامی سے بہتر ہے جام شہادت نوش کرلینا: مَوْتٌ فی عِزٍّ خیرٌ مِنْ حَیاۃٍ فی ذلّ۔ (بلاغۃ الحسین، ص ۱۴۱)، ''ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے''۔ لَیْسَ المَوْتُ فی سبیلِ العِزِّ الاّ حیاۃٌ خالِدَۃً وَ لَیْسَتِ الْحَیاۃُ مَعَ الذُّلِّ الاّ الْمَوت الَّذِیْ لَاحَیاۃَ مَعَہُ. (احقاق الحق، ج ۱۱، ص ۶۰)، عزت کے لیے موت کو گلے لگانا تو حیات جاوید حاصل کرنا ہے اور ذلت کے ساتھ زندگی ایسی موت ہے جس کے ساتھ حیات کا تصور نہیں''۔ اگر اسی حریت و آزادی کے لئے سخت سے سخت امتحان سے بھی گزرنا پڑے تو گزر جاؤ تاکہ اپنی شناخت باقی رکھ سکو۔ اس لیے کہ: مَا اَھوَنَ الْمَوتُ عَلَی سَبِیلِ نَیلِ العِزِّ وَ اِحْیَاءِ الحقِّ. (امام حسینؑ۔ احقاق الحق، ج ۱۱، ص ۶۰) بقائے عزت اور احیائے حق کی راہ میں موت تو انتہائی آسان ہے۔

اگر کربلا کے حریت وآزادی کے پیغام کے اثرات کا مشاہدہ کرنا ہے تو دور حاضر میں ہمارے سامنے دو واضح اور بہت ہی روشن نمونے موجود ہیں ایک طرف ایران کا اسلامی انقلاب جہاں بقول بانی انقلاب '' ماہرچہ داریم از محرم و صفر است'' آج ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ عزاداری اور پیغام کربلا کا نتیجہ ہے اسی پیغام کربلا کو سامنے رکھ کر ڈھائی ہزار سالہ شہنشاہیت کے چنگل سے نجات حاصل کرنے کے لئے اسلامی انقلاب ایران کی شکل میں حریت وآزادی کا تحفہ پیش کیا ہے تو دوسری طرف وطن عزیز ہندوستان کی آزادی ہے جہاں بقول مہاتما گاندھی: ہم نے کربلا کو سامنے رکھ کر ہندوستان کو آزاد کرایا ہے۔ یعنی ہندوستان نے بھی اگر انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کی ہے تو یہ بھی کربلا سے درس لینے کا نتیجہ ہے۔ کربلا آج بھی ہر انسان کو آواز دے رہی ہے کہ کسی کے غلام نہ رہو۔ غلامی تمہاری انسانی شرافت کے خلاف ہے حتیٰ کہ تم کو کسی باطل کی فکری غلامی سے بھی اپنے کو نجات دلانا ہے، کلچر و ثقافت، راہ و روش، طور طریقہ بھی ایسا ہی اپناؤ جو خدائی اور خدا والوں کا ہو اگر اس کو چھوڑ کر کوئی اور کلچر اور طریقہ اختیار کرو تو یہ بھی غلامی ہے لہٰذا اس سے بچو۔

اور اگر آزادی والی زندگی چاہتے ہو، اگر عزت و شرافت والی زندگی چاہتے ہو، اگر غلامی والی زندگی سے بچنا چاہتے ہو تو کربلا کو سامنے رکھو۔ جہاں بہتر نے ہزاروں کے مقابلے گلے تو کٹا دیئے لیکن اپنے کو غلامی سے آزاد رکھا۔ اور دنیا میں پیغام حریت دیکر زندۂ جاوید بن گئے۔

(۶) اتحاد و یکجہتی

"انسان" کا ایک مطلب "انس رکھنے والا" بھی ہو سکتا ہے۔ اپنے جیسوں سے لگاؤ، آپس میں ایک دوسرے سے مانوس ہونا، ایک دوسرے کی فکر کرنا جس کا لازمہ ہے آپسی اختلافات سے دوری۔ انسانیت کا مطلب یہی ہوگا کہ آپس میں اتحاد و یکجہتی رکھنے والا۔ قرآن کریم " وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا " (سورہ آل عمران، آیت ۱۰۳) "اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ پیدا کرو"، کہہ کر اتحاد کا پیغام دے رہا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے " اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ " (فتح الباری، شرح بخاری، کتاب المظالم، باب لایظلم المسلم المسلم، ح۲۳۱۰) کہہ کر تمام مسلمانوں کو آپس میں متحد رہنے اور اختلافات سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔

دنیا کے تمام مذاہب اختلاف و جھگڑے کو اچھا نہیں سمجھتے۔ کربلا میں حسین ابن علی علیہما السلام نے بھی امت کو اتحاد و یکجہتی کا پیغام دیا۔ یہ امت میں اتحاد و یکجہتی کا نہ ہونا ہی تھا کہ یزید جیسا فاسق و فاجر نواسۂ رسول ﷺ کے قتل کا درپے ہوگیا اور دوسری طرف ۷۲ افراد اتحاد و یکجہتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہزاروں کے مقابلے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرکے اسلام و انسانیت کی حفاظت کو یقینی بنا گئے اور یزید کو اس کے مشن میں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ کربلا میں یہ حسین ابن علی علیہما السلام کا ایک کارنامہ ہی تو تھا کہ ۱۰ محرم الحرام ۶۱ ہجری سے پہلے تک مختلف نظریات، مختلف افکار، مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد کو کربلا میں لاکر ایک بنا دیا، اب کربلا میں دیکھنے میں تو بہتر تھے لیکن سب کا مشن ایک، سب کا مقصد ایک، سب کا نظریہ ایک، بلکہ سب ایک تھے۔

عزاداریٔ امام حسین علیہ السلام کا بہت عظیم پیغام اتحاد و یکجہتی ہے، اور کربلا کی قربانی کی یاد منانے کا مقصد بھی امام حسین علیہ السلام کی اس سیرت اتحاد کو نگاہوں میں رکھنا اور اس پر عمل پیرا ہونا ہے۔ گویا عزاداری، مجالس، جلوس، فرش عزا، امام باڑے، انجمنیں؛ غرض امام حسینؑ سے متعلق تمام چیزیں آپسی اتحاد کا ذریعہ ہیں۔ اس سے ہٹ کر کہیں اور اختلاف و دوریاں ہو سکتی ہیں لیکن نام حسینؑ، فرش عزا پر، انجمن و جلوس عزاء میں ہرگز اختلاف و دوری نہیں ہو سکتی۔ عزاداری اس لیے بھی کرنا ہے کہ امام حسینؑ کے تمام ماننے والوں کے درمیان اتحاد و ہمدلی قائم رہے، فرش عزاء پر اس لیے بھی بیٹھنا ہے کہ یہاں بیٹھ کر نام حسینؑ پر دلوں سے کدورتیں و نفرتیں، کینہ و بغض کو نکال سکیں۔

حسین بن علیؑ کا پیغام یہ بھی تو ہوگا کہ میں نے کربلا میں علوی و غیر علوی، عیسائی و عثمانی، صغیر و کبیر، آقا و غلام؛ سب کو ایک مرکز پر جمع کرکے سب کو ایک بنا کر دنیا کے سامنے عملی سیرت پیش کر دی۔ یہاں دیکھنے میں تو ۷۲ ہیں لیکن سب ایک ہیں۔ یہاں کسی طرح کا اختلاف نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کسی نام پر تمام لوگ اکٹھا ہو سکتے ہیں تو وہ نام حسینؑ ہے اور اگر کسی جگہ پر آکر سارے اختلافات ختم کئے جا سکتے ہیں تو وہ کربلا ہے۔ اتحاد ہر دور کی ضرورت ہے۔ دشمن سب سے زیادہ اختلاف سے فائدہ اٹھاتا ہے، انسانیت کے دشمنوں کو ناکام کرنے کے لیے تمام انسانوں کے درمیان اتحاد ضروری ہے، اسلام دشمن طاقتوں کو مایوس کرنے کے لیے مسلمانوں میں اتحاد لازم ہے اور دشمنان اہل بیتؑ و دشمنان ولایت کو انکے مقاصد میں ناکام کرنے کے لیے مومنین کے درمیان اتحاد و اتفاق ضروری ہے۔ ہم نام حسینؑ پر، فرش عزاء پر، جلوس عزاء و انجمنوں میں متحد ہو کر، اپنے تمام اختلافات ختم کرکے ثابت کریں کہ ہم واقعی حسینی اور حقیقی عزادار ہیں اور ہم دشمنان عزاء و دشمنان اہل بیتؑ کو ان کے مقاصد میں کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ ہم آپس میں تمام اختلافات کو مٹا کر، اپنے دلوں سے کینہ و نفرت نکال کر، ہر حسینی و ہر علوی کو اپنا سمجھ کر دشمن عزاء کو بھی مایوس کریں گے، دشمن ولایت کو بھی اس کے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

(۷) ظلم و ناانصافی کے خلاف آواز بلند کرنا

فطرت انسانی والے دین اسلام کا پیغام ہے نہ ظلم کرو نہ ظلم سہو، دین اسلام کی اساس و بنیاد، عدل و انصاف پر ہے اس دین میں ظلم کا تصور ہی نہیں ہے قیام حسینؑ کا کربلا میں مقصد نیز منتقم خون حسینؑ امام مہدی (عج) کے قیام کا مقصد ظلم و ستم کا خاتمہ اور عدل و انصاف و امن و امان کا قیام ہے۔ خود امام حسینؑ نے اپنے بھائی محمد حنفیہؓ کے نام خط میں اپنے قیام کے مقصد کو بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''إِنِّي لَمْ أَخرُجْ أَشِراً و لا بَطِراً و لا مُفْسِداً و لا ظالِماً، إِنَّما خَرجْتُ لِطَلَبِ الإِصلاَحِ فِي أُمَّةِ جَدّی۔'' میں ہرگز شر و برائی یا ظلم و ستم اور فتنہ و فساد کے لیے نہیں نکلا ہوں بلکہ میں تو اپنے نانا کی امت کی اصلاح کے لیے قربانی دینے جا رہا ہوں''۔ امام مہدی (عج) کے لیے پیغمبر اکرم ﷺ و دیگر ائمہ معصومین علیہم السلام سے متعدد و متفق علیہ حدیثوں میں یہ جملہ ملتا ہے: '' فَيَمْلَأُ الْأَرْضَ قِسطاً وَ عَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ جَوْراً وَ ظُلْماً ''۔ (سنن ابی داؤد، ج ۴، ص ۱۰۷؛ کنز العمال، ج ۱۴،

ص ۲۶۴؛ کمال الدین و تمام النعمۃ، ج ا، ص ۲۸۰)۔ ''وہ اسی طرح زمین کو عدل و انصاف سے پُر کریں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہو گی۔''

یعنی اسلام چاہتا ہی ہے کہ امن و امان اور عدل و انصاف قائم رہے ظلم و ستم کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔ حسین ابن علی علیہما السلام نے اپنے قیام کے ذریعہ پیغام دیا کہ اگر ظلم آشکار ہو رہا ہو، ظالم، انسانیت کا خون چوس رہا ہو، لوگوں کے حقوق پامال ہو رہے ہوں، کمزوروں کو دبایا جارہا ہو، انسانیت پامال ہو رہی ہو، وہ لوگ سامنے ہوں جو انسانیت کی خو بو بھی نہ رکھتے ہوں، کسی بھی انسان کی جان و مال، عزت و آبرو محفوظ نہ ہو تو ایسی صورت میں ہر حق پسند انسان کا فریضہ ہے کہ ظلم کے خلاف اقدام کرے، ایسے مواقع پر خاموش رہ جانا اور کوئی بھی اقدام نہ کرنا ظالم کے ظلم میں شرکت کے مترادف ہے۔ لہٰذا حسین ابن علی علیہ السلام نے قیام کربلا کے ذریعہ یہ پیغام بھی دیا کہ ظلم کے خاتمے کے لئے جو کر سکتے ہو کرو، ظلم پر خاموشی و سکوت اختیار کرکے ظالم کو سہارا نہ دو اس لئے کہ اگر ایک طرف ظلم کرنا برا ہے تو دوسری طرف ظلم ہوتے دیکھ کر کوئی اقدام نہ کرنا بھی برا ہے۔ امام حسینؑ نے فرمایا: اَیُّهَا النّاسُ اِنَّ رَسولَ الله صَلَّی اللهُ عَلَیهِ وَ آلِهِ قالَ مَن رَأَی سُلطاناً جائِراً مُستَحِلّاً لِحُرُماتِ الله ناکِثاً لِعَهدِ الله ... یَعمَلُ فی عِبادِ الله بِالجَورِ وَ العُدوانِ فَلَم یُغَیِّر عَلَیهِ بِقَولٍ وَ لا فِعلٍ کانَ حَقّاً عَلَی الله اَن یُدخِلَهُ مَدخَلَه۔ (وقعۃ الطف، ص ۱۷۲)

''اے لوگو! رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جو بھی کسی ظالم حاکم کو دیکھے جو محرمات الٰہی کو پامال کر رہا ہو، عہد خدا کو توڑ رہا ہو۔۔۔ لوگوں کے ساتھ ظلم و جور سے پیش آرہا ہو۔ اگر کوئی یہ سب دیکھ کر خاموش رہے اور اس کے خلاف قول و فعل سے مخالفت نہ کرے تو خدا پر حق ہے کہ اسے آتش دوزخ کے حوالے کرے۔''

چونکہ یزید ظالم تھا اپنے آباؤ اجداد کی روش پر چلتے ہوئے بلکہ ظلم و ناانصافی کے راستے میں ان سے قدم آگے بڑھاتے ہوئے کمزوروں کو دبانا چاہتا تھا حق کو مٹانے کے درپے تھا، ظلم کی بنیادوں کو مضبوط کرکے انسانیت کو شرمسار کر رہا تھا، انسانوں کو علی الاعلان انسانی حقوق سے محروم کرنا چاہ رہا تھا۔ حتیٰ محترم رشتوں کے تقدس کو بھی تار تار کر رہا تھا ایسے میں امام حسینؑ نے اس کے خلاف قیام کرکے اسلامی مزاج کو پہچنوا دیا: ''وَعَلَی الْإِسْلَامِ السَّلَامُ إِذْ قَدْ بُلِيتِ الْأُمَّةُ بِرَاعٍ مِثْلِ يزِيدَ (لہوف، ص ۲۴؛ مقتل مقرم، ص ۱۳۳)؛ اگر یزید

جیسے ظالم و جابر اور فاسق و فاجر حاکم اسلامی کے عنوان سے سامنے آئیں تو ایسے اسلام ہی کا فاتحہ پڑھ دینا چاہیے۔ یعنی نبیؐ کے لائے ہوئے دین اسلام میں یزید جیسوں کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔

لہٰذا تمہاری انسانیت کا تقاضہ ہے کہ نہ ظلم کرو نہ ظالم کو ظلم کرنے دو۔ جس حد تک ظلم کے خلاف آواز بلند کر سکتے ہو آواز بلند کرو۔ ظلم و ناانصافی کے خلاف آواز اٹھا کر اپنی حد تک کوششیں کرکے اپنے انسان ہونے کا ثبوت دو۔ دنیا کو امن وامان کا گہوارہ بنانے کے لیے ہر ممکنہ کوشش کرو۔

بعض دیگر پیغامات:

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا کہ حسینی پیغامات بہت زیادہ ہیں جنمیں سے صرف بعض کو بیان کیا گیا۔ ورنہ کربلا اور قربانی امام حسینؑ کے بارے میں جو جتنا غور کرے اتنا ہی اس کے سامنے پیغامات حاصل ہوتے جائیں گے۔ اس لیے کہ :

شہید ظلم کلیجے ہلا دیئے تو نے

حسینؑ درد کے دریا بہا دیئے تو نے

ہر ایک ذرّۂ بے حس میں اِک تڑپ بھر دی

دماغ وضع کیے دل بنا دیئے تو نے

(علامہ نجم آفندی)

طوالت سے بچنے کے لیے ذیل میں صرف چند دیگر کربلائی پیغامات کو فہرست وار بیان کیا جارہا ہے:

(۸) ہر حال میں اپنے مشن کی حفاظت کرنا

(۹) یزید جیسے ظالم، انسان دشمن اور نااہل سے دنیا کو نجات دلانا

(۱۰) سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں کے خاتمے کے لیے ہر ممکنہ کوشش کرنا

(۱۱) اپنے مشن کے لیے دشمن کی کثرت کے مقابلے اپنی قلّت کی پرواہ نہ کرنا

(۱۲) مرضی امام اصل ہے۔اس لیے کہ امام کی مرضی خدا کی مرضی ہوتی ہے

(۱۳) رشتوں کا تقدس واحترام

(۱۴) عظمت دین کا اعلان اور حفاظت دین کے لیے ہر ممکنہ اقدام

(۱۵) عفت و پاکدامنی کا خیال

خدا سے دعا ہے ہم سب کو کربلائی پیغامات کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے اور منتقم خون حسینؑ وآخری جانشین رسولؐ کو ظاہر فرما کر دنیا کو اسی طرح عدل وانصاف سے بھر دے جس طرح یہ ظلم و ناانصافی سے بھرتی جارہی ہے۔اور ہمارا شمار اس امام کے ساتھیوں اور ناصروں میں فرمائے۔

کربلا صرف ایک عدیم النظیر واقعہ ہی نہیں ------ تحریک مسلسل ہے

الحاج مولانا سید محمد جابر جورا سی

ماہنامہ اصلاح، لکھنؤ

جس طرح خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ تاریخ عالم وآدم میں اُن سے زیادہ کسی شخصیت نے اپنے تعلیمات و تحریکات کے ذریعہ دنیا کو متاثر نہیں کیا۔ اُسی طرح نواسۂ رسولؐ حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی عدیم النظیر قربانی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس سے زیادہ کسی قربانی نے نوعِ انسانی کو متاثر نہیں کیا۔ در اصل اس قربانی ہی نے حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے ذریعہ اسلام کی تحریک احیائے نو کو بقائے دوام عطا کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں اِس قربانی کی اہمیت و عظمت تسلیم کی جاتی رہی ہے۔

حدیث نبویؐ ہے: اِنَّ الْحُسَینَ مِصْبَاحُ الْھُدیٰ وَ سَفِیْنَۃُ النَّجَاۃِ (۱)

یقیناً حسینؑ چراغِ ہدایت اور کشتیٔ نجات ہیں۔

ہر انسانی زندگی دو اہم پہلوؤں سے متعلق ہوتی ہے: (۱) دنیا، (۲) آخرت۔ دنیا میں انسان محتاج ہدایت ہوتا ہے اور آخرت میں متمنی نجات۔ ہمارے محترم نبیؐ نے ان دونوں پہلوؤں کی جان اپنے محبوب نواسے امام حسین علیہ السلام کو قرار دیا ہے وہ دنیا میں چراغِ ہدایت کی حیثیت سے لوگوں کی رہنمائی فرمانے والی شخصیت ہیں اور انہیں کی ذاتِ گرامی حیاتِ اُخروی کے لئے ضامنِ نجات ہے۔

اس ساری صورتِ حال کا پس منظر آپؑ کی وہ عدیم النظیر قربانی ہے جو یومِ عاشورۂ محرم ۶۱ھ کربلائے معلیٰ عراق میں پیش آئی۔ اس قربانی کے موثر ہونے کی جانب بھی مخبر صادق حضرتِ خاتم الانبیاء ﷺ نے اس حدیثِ مبارکہ کے ذریعہ اشارہ فرمادیا تھا:

اِنَّ لِقَتْلِ الْحُسَیْنِ علیہ السّلام حَرارَۃً فِی قُلُوبِ الْمُؤمنینَ لاتَبْرُدُ اَبَداً۔ (۲)

یقیناً قتلِ حسینؑ سے مومنوں کے دلوں میں ایسی آگ بھڑک اٹھے گی جو کبھی سرد نہ ہوگی۔

اس واقعہ کے اندر وہ جذب و کشش پائی جاتی ہے جو ارشادِ نبویؐ کے مطابق یقیناً مومنین کے دلوں میں حرارت پیدا کرنے والی ہے۔ لیکن جو مومنین کے دائرے میں نہیں ہیں انسانیت کے حوالے سے ان پر بھی اس واقعہ نے زبردست اثر ڈالا ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو تاریخی حوالوں سے یہ ثابت ہے فقط ذوی العقول ہی نہیں غیر ذوی العقول پر بھی اس واقعہ کے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ مثلاً واقعۂ شہادت کے بعد سورج اور چاند کو گہن لگنا ، سیاہ آندھیاں چلنا، فرات کا پانی نیزوں اچھلنا، پتھروں کے نیچے سے تازہ خون ابلنا وغیرہ وغیرہ (۳)

تاریخ انسانی سے متعلق ماضیٔ قریب کے جو دو واقعات رونما ہوئے ہیں ان میں مومنین کے ذریعہ جو عظیم واقعہ رونما ہوا ہے وہ ہے ۱۹۷۹ء کا انقلابِ اسلامی ایران جس کی قیادت ماضیٔ قریب کی عبقری شخصیت حضرت آیت اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ فرمارہے تھے اور علماء و مومنینِ با تمکین کی ایک بڑی جماعت اس انقلاب برپا کرنے میں ان کے شانہ بشانہ تھی۔ اس انقلابی کامیابی کے سلسلے میں قائد انقلاب اسلامی امام خمینیؒ نے دوٹوک الفاظ میں فرمایا تھا :

ماہ محرم و صفر، ماہ برکات اسلامی است و ماہ زندہ ماندن اسلام است. (۴) ما ہر چہ داریم، از این محرم است و از این مجالس. مجالس تبلیغ ما ہم از محرم است، از این شہادت سید الشہدا (ع) است. (۵) محرم و صفر است کہ اسلام را نگہ داشتہ است، فداکاری سید الشہدا (ع) است کہ اسلام را برای ما زندہ نگہ داشتہ است. ماہ محرم و صفر را باید بہ ذکر مصائب اہل بیت (علیہم السلام) زندہ نگہ داریم کہ با ذکر مصائب اہل بیت (علیہم السلام)، این مذہب تا حالا زندہ ماندہ است. (۶)

محرم اور صفر کے مہینے اسلامی برکتوں اور اسلام کی بقاء کے مہینے ہیں۔ جو بھی ہمارے پاس ہے وہ اسی محرم اور انہیں مجالس کے ذریعہ ہے۔ ہماری تبلیغی مجالس بھی اسی محرم اسی شہادت سید الشہداءؑ کے سبب سے ہیں۔۔ ہمیں اہل بیت (ع) کے مصائب کا ذکر کرتے ہوئے ماہ محرم و صفر کو زندہ رکھنا چاہیے دراصل اہل بیت (ع) کے مصائب کے ذکر سے ہی یہ دین اب تک زندہ و سلامت ہے۔

دراصل کربلا نمونۂ عمل اس لئے قرار پائی کہ وہاں ایک زبردست استبدادی طاقت یعنی یزیدیت حاوی ہونا چاہتی تھی اور اس کا مقابلہ دو ہی طریقوں سے ہو سکتا تھا یا تو اس کے مدِّ مقابل اس سے بھی قوی تر طاقت ہوتی یا پھر صبر و مظلومیت و عدم تشدد کے ذریعہ مذکورہ باطل حکومت کے چولیں ہلادی جاتیں، نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسینؑ نے اسی موخر الذکر کو اپنایا اور یزیدیت کو خاک میں ملا کر رکھ دیا۔

شاعر انقلاب شبیر حسن خاں جوشؔ ملیح آبادی مرحوم نے کیا خوب نظم فرمایا تھا کہ :

عالم میں ہو چکا ہے مسلسل یہ تجربہ قوت ہی زندگی کی رہی ہے گرہ کشا

سر ضعف کا ہمیشہ رہا ہے جھکا ہوا ناطاقتی کی موت ہے طاقت کا سامنا

طاقت سی شی مگر خجل و بد نصیب تھی

ناطاقتی حسینؑ کی کتنی عجیب تھی

شاعر نے جسے ناطاقتی سے تعبیر کیا ہے حقیقتاً وہی ناقابل زوال طاقت تھی اس لئے کہ امام حسینؑ نے ظلم کا مقابلہ جوہرِ صبر سے فرمایا اور واضح اعلانِ قدرت ہے إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۔ (۷) ''اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''

جس کے ساتھ الٰہی طاقت ہو اسے کمزور نہیں کہا جاسکتا۔

انہیں شاعر انقلاب نے امام حسینؑ کو مخاطب بناتے ہوئے ضعف کا ذکر تو کیا ہے لیکن نتیجہ یہی نکالا ہے کہ یہ ضعف نہیں بلکہ ناقابل تسخیر طاقت ہے انہوں نے نظم کی ہے :

کر دیا ثابت یہ تُو نے اے دلاور آدمی زندگی کیا موت سے لیتا ہے ٹکّر آدمی

کاٹ سکتا ہے رگِ گردن سے خنجر آدمی لشکروں کو روند سکتے ہیں بہتّر آدمی

ضعف ڈھا سکتا ہے قصرِ افسر و اورنگ کو

آبگینے توڑ سکتے ہیں حصارِ سنگ کو

باطل طاقتوں کو یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ عزم و ہمت کے ناقابل تسخیر پہاڑوں کے ذریعہ ان کی استبدادی طاقتوں کو چُور چُور کیا جاسکتا ہے۔ یہ کام جس طرح کربلا میں ہوا اس طرح نہ اس سے پہلے کبھی ہوا اور نہ اس کے بعد البتہ اسی روش پر چلتے ہوئے تاسّیٔ حسینؑ میں انقلاب ضرور برپا کئے گئے جیسا کہ مذکورہ انقلابِ اسلامیٔ ایران ہے۔ اُدھر ظلم کی طاقت یہ حکم دے رہی تھی کہ آج کی رات کوئی گھر سے باہر نہ نکلے ورنہ اُسے گولیوں سے بھون دیا جائے گا اور اِدھر ایک فقیہ اہل بیتؑ نے یہ اعلان کر دیا کہ آج کی رات کوئی گھر کے اندر نہ رہے آج

کی رات گھر کے اندر رہنا حرام ہے۔ ظالم حکمراں کا حکم پادَر ہَوا ہو گیا اور فقیہ اہل بیتؑ کے عزم نے کامیابی حاصل کر لی۔

اس انقلاب اسلامیٔ ایران کے قدم قدم پر ایسی ہی صورت حال پیش آتی رہی اور ڈھائی ہزار سالہ شہنشاہیت کا قلعہ مسمار ہوتا رہا۔ اس انقلاب کی ایک خصوصیت اور بھی تھی کہ تھا تو یہ انقلاب اسلامی لیکن اس نے دنیا کے تمام مستضعفین دبے کچلے عوام کی پشت پناہی کی۔ اسی لئے نام نہاد بڑی طاقتیں پسینہ پسینہ ہو گئیں کہ اگر یہ انقلاب دنیا میں پھیلتا رہا تو پھر ہمارے اقتدار کا کیا ہوگا۔ اسی لئے انہوں نے اس انقلاب کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی مگر ان کے ہاتھ ناکامیابی ہی لگی۔ اور بحمد اللہ آج بھی یہ انقلاب جہادِ کربلا کے زیر سایہ سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

ظالموں کے ہاتھوں دبے کچلے عوام اگر عزم جواں کے ساتھ انگڑائیاں لیتے ہیں تو ظالموں کے پسینے چھوٹ جاتے ہیں۔

راقم السطور کی ایک غزل کا مطلع ہے:

ظلم کے پاؤں سے جو لوگ کچل جاتے ہیں

وہ جب اٹھتے ہیں تو حالات بدل جاتے ہیں

واقعۂ کربلا نے جہاں جہاں بھی اپنے اثرات پہنچائے ہیں وہاں وہاں بھی یہی صورت حال ہے۔ ایران میں شہنشاہیت کا جو حشر ہوا وہ سب نے دیکھ لیا اسی طرح اس سے قبل تاج برطانیہ اور اس کی شاہی کو بھی واقعۂ کربلا کی تاسّی میں جن لوگوں نے چیلنج کیا کامیاب رہے ان میں مسلم و غیر مسلم دونوں شامل تھے مثالاً ہندوستان کی جنگِ آزادی کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ جس کے رہنما مردِ آہن آنجہانی کرم چند رمہاتما گاندھی تھے۔ ایک موقعہ پر ان کے ایک خطاب کا مفہوم یہ تھا:

"میں نے کربلا کی المناک داستان اس وقت پڑھی جب میں نوجوان ہی تھا۔ اس نے مجھے دم بخود اور مسحور کر دیا۔ (۸)

انہوں نے انتہائی اعتماد کے ساتھ فرمایا تھا کہ:

" میں اہل ہند کے سامنے کوئی نئی چیز پیش نہیں کرتا بلکہ میں نے کربلا کے ہیرو(سورما) کی زندگی کا بخوبی مطالعہ کیا ہے اور اس سے مجھ کو یقین ہوگیا ہے کہ ہندوستان کی اگر نجات ہوسکتی ہے تو ہم کو حسینی اصول پر عمل کرنا چاہئے"۔ (۹)

ایک موقع پر انہوں نے اور کہا تھا کہ :

" امام حسینؑ نے اپنی اولاد نیز اپنے پورے خاندان کے لئے پیاس اور موت کی تکالیف کو قبول کرلیا مگر ارباب حکومت کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ میرا عقیدہ ہے کہ اسلام کی ترقی اس کے ماننے والوں کی تلواروں کی بدولت نہیں ہوئی بلکہ اس کے فقراء کی قربانیوں کی وجہ سے ہوئی ہے"۔ (۱۰)

مہاتما گاندھی ہی کی قیادت میں تاج برطانیہ کے خلاف مشہور ڈانڈی مارچ ہوا تھا جسے نمک آندولن بھی کہتے ہیں جس کی تاریخی تشریح یہ ہے :

"ڈانڈی مارچ یا نمک مارچ، تحریک آزادی ہند کا اہم واقعہ ہے۔ یہ ۱۲ مارچ ۱۹۳۰ء کو ہوا۔ ۱۲ مارچ ۱۹۳۰ کو گاندھی نے اپنے ۸۰ ستیہ گری [۱] کے ہمراہ ساحلی شہر ڈانڈی گجرات کی طرف پیدل مارچ کیا۔ یہ مارچ ۳۹۰ کلو میٹر (۲۴۰ میل) تھا۔ نمک مارچ کو وائٹ فلوئنگ ریور(White Flowing River) بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ اس مارچ میں شریک سب افراد نے سفید کھدر (جو کفن پوشی کی علامت تھی (مضمون نگار) پہنی ہوئی تھی۔" (۱۱)

انگریزوں کے مقابلے میں ہندوستان کی جنگ آزادی میں بھی یہی عزم و حوصلہ شامل تھا کہ ہم باطل طاقت کا مقابلہ سر پر کفن باندھ کر کریں گے۔

بسمل عظیم آبادی کی ایک غزل کا مطلع ہے :

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے

دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

---

[۱]۔ (نیٹ پر جو اعداد و شمار موجود ہیں ان میں کہیں تعداد ۷۸ اور کہیں ۸۰ ہے نیٹ کے بہت سے معلومات معتبر نہیں ہوتے میں نے کبھی کسی تحریر میں یہ پڑھا تھا کہ کربلا والوں کی تعداد کے مطابق یہ تعداد بہتر تھی۔ فی الوقت حوالہ تلاش کرنے سے میں معذور ہوں لہٰذا جن صاحب کے علم میں یہ بات ہو تو مع حوالہ کے مطلع فرمائیں (مضمون نگار)

اور جب جنگِ آزادی کے سورما رام پرساد بسمل کو سولی دی گئی اور ان کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالا گیا تو یہی منقولہ شعر ان کی زبان پر تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا سے استفادہ کرنے والے ہر انقلاب میں زبردست قوتِ مزاحمت پائی جاتی ہے۔

اسلامی جمہوریہ ایران کے صوبہ اصفہان میں پندرہویں پیر غلامان حسینؑ کانفرنس ۱۲ تا ۱۵ ستمبر ۲۰۱۷ء کو ہوئی جس میں دنیا بھر کے وہ حضرات مدعو تھے جنہوں نے حسینیت کی خدمت میں اپنی عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ صرف کیا۔ ان مدعوین میں دو ہندوستانی مندوبین بھی شامل تھے جن میں سے ایک میں تھا۔ میں نے ایک موقع پر اپنا تعارف فخر کے ساتھ پیش کیا تھا اور کہا تھا کہ میں ہندوستانی ہوں۔ میں نے صداو سیما (ایرانی ٹیلی ویژن) کے سربراہ سے ایک ملاقات میں فخریہ اظہار خیال کیا تھا کہ میں ہندوستانی ہوں۔ اختتامی اجلاس کے ناظم نے میری بات کا ذکر کرتے ہوئے جو اظہار خیال کیا تھا اس پر اپنی سرگزشت سفر میں میں نے اس طرح تحریر کیا تھا:

" ناظم اجلاس نے یہ کہہ کر میری گفتگو کا ذکر کیا کہ آج ایک مہمان نے فرمایا کہ " میں ہندوستانی" ہوں پھر ہندوستان اور وہاں عشق امام حسین علیہ السلام کے متوالوں کا خصوصی ذکر کیا۔ مہاتما گاندھی نے امام حسین علیہ السلام کے اصولوں کو اپنا کر ہندوستان کو انگریزوں کے قبضہ سے آزاد کرایا اس کا بہت احترام سے ذکر کیا۔ گزشتہ سال مداح اہلبیتؑ جناب رضا سرسوی کے آل رسولؐ سے والہانہ عقیدت کے واقعات کی منظر کشی کچھ اس طرح کی کہ مجمع بآواز بلند رونے لگا۔ بعد میں ایک صاحب نے یہ تبصرہ کیا کہ آج کا یہ خصوصی اجلاس تو ہندوستان کے نام رہا۔" (۱۲)

دراصل ہندوستان کو مظلومیت نوازی کی وجہ سے یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ یہاں ملک کے چپے چپے پر شہیدان کربلا کی یاد منانے کی رِیت رہی ہے اس کا ایک سبب اس واقعہ کی روحانیت بھی ہے چنانچہ تعزیہ داری کے حوالے سے مسلموں اور غیر مسلموں کی بہت سی منّتیں پوری ہوتی رہی ہیں۔

ہندوستان میں پہلے علاحدہ علاحدہ ریاستیں قائم تھیں جن میں مسلم ریاستیں بھی تھیں اور ہندو ریاستیں بھی تھیں چنانچہ بعض ہندو ریاستوں میں بھی امام حسینؑ کی یاد میں تعزیہ داری شان و شوکت سے قائم رہی ہے۔ اُتّر پردیش کا ایک قدیمی مذہبی شہر ہے بنارس (وارانسی) اس بنارس کے ہندو راجہ امام حسینؑ سے شدید عقیدت رکھتے تھے اور ان کی ریاست میں تعزیہ داری نہایت اہتمام سے ہوتی تھی۔ فی الوقت ان کی اولاد میں یہ سلسلہ جاری ہے یا نہیں اس کا علم نہیں۔ مدھیہ پردیش کی ایک مشہور ریاست رہی ہے گوالیار۔ گوالیار کی

تعزیہ داری بہت مشہور رہی ہے اور مہاراجہ گوالیار کے واقعات میں موجود ہے کہ بعض خطرناک مواقع پر امام حسینؑ سے استغاثہ کی وجہ سے ان کی جان بچی۔ اسی خانوادہ کی موجود ایک فرد مادھو راؤ سندھیا ہیں جو ہَوا پیمائی کے مرکزی وزیر بھی رہے ہیں۔ ریاستِ گوالیار میں مہاراجہ گوالیار کا یہ خانوادہ آج بھی محرم الحرام میں تعزیہ دار و مصروف عزاء ہوتا ہے۔ اسی مدھیہ پردیش میں مالوا کا علاقہ بھی ہے جس کا ایک خوبصورت شہر ہے اندور، میں نے اس شہر میں چند سال ماہ صیام میں نماز بھی پڑھائی ہے اور محلّہ کاغذی پورہ کے مرکزی عزا خانے میں عشرۂ محرم کی مجلسوں کو بھی خطاب کیا ہے۔ اسی شہر کا ایک محلّہ چھاؤنی ہے جہاں کے مشہور کرکٹر مشتاق علی مرحوم تھے۔ اس محلّہ میں بھی میں نے محرم کا عشرہ پڑھا۔ اس شہر میں راجہ اندور کی تعزیہ داری بہت مشہور ہے میں نے راجہ اندور کی تعمیر کردہ اس عمارت کی بھی زیارت کی ہے جس میں شبِ عاشورا ان کے خانوادے کی جانب سے آج بھی تعزیہ رکھا جاتا ہے اور سرکاری تعزیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ عشرۂ محرم کو یہ تعزیہ اندور کی کربلا میں لے جایا جاتا ہے اور ۱۲ محرم تک وہاں وہ رکھا رہتا ہے ہر مذہب و قوم کے افراد تین دن تک زیارتیں کرتے رہتے ہیں اور منتیں مانگتے ہیں۔

میں راقم السطور اُتّر پردیش کے تاریخی قصبے زید پور ضلع بارہ بنکی میں بڑی سرکار کے عزاخانہ میں ۲۵ سال سے عشرۂ محرم الحرام کے مجالس پڑھتا رہا ہوں یہاں بشمولیت اس عزاخانے کے متعدد بڑے عزاخانے ہیں جن میں حجاز و عراق و ایران کے مقدس مقامات سے حاصل کئے گئے تبرکات بھی موجود ہیں جنہیں مَس کرنے کا حق سب مومنین کو حاصل ہوتا رہتا ہے خود میرا ایک تجربہ ہے کہ ایک سال میرا اگلا گرفتہ ہو گیا یہاں تک کہ ۹ ویں محرم کی شب آگئی اور ۹ محرم کو بہت بڑی تاریخی مجلس ہوتی ہے جس میں ہر مذہب و قوم کے افراد کثیر تعداد میں شریک ہوتے ہیں میرے میزبان ڈاکٹر مصطفیٰ علی رضوی پریشان تھے کہ جب آواز گرفتہ ہے تو اتنی بڑی مجلس یہ کیسے پڑھیں گے وہ دوائیں دیتے رہے فائدہ نہیں ہوا۔ میں نے نویں شب کی مجلس سے پہلے مذکورہ تبرکات کو اپنے گلے سے مس کیا اور پھر جب میں نے رات کی مجلس پڑھی تو آواز بالکل صاف ہو چکی تھی۔ اور ۹ محرم کی مخصوص مجلس میں بھی کوئی دقت نہیں پیش آئی۔ پھر بھی باوجود ان تبرکات کے برادران اہل سنت کی جانب سے محلّہ بڑا پورہ سے ایک تعزیہ برآمد ہوتا ہے جہاں کثیر تعداد میں مقامی و بیرونی افراد شبِ عاشورا آکر منّتیں مانتے ہیں پھر منّتیں اتارتے ہیں اور عاشورا محرم کے دن کے جلوس میں یہی تعزیہ سب سے آگے رہتا ہے۔ اس کے عقب میں وہ عزادار رہتے ہیں جنہیں " حسینی پیک " کہتے ہیں یہ ۲۴۔۲۴ گھنٹے بیٹھتے ہی نہیں بلکہ مصائبِ امام حسینؑ کی یاد میں چلتے رہتے ہیں یا کھڑے رہتے ہیں اس مذکورہ تعزیہ پر اتنی منّتیں پوری ہوتی ہیں کہ مجموعاً تمام عزاخانوں میں اتنی منتیں نہیں پوری ہوتیں۔ اللہ نے اپنی راہ میں شہید ہونے والے فرزندِ رسول ﷺ

حضرت امام حسینؑ کی یاد کو جو تاثیر بخشی ہے اس کا یہ زندہ نمونہ ہے چنانچہ مسلمانوں ہی کے ایک طبقہ کی جانب سے اس تعزیہ کی شدید مخالفت کے باوجود اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

اس مظلومیت کے واقعہ میں وہ جذب واثر ہے کہ مومن و مسلم ہی نہیں غیر مسلم بھی اس سے بہت متاثر ہوئے ہیں جس کی اپنی ایک سنہری تاریخ ہے سکھ، عیسائی، یہودی، پارسی سب نے اس واقعۂ شہادت پر رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے۔ اس سلسلے میں دنیا کے کم و بیش تمام ممالک کا نام لیا جاسکتا ہے۔ البتہ ان ممالک میں ہندوستان کو غیر معمولی امتیاز حاصل ہے۔ مشہور ہے کہ نصرت امام حسینؑ کے لئے ہندوستانی برہمنوں کا ایک وفد عراق روانہ ہوا تھا لیکن ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی یہ واقعۂ ہائلہ پیش آچکا تھا۔ عراق میں جہاں ان کا قیام رہا تھا وہ علاقہ دیرِ ہند کے نام سے مشہور ہے۔ یہ برہمن حسینی برہمن کہلائے اور نسل در نسل وہ اپنے حسینی برہمن ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ متعدد برہمن خاندان حسینی برہمن ہیں انہیں میں سنیل دت تھے اور ان کے بیٹے سنجے دت ہیں۔ کشمیری برہمنوں میں بھی حسینی برہمنوں کا وجود رہا ہے اس نسبت سے مسلمانوں کو کشمیری پنڈتوں کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ خود میرے گاؤں جوراس کے ایک مزرعہ حمید پور (ٹلیا) کے ایک برہمن پنڈت شیوچرن ترپاٹھی امام حسینؑ کے عاشق و عزادار تھے انہیں والد ماجد مولانا سید محمد باقر جوراسی طاب ثراہ سے خصوصی عقیدت تھی ملاقات کے لئے آیا کرتے تھے۔ پنڈت جی کا انتقال ۱۳ جنوری ۲۰۲۱ء کو ۹۳ سال کی عمر میں ہوگیا۔ انہیں ادارۂ اصلاح لکھنؤ کی طرف سے چودہ سو سالہ یادگار شہادتِ امیر المومنینؑ کے ضمن میں "امیر المومنینؑ ایوارڈ" سے نوازا گیا تھا۔ ان کے سلسلے میں راقم السطور نے ایک تفصیلی مضمون بھی لکھا تھا جس کے چند اقتباسات نقل ہیں:

میں ایک مرتبہ بیدر ضلع کرناٹک میں عشرۂ محرم پڑھ رہا تھا لوگوں نے شب عاشورہ ایک ہندو نوجوان کو مجھ سے ملوایا (نام یاد نہیں رہا) اور بتایا کہ یہ نوجوان ہر سال ۳۰۰ کلو میٹر کا سفر طے کرکے شب عاشورہ اس عزا خانہ میں حاضر ہو کر نذرانۂ عقیدت پیش کرتا ہے۔ اس نے بتایا میرے باپ کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوتی تھی۔ انہوں نے اس عزا خانہ میں امام حسینؑ کے حوالہ سے اللہ سے منت مانی تھی۔ منت و دعا پوری ہوئی میری پیدائش ہوئی باپ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے میں یہاں ہر سال حاضری دیتا ہوں۔ یہ واقعہ میں نے وطن جوراس کی ایک مجلس میں بیان کردیا۔ پن-ڈت جی (شیوچرن ترپاٹھی) اس میں موجود تھے۔ تقریباً سال بیت گیا ایک دن انہوں نے انکشاف کیا کہ چونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر پوتے کو دیکھ لے تو انسان سورگ (جنت) کا حقدار ہو جاتا ہے۔ اور میرا کوئی پوتا نہیں تھا۔ آپ نے جب ۱۹۹۲ء میں مجلس میں یہ واقعہ بیان کیا تو

مجلس کے بعد میں نے حضرت امام حسینؑ سے التجا کی کہ اگر بھگوان (اللہ) نے آپ کو شکتی (طاقت) دی ہے تو مجھ پر بھی کرپا (کرم) ہو جائے اور بھگوان (اللہ) مجھے پوتا دکھادے۔ سال بھر کے اندر ۱۹۹۳ء میں میرا چھوٹا بیٹا اما شنکر منا ایک بیٹے کا باپ بن گیا جس کا نام ہری اوم رکھا گیا۔ (۱۲)

بڑے بیٹے کرپا شنکر عرف للن جو کوی (شاعر) اور ادھیاپک (ٹیچر) ہیں ۲۸ سال قبل انہیں نئی نئی ملازمت ملی تھی۔ گیسٹک (ریاحی غلبہ) کے مریض تھے مرض اتنا شدید ہوا کہ بستر سے لگ گئے پنڈت جی کا کہنا ہے کہ محرم کا زمانہ تھا میں نے آپ ہی کے امام باڑہ میں گڑگڑا گڑگڑا کر بھگوان سے بنتی کی تھی کہ ابھی تازہ ملازمت ہے اور میرا بیٹا اتنا سخت بیمار ہو گیا ہے۔ اسے صحت مل جائے اور وہ اپنے کام انجام دینے کے لائق بن جائے ان کا کہنا ہے مجلس کے بعد میں گھر گیا اچھی خاصی رات بیت چکی تھی میں سو گیا۔ صبح کو میں نے حیرت ناک منظر دیکھا کہ للن جو بستر سے اٹھ نہیں پا رہا تھا وہ بستر سے اٹھا اپنے ضروریات پورے کئے اور سائیکل اٹھا کر اسکول چلا گیا۔ اس کے بعد میں امام حسینؑ کا بہت زیادہ عقیدت مند بن گیا۔ (۱۴)

پنڈت جی کو مجلسوں کی ایسی عادت پڑی اور ذکر حسینؑ کے ایسے دلدادہ ہوئے کہ ضعیفی کے عالم میں بھی وہ ایک مجلس بھی چھوڑنا گوارہ نہیں کرتے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ۸ دس سال قبل جب عشرۂ محرم کا زمانہ تھا انہیں اپنے فرائض منصبی کو ادا کرنے لکھنؤ میں ڈاکٹر بھارگو کے یہاں ایک تقریب میں ہون کرانا تھا وہ مضطرب تھے کہ آج میں وقت سے گاؤں نہیں پہنچ پاؤں گا مجلس چھُٹ جائے گی بقول ان کے دل ہی دل میں وہ بھگوان سے پرارتھنا کر رہے تھے کہ کوئی صورت نکل آئے اور مجلس نہ چھوٹے۔ اچانک ڈاکٹر بھارگو آئے اور انہوں نے کہا کہ پنڈت جی آپ دیکھ رہے ہیں کتنی افراتفری ہلڑ ہنگامہ ہے آپ جلد مختصراً ہون کرا دیجئے اور جایئے ان کی مانگی مراد پوری ہو گئی اور وہ جلد واپس ہو گئے۔ مجلس کا وقت ۸ بجے شب تھا ۷ بجے وہ گھر پہنچ گئے اور ضروریات سے فارغ ہو کر مجلس میں پہنچ گئے۔ وہ عام طور سے نہرو کیپ پہنتے ہیں لیکن شب عاشورہ خود میں نے اپنی آنکھوں سے انہیں سر برہنہ شب عاشورہ کی مجلس میں شریک دیکھا۔ اسی طرح مصائب میں انہیں روتے دیکھا۔ میں ایک مجلس میں حضرت علی اصغرؑ کے دردناک مصائب پڑھ رہا تھا میری نظر ان کے چہرے پر پڑی دیکھا۔ آنسو آنکھوں سے نکل کر رخساروں پر بہہ رہے ہیں اور وہ گلے میں پڑے ہوئے کپڑے سے انہیں پونچھ رہے ہیں۔ (۱۵)

ہندوستان میں اس طرح کی سینکڑوں نہیں ہزاروں مثالیں موجود ہیں جن میں امام حسینؑ سے خصوصی عقیدت کا مظاہرہ موجود ہے۔ غیر مسلموں تک کی بہت سی منتیں آپ کے نام پر پوری ہوئیں۔ یوپی کی گزشتہ

حکومت ۲۰۱۷ء تا ۲۰۲۲ء، میں نائب وزیر اعلیٰ تھے ڈاکٹر دنیش شرما، انہوں نے بارہا اعتراف کیا کہ میری والدہ کے یہاں کوئی بچہ نہیں پیدا ہوتا تھا انہوں نے عزاخانے میں منت مانی نتیجے میں میری پیدائش ہوئی۔

برہمن ہی نہیں دوسری قوموں کی متعدد مثالیں اس طرح کی موجود ہیں۔ میرے وطن جوراس میں منت ہی کے نتیجے میں مہتروں میں ایک بچہ پیدا ہوا تھا جس کا نام میرے جد میر مہدی حسن اعلی اللہ مقامہ نے "حسینی" رکھا تھا۔

یہ چند صفحات بیشتر مثالوں کے متحمل نہیں ہو سکتے اس لئے بس اتنی ہی تحریر پر اکتفا کی جاتی ہے۔

منابع:

(۱) سفینۃ البحار، ج ۱، ص ۲۵۷

(۲) مستدرک الوسائل: ج ۱۰، ص ۳۱۸۔ جامع احادیث الشیعہ، ج ۱۲، ص ۵۵۶

(۳) دیکھئے الصواعق المحرقہ۔ علامہ ابن حجر مکی الہیتمی و سر الشہادتین شاہ عبد العزیز محدث دہلوی۔

(۴) صحیفہ امام، ج ۱۵، ص ۳۳۰

(۵) صحیفہ امام، ج ۱۷، ص ۵۸

(۶) صحیفہ امام، ج ۱۵، ص ۳۳۰

(۷) سورۂ بقرہ آیت ۱۵۳ وغیرہ

(۸) تقریر ۱۸ اپریل ۱۹۴۳ء

(۹) بحوالہ حسینی دنیا مولفہ: زائر حسین سیتاپوری مرحوم، صفحہ ۴۹، (تقریر جلسہ احمد آباد بذریعہ ٹائمز آف انڈیا)

(۱۰) بحوالہ حسینی دنیا مولفہ: زائر حسین سیتاپوری مرحوم، صفحہ ۴۹، (رضاکار ۱۶ / مارچ ۱۹۴۲ء)

(۱۱) وکی پیڈیا 'ڈانڈی مارچ' اردو۔

(۱۲) ماہنامہ اصلاح لکھنؤ ستمبر ۲۰۱۷ء، صفحہ ۵۰۔

(۱۳) اقتباس از مضمون امام حسینؑ کے انتہائی عقیدت مند پنڈت جی، ماہنامہ اصلاح لکھنؤ محرم نمبر ۱۳۷۷ شہادت حسینی اکتوبر، نومبر ۲۰۱۵۔ صفحہ ۳۸۔

(۱۴) مذکورہ بالا حوالہ صفحہ ۳۹۔

(۱۵) مذکورہ بالا حوالہ صفحہ ۳۸۔

تحریک عاشورہ

جرمن اور انگریز مستشرقین کی نظر میں

گروہ مؤلفین: سید محسن شیخ الاسلامی، امیر تیمور رفیعی، سید حسن قریشی کرین

مترجم: ڈاکٹر خان محمد صادق جونپوری

جرمنی اور انگلینڈ کے شیعہ شناسی مراکز، یوروپ کے سب سے قدیمی اسلام شناسی کے مراکز ہیں جن کے مستشرقین نے اسلام و شیعہ کے بارے میں مبسوط کتابیں تحریر کی ہیں لیکن ان کی تحریریں بیشتر مغرضانہ اور تحریف شدہ ہیں۔ یوروپ میں اسلامی مطالعات کی مختلف صورتوں سے تقسیم بندی ہوئی ہے۔ ایک تقسیم بندی کے مطابق اس کو چار ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱. قرون وسطی

۲. عثمانی دور

۳. دور جدید

۴. بیسویں صدی کا دوسرا حصہ

یہ کہا جاسکتا ہے کہ تیرہویں صدی کے اختتام اور چودہویں صدی کے آغاز میں مارکوپولو کے سفر نامہ کے ذریعہ پہلی بار مغربی دنیا سنجیدگی سے اسلام و تشیع سے روشناس ہوئی۔ (مطہری نیا، ۱۳۸۹، ۴۱) اس کے بعد صلیبی جنگوں کے دوران مغربی دنیا تشیع سے زیادہ سے زیادہ روشناس ہوئی۔ اس دور کے مؤلفین کی مختصر اور تحریف شدہ معلومات عام طور سے ابن حزم اور ابن قتیبہ کی کتابوں سے ماخوذ تھیں۔ (احیا حسینی، ۱۳۸۷، ۲۳) سولہویں اور سترہویں صدی میں ایران میں صفوی حکومت کی تشکیل اور ایران و یوروپ کے سیاسی و اقتصادی تعلقات میں اضافہ کے سبب، شیعوں سے متعلق مستشرقین کی معلومات میں خاطر خواہ اضافہ

ہوا۔ رافائل ڈومانس اور ژان شارڈن کے دقیق مشاہدات اور توصیفات نے مغربی دنیا کو زیادہ سے زیادہ شیعہ اثنی عشری مذہب سے آشنا کرایا۔

انیسویں صدی کے آغاز میں عیسائی مبلغین اور علماء جو ایک عرصہ تک اسلامی مطالعات اور یورپ اور اسلام کے تعلقات کی کڑی بنے ہوئے تھے، سامراجی طاقتوں کے زیر اثر مسلمانوں کو عیسائی بنانے اور ان پر سیاسی و اقتصادی قبضہ کرنے کے درپے ہوگئے۔ (الویری، ۱۳۸۱، ۸۸)

اس دور کے بہت سے صاحب نام مستشرق سامراجی ممالک کے سفارت خانوں اور فوجی مشن اور جاسوسی مراکز کے رکن تھے۔ (بدوی، ۱۹۳۳، ۵۳۲) شیعی کتابوں اور آثار کی عدم دستیابی کی وجہ سے یوروپ میں تشیع کے حوالے سے اس وقت تک کوئی ٹھوس تحقیق سامنے نہیں آئی تھی۔ سنہ ۱۹۶۸ء میں اسٹراسبرگ ریسیرچ سنٹر نے پہلی بار یوروپ کے ۲۳ بڑے مستشرقین کے گروپ کے ساتھ تشیع پر تحقیقی کام کا آغاز کیا۔

سنہ ۱۹۷۹ میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد امام خمینی نے اس انقلاب کی کامیابی میں محرم وصفر کے کردار پر خاص تاکید کی۔ اسی طرح ایران کا سکولر نظام اسلامی نظام میں تبدیل ہوگیا۔ ان تبدیلیوں کی وجہ سے مغربی دنیا نے زیادہ سنجیدگی کے ساتھ اس انقلاب کے عوامل و عناصر پر تحقیقی کام کا آغاز کیا جس کے نتیجہ میں شیعہ مذہب اور تحریک کربلا کے بارے میں تحقیقات ایک نئے مرحلہ میں داخل ہوئیں۔

واقعہ عاشورہ شیعہ مذہب کی سب سے بڑی علامت ہے جس کے ذریعہ مغربی مستشرقین شیعی تہذیب سے آشنا ہوئے۔ تحریک عاشورہ کے سلسلہ میں مستشرقین کے درمیان دو نظریہ پائے جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے ضعیف منابع کی وجہ سے تحریک عاشورہ کو مادی اور جنگ طلبانہ بتایا ہے جب کہ دوسرے مستشرقین، حقیقت سے کام لیتے ہوئے اس تحریک کے اصل مقصد کو سمجھنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔

پہلے گروہ میں ویلفرڈ ماڈلنگ جیسا مستشرق پایا جاتا ہے جس نے واقعہ عاشورہ کے بعد قیام توابین کو جناب مختار سے منسوب کردیا ہے۔ اور دوسرے گروہ میں ٹامس آرنولڈ جیسا مستشرق ہے جس پر متعصب مستشرقین نے مسلمانوں سے دوستی اور ان کے سامنے جھکنے کا الزام لگایا ہے۔ (الویری، ۱۳۸۱، ۸۱)

پہلے مرحلہ میں تاریخ اسلام سے متعلق مقتل الحسین، تاریخ طبری، تجارب الامم جیسی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا، مشرقی ممالک کا سیاسی اور اقتصادی سفر کیا گیا نیز صلیبی جنگوں نے بھی اس آشنائی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ (سحاب، ۱۳۵۶، ۶) برنارڈ لوئیس کے قول کے مطابق مغربی دنیا پہلی بار صلیبی جنگوں کے دوران مصر کے فاطمی شیعوں نہ کہ اثنی عشری شیعوں سے آشنا ہوئی۔ (احیا حسینی، ۱۳۸۷، ۲۳؛ ڈونالڈسن، ۱۳۹۵، ۳۹)

موجودہ دور میں شیعی منابع کی کئی کتابوں کا عربی سے یوروپین زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔ مثال کے طور پر انگریز مستشرق فریڈریک آمدرور (۱۸۵۴-۱۹۱۷) نے شیخ مفید کی الارشاد، تاریخ طبری کے یزید بن معاویہ کا حصہ اور ابن مسکویہ کی تجارب الامم کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ ماڈلنگ نے بلاذری کی کتاب انساب الاشراف کے اس حصہ کا ترجمہ کیا جس کا تعلق حضرت علیؑ اور ان کے فرزندوں سے تھا۔ ان ترجموں کی وجہ سے مغربی مستشرقین ،امام حسین (ع) کی شخصیت سے زیادہ سے زیادہ آشنا ہوئے۔ (I.K.A Howard، ۱۹۹۰، ۱۹)

ان سب کے باوجود اڈورڈ براؤن کی بات صحیح ہے کہ اس وقت تک کسی بھی یوروپین زبان میں تشیع کے بارے میں تفصیلی اور بھروسہ مند کتابیں موجود نہیں ہیں ۔ (ڈونالڈسن، ۱۳۹۵، ج۱، ۵۶)

زیادہ تر مستشرقین کا یہ ماننا ہے کہ تحریک عاشورہ سے مذہب تشیع کا آغاز ہوتا ہے۔ انکری، واقعہ عاشورہ کے بارے میں کہتا ہے کہ حسین و یزید کا موازنہ یعنی تقویٰ اور گناہ کا موازنہ، شجاعت و بزدلی کا موازنہ، روح اور جسم کا موازنہ۔ (انکری، ۱۳۷۸، ۲۰۵)

لمبٹون تشیع کے ظہور کے بارے تحریر کرتا ہے: ایک دینی تحریک کی حیثیت سے تشیع نے سنہ ۶۱ ہجری میں امام حسین (ع) کی شہادت کے بعد عروج حاصل کیا۔ (لمبٹون، ۱۳۸۹، ۳۶۴)

آنا مری شیمل کہتی ہیں: شیعی علم کلام واقعہ کربلا کے بعد زیادہ سنجیدگی سے سامنے آیا۔ (شیمل، ۱۳۷۵، ۱۵۹)

واقعہ عاشورہ کے بارے میں جرمن مستشرقین کا نظریہ

الف: انگلبرٹ کمپفر (۱۶۵۱-۱۷۱۶): یہ پہلے مستشرق ہیں جنہوں نے تحریک عاشورہ کو ملا حسین کاشفی کی فارسی مقتل روضۃ الشہداء کے نقطہ نظر سے تجزیہ و تحلیل کیا۔ (کمپفر، ۱۳۶۳، ۱۸۰)

ب: فرڈیننڈ وسٹنفیلڈ (۱۸۰۸-۱۸۹۹): وسٹنفیلڈ تاریخ اسلام اور ادبیات عرب کے ماہر ہیں جنہوں نے ابی مخنف کی مقتل الحسین کے بارے میں ایک مقالہ شائع کرکے مغربی دنیا کو مقتل نگاری سے روشناس کرایا۔ (سحاب، ۱۳۵۶، ۳۳۲-۳۳۳)

ج: تیوڈر نلڈک (۱۸۳۶-۱۹۳۰): جرمن کے بڑے مستشرق ہیں جنہوں نے قرآن کریم کا جرمنی زبان میں ترجمہ کیا۔ (محمدی، ۱۳۹۳، ۷) انہوں نے اپنی تحقیقات کے سلسلہ میں عالم اسلام کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا اور واقعہ کربلا کے تناظر میں امام حسین (ع) اور جناب عیسیٰ کے درمیان تطبیقی موازنہ کرتے ہوئے دونوں حضرات کو برحق قرار دیا۔

د: جولیس ولہازن (۱۸۴۴-۱۹۱۸): انہوں نے اپنی دو کتابوں میں واقعہ کربلا کے بارے میں تفصیلی گفتگو کی ہے اور تاریخی، سماجی اور کلامی نقطہ نظر سے اموی دور میں امام حسین (ع) کے کردار پر روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے امام حسین (ع) کے اقدام کی دینی حیثیت سے انکار کیا ہے اور حکومت کے حصول کا ایک ذریعہ بتایا ہے۔

ہ. آنا مری شیمل (۱۹۲۲-۲۰۰۳): ڈاکٹر شیمل جرمن کی مشہور ماہر اسلامیات ہیں انہوں نے ایک کتاب "علی سے زہرا تک" تالیف کی ہے اور اپنی تحریروں میں یزید کو قابل لعنت بتایا ہے اور واقعہ کربلا کی ساری ذمہ داری اس پر ڈالی ہے۔ (زوارق موسوی، ۱۳۹۲، ۱۴۸)

واقعہ عاشورہ کے بارے میں انگریز مستشرقین کا نظریہ

الف: ڈوایٹ ڈونالڈسن (۱۸۸۴-۱۹۷۶ء): مذہب تشیع کے حوالے سے ان کی پہلی کتاب سنہ ۱۹۳۳ء میں مذہب شیعہ کے نام سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں امام حسین (ع) اور دیگر ائمہ معصومین (ع) کے بارے میں غلو سے کام لیا گیا تھا اور بہت سے شک و شبہات پیدا کئے گئے تھے جس کی وجہ سے شیعہ دانشوروں نے اس کے خلاف منفی رد عمل ظاہر کیا۔ اس کے برخلاف دوسرے مستشرقین نے اس کتاب کا کافی استقبال کیا اور نظریاتی طور پر شیعہ مخالف رجحان کے حامل عرب مؤلفین نے اس کتاب کا کافی حوالہ دیا ہے۔

ب: اڈورڈ براؤن (۱۸۶۲-۱۹۲۶ء): اڈورڈ براؤن نے اپنی تحریروں میں معاصر ایران کے واقعات کو کربلا کے واقعہ سے موازنہ کیا ہے۔ وہ اپنی کتاب تاریخ ادبی ایران میں تحریر کرتے ہیں: نواسہ رسول (ص) کا خون بڑی بے رحمی سے بہایا گیا جس سے عوام میں غم و غصہ کی لہر پیدا ہوئی اور اسی دور سے شہادت و ایثار اور موت سے لاتعلّقی کے جذبات لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوئے اور تشیع کو ایسی طاقت ملی جو روز بروز بڑھتی گئی۔ (انکری، ۱۳۷۸، ۲۳۹)

ج: جان نورمن ہالیسٹر (۱۹۰۷-۱۹۷۱ء): انہوں نے تشیع اور امام حسین (ع) کے بارے میں تفصیلی تحقیق کی ہے اور ان کا یہ ماننا ہے کہ پوری تاریخ میں کربلا کے واقعہ سے زیادہ کسی بھی واقعہ نے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچائی۔ واقعہ کربلا نے بعد کی صدیوں میں بہت سی شیعی تحریکوں کی فکری رہنمائی کی ہے۔ حضرت رسول خدا (ص) نے دین اسلام کو پہنچایا اور علی (ع) نے اس کی تفسیر کی اور امام حسین (ع) راہ نجات ہیں۔ (ہالیسٹر، ۱۳۷۳، ۲۰۳)

یہاں پر یہ کہنا ضروری ہے کہ مستشرقین کی اکثریت نے واقعہ کربلا کا تاریخی اعتبار سے مطالعہ کیا ہے اور اس کے معنوی پہلو کو نظر انداز کیا ہے۔ ماربین اپنی کتاب ''سیاست اسلام میں'' کربلا کے بارے میں تحریر کرتا ہے: امام حسین (ع) مکہ سے یزید کے خلاف جنگ کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ کو یقین تھا کہ آپ کی یاد اور وہ مقصد جس کے دفاع کے لئے آپ نکلے ہیں کبھی ذہنوں سے محو نہیں ہوگا۔ (انکری، ۱۳۷۸، ۲۶۰)

تھامس کارلایل کا یہ ماننا ہے کہ واقعہ کربلا سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ امام حسین (ع) اور آپ کے اصحاب کا اللہ تعالی کی ذات پر مضبوط ایمان تھا۔ ان لوگوں نے اپنے عمل سے ظاہر کر دیا کہ حق و باطل کی جنگ میں عدد کا کوئی مفہوم نہیں ہوتا اور اقلیت میں ہونے کے باوجود امام حسین (ع) کی پیروی کرنا میرے لئے باعث تعجب ہے۔ (زوارق موسوی، ۱۳۹۲، ۳۱۷)

ان سب کے باوجود موجودہ دور کے مستشرقین کا تشیع کی طرق جھکاؤ صاف طور پر دکھائی دے رہا ہے اور یہ امر رسول خدا (ص) کی مشہور حدیث کی ترجمانی ہے: اِنَّ لِقَتْلِ الْحُسینِ حَرَارَةً فِی قُلوبِ المؤمِنِینَ لَا تَبْرُدُ اَبَداً۔ بے شک حسین کی شہادت سے مؤمنوں کے دلوں میں ایسی حرارت پیدا ہوگی جو کبھی بجھے گی نہیں۔ (بروجردی، ۱۴۲۲، ج ۱۲، ۵۵۶)

واقعہ عاشورہ کے سیاسی اہداف و عناصر

الف: تاج و تخت کا حصول: بعض مستشرقین کا یہ ماننا ہے کہ امام حسین (ع) نے تاج و تخت کے حصول کے لئے قیام کیا تھا اور حاکم طبقہ ہر حال میں اپنی حکومت کو بچانا چاہتا تھا۔ جان بایر ناس تحریر کرتا ہے: امام حسین (ع) نے جس وقت اپنے موروثی حق کے لئے قیام کیا تو اموی خلیفہ یزید بن معاویہ کے حکم سے شہید ہوئے۔ (بایر ناس، ۱۳۸۰، ۸۵۰)

ڈٹر مونٹ ہارنی کا کہنا ہے کہ شیعہ مذہب جہاد اور شہادت کو بہت اہمیت دیتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ۱۳۰۰ سال پہلے ایک سیاسی جنگ میں ایک گروہ کو شکست ہو گئی تھی۔ (ہارنی، ۱۵۷، ۱۳۷۷) لیکن اموی حکومت کے خلاف، اسلامی روایات اور مکتوبات کے مطابق امام حسین (ع) شہید اور یزید قاتل ہے۔

نیکلسن اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ اسلامی قوانین کی مخالفت کی وجہ سے بنی امیہ یاغی ہیں اور چونکہ ظالم ہیں لہٰذا ان کو اپنے مخالفین کو قتل کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ (نیکلسن، ۱۳۸۰، ۲۱۲)

اس بارے میں چند نکات کی طرف اشارہ کرنا بہت ضروری ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ بعض مستشرقین نے امام حسینؑ کی شخصیت کو ایک سیاسی قائد و رہنما کی حد تک نیچا دکھانے کی کوشش کی ہے جب کہ آپ معصوم تھے۔ دوسری بات یہ کہ کربلا میں سارے فوجی حربے دشمن کی طرف سے اپنائے گئے اور امام حسین (ع) صرف مقام دفاع میں تھے۔ تیسری بات یہ کہ اگر امام حسین (ع) یزید کے خلاف قیام نہیں کرتے تو لازمی طور پر آپ کو یزید کی بیعت کے لئے مجبور کیا جاتا اور یہ مسئلہ قرآنی آیتوں کے خلاف تھا۔ ارشاد ہوتا ہے: وَ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (سورہ مائدہ، آیت ۲) ان سب باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امام حسین (ع) کے قیام کا مقصد تخت و تاج کا حصول نہ تھا بلکہ دین اسلام کے اصول کا تحفظ اور ظلم کی مخالفت تھا اور اللہ تعالی صاف طور پر قرآن کریم میں یہ حکم دیتا ہے کہ گناہ اور برے کاموں میں کسی کا ساتھ نہ دو۔

ب: امام حسین (ع) کے قیام میں عبداللہ بن زبیر کا کردار: مکہ سے کوفہ کی طرف امام حسین (ع) کی روانگی کے بارے میں عبداللہ بن زبیر کا کیا خیال ہے، اس بارے میں مورخین میں اختلاف نظر ہے۔ بعض

لوگوں کا ماننا ہے کہ : مکہ میں امام حسین (ع) کی موجودگی کی وجہ سے کوئی بھی شخص ابن زبیر کی بیعت کرنے کو تیار نہ ہوتا۔ (ابن اثیر، ۱۹۸۶، ج ۵، ۱۱۲)

ابن اثیر نے امام حسین (ع) سے نقل کیا ہے کہ : اس مرد (عبداللہ بن زبیر) کو دنیا میں کوئی بھی چیز پسند نہیں سوائے اس کے کہ میں مکہ سے چلا جاؤں۔ وہ جانتا ہے کہ لوگ اسے میرے برابر نہیں سمجھتے لہٰذا چاہتا ہے کہ میں چلا جاؤں تاکہ اس کے لئے جگہ خالی ہو جائے۔ (ابن اثیر، ۱۹۸۶، ج ۵، ۱۳۷)

اس کے برخلاف مسعودی اور ابن کثیر تحریر کرتے ہیں: جب امام حسین (ع) نے مکہ سے روانہ ہونے کا فیصلہ کیا تو بہت سے لوگوں نے آپ سے درخواست کی کہ کوفہ نہ جائیں اور مکہ میں ہی قیام کریں ۔ ان میں سے ایک عبداللہ بن زبیر تھا۔ (مسعودی، ۱۳۷۰، ج ۲، ۵۹-۶۰؛ ابن کثیر، ۱۳۵۱، ج ۸، ۱۷۴)

بعض مستشرقین کا کہنا ہے کہ ابن زبیر نے یزید سے اپنی دشمنی کو علنی کر دیا اور امام حسین (ع) کو سفر عراق کے لئے آمادہ کیا تاکہ آپ کی شہادت کے بعد خلافت کا واحد مدعی رہے۔ ان کا ماننا ہے کہ ابن زبیر کو معلوم تھا کہ امام حسین (ع) کے زندہ رہتے ہوئے اسے اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ملے گی۔ (سایکس ۱۳۶۶، ج ۱، ۴۷۹؛)۔

مستشرقین اس بات سے غافل ہیں کہ امام حسین (ع) ابن زبیر کی حقیقت سے واقف تھے اور اہلبیتؑ سے اس کی دشمنی کے بارے میں اچھی طرح جانتے تھے۔ اس کا باپ جنگ جمل کی آگ کو بھڑکانے والوں میں تھا اور وہ خود طلحہ و زبیر اور عائشہ کے لشکر کا سپہ سالار تھا۔ کچھ لوگوں نے امام (ع) کو قیام سے روکنا چاہا، امام نے ان کے جواب میں بنی امیہ کی غاصب حکومت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اَلَا تَرَونَ اِلَی الْحقِّ لَا یُعْمَلُ بِه، وَاِلَی الْبَاطِلِ لَایُتَنَاهی عَنْه، لَیَرْغَبُ الْمُؤمِنُ فِی لِقاءِ رَبِّه حَقاً (طبری، ۱۴۰۹، ج ۴، ۳۰۴) کیا تم دیکھتے نہیں کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور باطل سے منہ نہیں موڑا جا رہا ہے ایسے حالات میں مومن کو چاہئے کہ اپنے پروردگار سے جا ملے۔

۳. قیام عاشورہ میں کوفیوں کا کردار: اشپولر تحریر کرتا ہے: امام حسین (ع) کوفیوں کی دعوت پر مکہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ کو راستہ میں ہی پتہ چل گیا کہ حکومتی کارندے آپ کے چاہنے والوں کے ساتھ

سختی سے پیش آرہے ہیں۔ لیکن آپ نے اپنی عزت کی خاطر واپس جانے سے انکار کیا اور بعد میں کچھ تجاویز بھی آپ کے سامنے رکھی گئیں لیکن آپ اپنے حق (اہلبیت کے حق) کے لئے جنگ سے پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہوئے اور کربلا میں فرات کے مغربی کنارے پر جنگ کے بعد مارے گئے۔ (اشپولر ۱۳۵۴، ۲۷)

ولہاوزن اپنی کتاب میں تحریر کرتے ہیں کہ کوفی، کوفہ پر دوسرے شہروں کے قبضہ کے خلاف تھے اور حجر بن عدی کا قیام امام حسین (ع) کی تحریک کا مقدمہ ہے۔ (ڈونالڈسن، ۱۳۹۵، ج۱، ۴۶-۴۷)

سایکس کی نظر میں امام حسین (ع) کے قیام کی اصل وجہ کوفیوں کے خطوط تھے۔ (سایکس، ۱۳۶۲، ج ۱، ۷۴۹)؛ یہاں پر سایکس نے بڑی غلطی کی ہے کیونکہ تقریباً سارے مستشرقین کا یہ ماننا ہے کہ امام حسین (ع) کے قیام کی اصل وجہ یہ تھی کہ آپ یزید جیسے ظالم حکمراں کی بیعت نہیں کرنا چاہتے تھے۔

ڈونالڈیسن تحریر کرتے ہیں کہ واقعہ کربلا میں یزیدی فوج کے سارے سپاہی کوفہ کے رہنے والے تھے اور ان میں ایک بھی شام کا نہیں تھا۔ (ڈونالڈیسن، ۱۳۹۵، ج۱، ۱۸۱)

اس گفتگو کے لئے سب سے اہم دلیل امام حسین (ع) کے وہ قول ہیں جو انہوں نے مدینہ سے رخصت ہوتے وقت اپنے بھائی محمد حنفیہ سے بیان کیا ہے۔ آپ نے اس وصیت نامہ میں اپنے قیام کے دو وجوہات بیان فرمائے ہیں: ۱. امر بالمعروف و نہی عن المنکر ۲. اپنے جد کی امت کی اصلاح۔

۵. جناب مسلم کے خون کا بدلہ لینا: مسعودی کے قول کے مطابق جناب مسلم بنی ہاشم کے پہلے شہید ہیں جن کی لاش کو پھانسی پر چڑھایا گیا۔ (مسعودی، ۱۳۷۰، ج ۲، ۱۰) عبداللہ، علی، محمد، ابی سعید، عبدالرحمٰن، جعفر اور عون جناب مسلم کے بھائی ہیں اور یہ سبھی لوگ میدان کربلا میں امام حسین (ع) کے ساتھ موجود تھے۔ جعفر بن عقیل نے میدان کربلا میں امام حسین کی طرف سے بہت بہادری سے جنگ کی اور عروۃ بن عبداللہ خثعمی کے ہاتھوں شہید کئے گئے۔ (شریف قرشی، ۱۴۱۳، ج ۳، ۲۵۱)

محمد بن عقیل اپنے زمانے کے فقیہ تھے اور عاشور کے روز امام حسین (ع) کے ہمراہ شہید ہوئے۔ امام حسین (ع) خاندان عقیل کی بہادری اور صبر و استقامت کے بارے میں فرماتے ہیں: اے میرے چچا کے بیٹے اور

میرے اہلبیت صبر کرو کہ آج کے بعد ہر گز مصیبت و سختی میں مبتلا نہ ہوگے۔ نیکلسن اپنی کتاب تاریخ ادبیات عرب میں تحریر کرتا ہے:

مسلم بن عقیل کی شہادت کے بعد بھی امام حسین (ع) کے لئے واپس جانے کا راستہ موجود تھا لیکن آپ کے اصحاب نے کہا کہ جناب مسلم کے خون کا بدلہ لینا چاہئے۔ (ولہاوزن، ۱۳۷۵، ۶۵) سایکس تحریر کرتا ہے: جناب مسلم کی شہادت کی خبر ملتے ہی امام حسین (ع) کے اصحاب میں بے چینی اور اضطراب کی کیفیت پیدا ہوئی اور حضرت اس سفر سے مایوس ہوگئے لیکن ایک طویل مسافت طے ہوچکی تھی اور واپس پلٹنا ممکن نہیں تھا۔ اس کے علاوہ آپ کے اعزاء واقرباء بھی جناب مسلم کے خون کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ (سایکس، ۱۳۶۶، ج ۱، ۷۴۹)

ڈونالڈسن اور بروکلمن جیسے مستشرقین نے یہاں پر غلطی کی ہے اور ظاہر کیا ہے کہ اس بات سے قومیت پر مبنی نظریات کو فروغ ملا اور بروکلمن کے بقول امام حسین (ع) کی شہادت کے بعد تشیع، عرب مخالف تحریکات کا مرکز بن گیا۔ (بروکلمن، ج ۳، ۳۱۹-۳۲۱)

ہالیسٹر تحریر کرتا ہے کہ قادسیہ کی منزل میں امام حسین (ع) کو جناب مسلم کی شہادت کی خبر ملی اور امام ابھی بھی واپس پلٹ سکتے تھے لیکن جناب مسلم کے بھائی اس بات کے لئے راضی نہ ہوئے کیونکہ ان کو اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینا تھا۔ (ہالیسٹر، ۱۳۷۳، ۲۴)

مستشرقین اس نکتہ سے غافل ہیں کہ سورہ نسا کی آیت نمبر ۵۹ کے مطابق امام حسین (ع) کے اصحاب خاص کر آپ کے اعزہ واقرباء اور جناب مسلم کے بھائی اپنے ولی امر کے حکم کے تابع تھے۔

شیعہ حاکمیت اور سلطنت بنی امیہ کی سیاسی بنیاد

۱. امام حسین (ع) کی حکومت یا یزید کی سلطنت: مارین تحریر کرتا ہے: بنی امیہ حکومت و دولت کے اعتبار سے اور بنی ہاشم علم و معنویت کے لحاظ سے برتر تھے۔ بعض مستشرق جہل و نادانی کی بنیاد پر یا جان بوجھ کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ امام حسین (ع) نے مسلمانوں کے خلیفہ کے خلاف خروج کیا جب کہ یزید کے دور میں حکومت، دینی شکل و صورت سے خارج ہوچکی تھی اور بنی امیہ کی حکومت،

اسلامی حاکمیت کے زوال کا آغاز ہے۔ ولہاوزن اموی دور کے موضوع پر لکھی گئی اپنی کتاب کو عربی سلطنت اور اس کا زوال نام دیتا ہے۔ (ہولٹ، ۱۳۷۸، ۱۲۵)

آلفرڈ فون کرمر کے قول کے مطابق امام حسین (ع) حق پر ہیں اور خاص مذہبی آئیڈیولوجی کی پیروی کرتے ہیں۔ ہالیسٹر بتاتے ہیں کہ امام حسین (ع) مدینہ میں اپنے بھائی امام حسن (ع) کے دور میں سیاسی امور میں دخل نہیں دیتے تھے۔

۲. امام کی سیاسی مرجعیت: پیغمبر اسلام (ص) کی جانشینی کا مسئلہ اسلامی معاشرہ کا سب سے بڑا اختلافی مسئلہ تھا اور یہ موضوع واقعہ عاشورہ تک باقی تھا۔ ویلفرڈ ماڈلنگ جنہوں نے شیعہ شناسی کے موضوع پر اچھی تحقیق کی ہے، ان کا ماننا ہے کہ امام کی سیاسی مرجعیت کو تین باتوں میں خلاصہ کیا جاسکتا ہے۔ ۱. معاشرہ کی دیکھ بھال امام کی ذمہ داری ہے۔ ۲. پیغمبر اسلام (ص) کے بعد اسلامی معاشرہ کی ذمہ داری اہلبیت پر ہے۔

۳. اس منصب پر ناحق قبضہ کرنے والوں کا شمار سلاطین جور میں ہوتا ہے۔ (بہشتی مہر، ۱۳۹۷، ۱۲۱)

ماڈلونگ مسلمانوں اور شیعوں میں مقبول تاریخی و کلامی دستاویزات کو نظر انداز کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات اور پیغمبر اکرم (ص) کی شخصیت کے تجزیہ و تحلیل سے اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ حضرت علی (ع) جیسی شخصیت اور ان کی اولاد، پیغمبر اسلام (ص) کی جانشینی کے لائق ہیں لیکن اس کے اس نظریہ کی بنیاد اہلسنت کا وہ مشہور نظریہ ہے کہ خلافت و جانشینی لوگوں کا حق ہے اور اس میں عقائد کا کوئی کردار نہیں ہے جو کہ افعال الٰہی میں سے ایک ہے۔ (بہشتی مہر، ۱۳۹۷، ۱۵۹)

برنارڈ لوئیس نے امام کی مرجعیت کو ولایت کے نقطہ نظر سے مطالعہ کیا ہے اور کہتا ہے: لفظ ولایت ایک طرح سے عملی آمریت ہے جس کے ذریعہ سلاطین اور بادشاہ اپنے اعمال کو شرعی نقطہ نظر سے توجیہ کرتے ہیں۔ ولایت فوجی طاقت کا نتیجہ ہے اور فوجی طاقت کا مالک جس کی بیعت کرے گا وہی خلیفہ ہے۔ (لوئیس، ۱۳۸۵، ۷۵)

وہ آگے تحریر کرتے ہیں: حاکم شرع مقدس کو تبدیل نہیں کر سکتا لہٰذا شرعاً اپنے قانونی طاقت سے تعدی نہیں کر سکتا ہے اور اگر قانون و شرع کے خلاف کوئی حکم صادر کرتا ہے تو اس نے خلاف شرع عمل کیا ہے اور اسے سزا دی جا سکتی ہے۔ (لوئیس، ۱۳۸۵، ۱۷)

وہ آگے کہتا ہے کہ امام حسین (ع) اگر چاہتے تو ایک اشارہ سے عبیداللہ بن زیاد کے لشکر کو ختم کر سکتے تھے یا ان کو خاکستر میں تبدیل کر سکتے تھے لیکن آپ نے ان کو ختم کرنے کے لئے اپنی امامت کی طاقت کا استعمال نہیں کیا۔

۴. امر بالمعروف و نہی عن المنکر: امام حسین (ع) نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو اپنے قیام کی اصل وجہ بتائی ہے۔ مایکل کوک شیعہ منابع کے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ذاتی نقصان کے خوف سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ترک نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جو چیز خطرے میں ہے، ہو سکتا ہے اسلام کی نظر میں اس کی اہمیت جان و مال سے زیادہ ہو مثال کے طور پر جب قرآن خطرہ میں ہو۔ (کوک، ۱۳۸۴، ج ۲، ۸۳۹)

اکثر مستشرقین نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ماہیت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے، یہاں پر غلطی کی ہے اور دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں شیعوں کے تعصب کے بارے میں بات کی ہے۔ (مطہری نیا، ۱۳۸۹، ۴۴)؛ امام حسین (ع) نے مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہوتے وقت فرمایا تھا: اِنِّی لَمْ اَخْرُجْ اَشِراً وَ لَا بَطِراً وَ لَا مُفْسِداً وَ لَا ظَالِماً وَ اِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْاِصْلَاحِ فِی اُمَّةِ جَدِّی اُرِیدُ اَنْ آمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَ اَنهیٰ عَنِ الْمُنْکَرِ... (مجلسی، ۱۴۱۲، ج ۴۴، ۳۲۹) بیشتر مستشرقین نے امام (ع) کے ان جملوں پر توجہ نہیں کی ہے اور انہوں نے صرف جنگ عاشورہ کو مد نظر رکھتے ہوئے نہ صرف امام حسین (ع) کو جنگ طلب بتایا ہے بلکہ آپ کے انسان دوستانہ اقدامات کو بھی نظرانداز کیا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ مائیکل کوک امر بالمعروف کی اہمیت سے بخوبی واقف ہے اسی وجہ سے اس کا ماننا ہے کہ مغربی تہذیب امر بالمعروف جیسے بیش قیمت نظریہ سے خالی ہے۔ اس نے اپنی کتاب کی تالیف کی وجہ یہ بتائی ہے کہ وہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ اسلام میں یہ فریضہ کس طرح رائج ہوا اور مغربی معاشرہ میں اسے کس طرح رائج کیا جا سکتا ہے۔ (کوک، ۱۳۸۴، مقدمہ)

حوالہ جات

الف، فارسی

۱۔ احیا حسینی، غلام (۱۳۸۷)، شیعہ پژوھی و شیعہ پژوھان انگلیسی زبان، قم، شناسی

۲۔ اشپولر، برتولد (۱۳۵۴) جہان اسلام (دوران خلافت) ، ترجمہ، قمر آریان، تہران، امیر کبیر

۳۔ الویری، محسن (۱۳۸۱)، مطالعات اسلامی در غرب، تہران، سمت

۴۔ انکری، گابریل (۱۳۸۷)، علی و حسین، دو قھرمان اسلام، ترجمہ، فروغ شہاب، تہران، ارمغان

۵۔ باقی، عماد الدین (۱۳۷۹)، جامعہ شناسی قیام امام حسینؑ و مردم کوفہ، تہران، نی

۶۔ بایر ناس، جان (۱۳۸۰)، تاریخ جامع ادیان، ترجمہ، علی اصغر حکمت، تہران، علمی و فرہنگی

۷۔ بروجردی، حسین (۱۴۲۲)، جامع احادیث الشیعہ، ج ۱۲، ترجمہ، مہدی حسینیان قمی، قم، مہر

۸۔ بروکلمان کارل (بی تا)، تاریخ الادب العربی، ج ۳، ترجمہ، عبد الحلیم النجار، قم، دار الکتب الاسلامی

۹۔ (۱۳۶۴)، تاریخ ملل و دول اسلامی، ج ۳، ترجمہ، ھادی جزایری، تہران، بنگاہ ترجمہ و نشر کتاب

۱۰۔ بہشتی مہر، احمد (۱۳۹۷)، تشیع امامی در آثار ویلفرد مادلونگ، قم، شیعہ شناسی

۱۱۔ جعفریان، رسول (۱۳۸۸)، تاملی در نہضت عاشورا، تہران، علم

۱۲۔ حتی، فیلیپ (۱۳۸۰)، تاریخ عرب، ج ۱، ترجمہ م ابو القاسم پاینده، تہران، علمی و فرہنگی

۱۳۔ دونالدسن، دوایت (۱۳۹۵)، مذھب شیعہ، ج ۱، ترجمہ، عباس احمد وند، قم، پژوھشگاہ علوم و فرہنگ اسلامی

۱۴۔ دہخدا، علی اکبر (۱۳۷۷)، لغت نامہ دہخدا، ج ۳۱، ذیل مدخل "عاشورا" ، تہران، چاپخانہ دولتی ایران

۱۵۔ زوارق موسوی، داوود (۱۳۹۲)، واقعہ عاشورا از دیدگاہ مستشرقان، تہران، مصباح الہدیٰ

۱۶۔ سایکس، سرپرسی (۱۳۶۶)، تاریخ ایران، ج ۱، ترجمہ، محمد فخر داعی گیلانی، تہران، دنیای کتاب

۱۷۔ سحاب، ابوالقاسم (۱۳۵۶)، فرہنگ خاور شناسان، تہران، سحاب

۱۸۔ شیمل، آن ماری (۱۳۷۵)، درآمدی بر اسلام، ترجمہ، عبدالرحیم گواہی، تہران، فرہنگ اسلامی

۱۹۔ عنایت، حمید (۱۳۶۱)، اندیشہ سیاسی در اسلام معاصر، تہران، خوارزمی

۲۰۔ فاروقی، فواد (۱۳۶۱)، سیری در سفر نامہ ھا، مصحح، حامد فولاوند، تہران، عطائی

۲۱۔ فلاطوری، عبدالجواد (۱۳۵۲)، تحقیق عقاید وعلوم شیعی، یادنامہ علامہ امینی، بہ اہتمام: سید جعفر شہیدی و محمد رضا حکیمی، تہران، شرکت سہامی انتشار

۲۲۔ کمپفر، انگلبرت (۱۳۶۳)، سفر نامہ کمپفر، ترجمہ، کی کاووس جہانداری، تہران، خوارزمی

۲۳۔ کوک، مایکل (۱۳۸۴)، امر بہ معروف ونہی از منکر، ج ۲، ترجمہ، احمد نمایی، مشہد، بنیاد پژوھش ھای اسلامی

۲۴۔ لالانی، ارزینہ (۱۳۸۱)، نخستین اندیشہ ھای شیعی تعالیم امام باقرؑ، ترجمہ، فریدون بدرہ ای، تہران فروزان روز

۲۵۔ لمبتون، آن، کی اس (۱۳۸۹)، دولت وحکومت در اسلام، ترجمہ، محمد مہدی فقیہی، بی جا، شفیعی

۲۶۔ لوئیس، برنارد (۱۳۸۵)، زبان سیاسی اسلام، ترجمہ، غلام رضا بھروزلک، قم، بوستان کتاب

۲۷۔ ماجراجو، محسن ودیگران (۱۳۸۳)، نینوا وانتظار تاملی نو، تہران، بنیاد فرہنگی مہدی موعود (عج)

۲۸۔ ماربین ودیگران (۱۳۳۶)، قیام حسین و یارانش، ترجمہ، ناصر دھاقانی، اصفہان، شہریار

۲۹۔ متز، آدام (۱۳۷۷)، تمدن اسلامی در قرن چہارم ہجری یا رنسانس اسلامی، ترجمہ، علی رضا زکاوتی قراگزلو، تہران، امیر کبیر

۳۰۔ مسعودی، ابوالحسن (۱۳۷۰)، مروج الذہب، ج ۲، ترجمہ، ابوالقاسم پاینده، تہران، علمی وفرہنگی

۳۱۔ مطہری نیا، محمود (۱۳۸۹)، مستشرقان ونبی اعظم، تہران پژوھشگاہ فرہنگ، ھنر وارتباطات

۳۲۔ مطہری، مرتضی (۱۳۴۹)، امامت ورہبری، تہران، انتشارات صدرا

۳۳۔ نیکلسون، رینولد (۱۳۸۰)، تاریخ ادبیات عرب، ترجمہ، کیواندخت کیوانی، تہران ویستار

۳۴۔ وات، مونتگمری (۱۳۷۰)، فلسفہ وکلام اسلامی، ترجمہ، ابوالفضل عزتی، قم، علمی وفرہنگی

۳۵۔ ولہاوزن، یولیوس (۱۳۷۵)، تاریخ سیاسی صدر اسلام، ترجمہ محمود افتخار زادہ، قم، معارف

۳۶۔ ھارنی، دزموند (۱۳۷۷)، روحانی وشاہ، گزارش شاھد عینی از انقلاب ایران، ترجمہ، اصغر اندرودی، بی جا، پیکان

۳۷۔ ھاشمی، نژاد عبدالکریم (۱۳۸۱)، درسی کہ حسینؑ بہ انسان ھا آموخت، تہران، فراہانی

۳۸۔ ہالیستر، جان نورمن (۱۳۷۳)، تشیع در ھند، ترجمہ، آزرمیدخت مشایخ فریدنی، تہران، مرکز نشر دانشگاہی

۳۹۔ ھولت، پی، ام، لمبتون، ان، ک۔ س۔ (۱۳۷۸)، تاریخ اسلام، ترجمہ، احمد آرام، تہران، امیر کبیر

ب۔ عربی

۱۔ قرآن کریم

۲۔ ابن اثیر، علی بن محمد بن عبد الکریم (۱۹۸۶)، الکامل فی التاریخ، ج۵، بیروت، دار الکتاب العربی،

۳۔ ابن شہر آشوب، محمد بن علی (۱۴۱۲)، مناقب آل ابی طالب، ج۴، بیروت، دار الاضواء

۴۔ ابن کثیر، ابوالفدا اسماعیل بن عمر (۱۳۵۱)، البدایہ والنہایہ، ج۸، بیروت، دار الفکر العربی،

۵۔ انیس، ابراہیم ودیگران (۱۳۷۳)، المعجم الوسیط، ج۲، مصر، مطابع دار المعارف

۶۔ بدوی، عبدالرحمٰن (۱۹۳۳)، موسوعۃ المستشرقین، الطبعۃ الثالثۃ، بیروت، دار العلم للملایین،

۷۔ شریف قرشی، باقر، (۱۴۱۳)، حیاۃ الامام الحسین بن علیؑ، ج۳، قم، مدرسہ علمیہ ایروانی

۸۔ طبری، محمد بن جریر (۱۴۰۹)، تاریخ طبری، ج۴، بیروت، موسسہ اعلمی

۹۔ مجلسی، محمد باقر (۱۴۱۲)، بحار الانوار، ج۴۴۔۴۵، بیروت، دار احیاء التراث العربی،

ج۔ انگلیسی

1.Tabari Muhammad ibn jarir the history I of tabari,vol, The caliphate of yazid bn muawiyah, L.K.A. howard,Albany, new York, 1990,

2.Le shiism imamate, Paris, Pressses Universitaires de France 1968 Colloque de Strasbourg.

د۔ مقالات

ا۔ ذوالفقاری، حسن (۱۳۷۲)، ''فرہنگنامہ عاشورا'' کیہان فرہنگی، شمارہ۹۸، خرداد ماہ

۲۔ محمدی، س (۱۳۹۳)، ''دائرۃالمعارف قرآن یک الگوست،'' روزنامہ ایران ۲۲ تیر ماہ

۳۔ نراقی، احسان (۱۳۵۴)، '' راھیابی نوبرای شرق شناسی''، راھنمای کتاب، سال ہجدہم

اربعین حسینی کی پیادہ روی اور اس کے سیاسی اور سماجی اثرات کا ایک جائزہ

مولف: سید محمد موسوی رضا بیات
مترجم: مولانا ظہیر عباس

اربعین حسینی، ایک عظیم مذہبی امر ہے، جو گزشتہ چودہ صدیوں سے تحریک عاشورہ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے افکار کی بقاء کا محور رہا ہے۔ ہر سال اربعین کی مشی (پیادہ روی) میں زائروں کی شرکت معنویت، ثقافت، سیاست اور ان کے اجتماع کا مظہر ہے۔ حقیقت میں شیعہ حضرات اس عظیم اجتماع میں ایک طرف دنیا، والوں کے مقابل، مختلف پہلوؤں سے اپنی موجودیت کا اعلان کرتے ہیں اور دوسری طرف، زائرین کا حضور ایک دوسرے پر اثرانداز ہوتا ہے۔ لہٰذا اجتماع، اربعین کی مشی (پیادہ روی) میں شرکت کرنے والوں کی سیاسی اور سماجی اجزاء کی افزودگی اور بیرونی تأثرات کا باعث ہوتا ہے۔

اس مقالہ میں اصلی سوال یہ ہے کہ اربعین کی مشی (پیادہ روی) کے اثرات کیا ہیں؟

مقالہ نگاروں نے اس تحریر میں دو پہلوؤں (سیاسی اور سماجی) سے مذکورہ سوال کا جواب دیا ہے۔اس تحقیقی باب میں سماجی اثرات (مثلاً شناخت، طرز زندگی، اصلاح معاشرہ اور ظہور کی زمینہ سازی۔۔۔) اور اسی طرح سیاسی اثرات (مثلاًمزاحمت، وحدت، امنیت اور سامراجیت سے ٹکراؤ۔۔۔) کو بیان کیا جائے گا۔

مقدمہ

شیعیت کے تحرکات کا بنیادی عنصر اور شیعی ثقافت کے اہم ترین محور، حضرت امام حسین علیہ السلام کا قیام اور تحریک عاشورہ ہے۔ یہ اہم ترین تاریخی معاملہ جو چودہ صدی قبل وجود میں آیا اور ہمیشہ کمال کی سمت گامزن رہا، آج ''تفکر حسینی'' یا ''تحریک عاشورہ'' کے عنوان سے ایک فکر میں تبدیل ہو چکا ہے، شیعوں کی فکری اور اعتقادی زندگی کی اصلی ترین رگ ہے اور اس کا اثر، تاریخ کی ظرفیت کے لحاظ سے اس زمانے سے اب تک بشریت کے مختلف پہلوؤں پر ظاہر ہوا ہے اور مسلمانوں کی ترقی میں اس کا بڑا حصہ رہا ہے۔

واقعۂ عاشورہ کے سوگ میں عزاداری کا سلسلہ سالہاسال سے شیعوں کے درمیان رائج تھا اور ہر زمانے میں، ہر جگہ مختلف انداز سے عزاداری ہوتی رہی ہے۔ اسی لئے امام حسین علیہ السلام کے قیام کا مختلف پہلوؤں (مذہبی، روحانی، سیاسی اور سماجی) سے جائزہ لیا جاسکتا ہے اور اس لئے بھی کہ اس عزاداری نے مختلف زمانوں

میں مختلف شکل و صورت اختیار کی اور مسلم معاشرے پر اس کے مختلف اثرات مرتب ہوئے۔ معاشرے پر حضرت اباعبداللہ علیہ السلام کی عزاداری کا اثر ابتدا سے ہی ظاہر ہونے لگا تھا اور آج روز بروز اس میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔ قیام توابین، قیام مختار، قیام زید سے لیکر ایران کے اسلامی انقلاب تک، حزب اللہ اور آخری دہائی میں اسلامی بیداری، اگر ان تبدیلیوں کیوجہ تحریک عاشورہ۔۔۔ کو جانا جائے تو بیشک عزاداری کو ان تبدیلیوں کی سماجی وجہ مانا جائے گا۔ کیونکہ انقلاب اور تبدیلی کے لئے برنامہ ریزی کے علاوہ ایک سماجی مقام کا ہونا بھی ضروری ہے اور اس مقام کا بہترین پہلو اور سبب مجالس اور جلوس عزا ہیں۔ لہٰذا اجتماعی عزاداری اور سوگواری کو اسلامی معاشرے کی تبدیلی کا موثرترین عنصر شمار کیا جائے گا۔

''اربعین حسینی کی پیادہ روی'' شیعوں کی عظیم ترین رسمی تقریب ہے، جس کو ایک وقت میں ایک جگہ انجام دیا جاتا ہے۔ شیعوں کی ایک بڑی تعداد اس تقریب میں شرکت کرکے اپنے سیاسی، اجتماعی اور مذہبی مختلف پہلوؤں کی دنیاوالوں کے مقابل نمائش کرتے ہیں۔ عراق کی بعثی حکومت گرنے کے بعد سے اس تقریب میں ہر سال ترقی ہو رہی ہے اور اس وقت اربعین، سیاسی اور سماجی لحاظ سے جہانِ اسلام کا موثرترین مظہر بن چکا ہے۔ لہٰذا اس کی مکمل شناخت کے لئے کتابخانوں اور فیلڈ میں سکیڑوں گھنٹے لگانے ہوں گے، اس مقالہ میں اربعین کے صرف مختصر پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

اس مقالہ میں اربعین کی پیادہ روی کے سماجی اور سیاسی اثرات کا جائزہ لیا جائے گا۔ اس تحقیق کے مصنفین، مرحلہ اول میں تقریب پیادہ روی کا مفہوم اور اس عبادت کی خصوصیات بیان کریں گے پھر اس کے سماجی اور سیاسی اثرات پر روشنی ڈالیں گے۔

یہ مقالہ، کتب خانہ کی تحقیق، کتابوں اور مقالات سے استخراج اور تجزیہ نگاروں کے تجزیہ سے استفادہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے۔

۱۔ اربعین کا مفہوم اور اس کی مختصر تاریخ

۱/۱۔ اربعین کی تعریف

لغت میں اربعین، چالیسویں کے معنی میں ہے۔

(دہخدا، ۱۳۷۲، ص ۱۳۷۳)

اصطلاح میں بیسویں صفر سنہ ۶۰ ہجری، حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے چالیسویں دن کو کہا جاتا ہے۔

(طوسی، ۱۴۱۱، ص ۷۸۷)

جس دن امام حسین علیہ السلام کے اہل بیت شام سے کربلا واپس آئے۔
(مفید، ۱۴۱۴، ص ۲۶)۔
دین کے بہت سے امور میں چالیس کی عدد کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔
مثال کے طور پر انسان کا چالیس سال کی عمر میں فکری طور پر بالغ ہونا[1] یا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہونا۔
(یوسفی غروی، ۱۳۸۸، ج۱، ص ۳۱۵)
یا حضرت موسیٰ سلام اللہ علیہ کی میقات کا چالیس دن میں مکمل ہونا۔
(نوری، ۱۴۰۸، ج۹، ص ۳۲۹)
یا مؤمن کے جنازے پر چالیس مؤمنوں کی گواہی جو اس کی مغفرت کا باعث ہوتی ہے[2]۔

۲٫۱۔ اربعین کی اہمیت قرآن اور حدیث کی روشنی میں

قرآن مجید کی بہت سی آیتوں میں ''اربعین'' کا لفظ آیا ہے[3]۔ ان تمام آیتوں میں اربعین چالیس اور چلہ کے معنی میں ہے اور ایک طرح سے اس عدد کے تقدس کی طرف اشارہ ہے[4]۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی حدیث میں ہے کہ مؤمن کی وفات پر زمین چالیس دن تک روتی ہے[5] اور حضرت امیر المؤمنین علیہ

۱۔ سورۂ احقاف/آیت ۱۵ ۔ « حَتّٰى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ؛
یہاں تک کہ جب وہ رشد کامل کو پہنچا اور چالیس سال کا ہوگیا تو کہنے لگا: میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکرادا کروں جس سے تونے مجھے اور میرے والدین کو نوازا اور یہ کہ میں ایسا نیک عمل کروں جسے تو پسند کرے اور میری اولاد کو میرے لیے صالح بنادے، میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

۲۔ قال الصّادق علیہ السلام: « إذا مَاتَ المُؤمِنُ فَحَضَرَ جنازتَه أَربعُونَ رَجُلاً مِنَ المُؤمِنِينَ فَقَالُوا اللّهُمَّ إِنّا لا نَعلَمُ مِنهُ إلّا خَيْراً وَأَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنّا قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ قَدْ أَجَزْتُ شَهَادَتَكُمْ وَغَفَرْتُ لَهُ مَا عَلِمْتُ مِمَّا لَا تَعْلَمُونَ؛ جب کوئی مؤمن دنیا میں وفات پاتا ہے اور چالیس مؤمنین اس کے جنازے پر گواہی دیتے ہیں کہ: خدایا! ہم اس کے بارے میں نیکی کے علاوہ کچھ نہیں جانتے، جبکہ تو اس کے بارے میں ہم سے بہتر جانتا ہے! خداوند عالم فرماتا ہے: میں اس مؤمن کے بارے میں تم لوگوں کی گواہی، کی تائید کرتا ہوں اور میں اس کے بارے میں جو جانتا ہوں اسے بخش دیا۔ (مجلسی، ۱۳۶۳، ج۱۰۴، ۶۲، حدیث ۳۵)

۳۔ قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ (مائدہ/۲۶) (اللہ نے) فرمایا: وہ ملک ان پر چالیس سال تک حرام رہے گا، وہ زمین میں سرگرداں پھریں گے، لہٰذا آپ اس فاسق قوم کے بارے میں افسوس نہ کیجیے۔

۴۔ وَإِذْ وٰعَدْنَا مُوسٰى أَرْبَعِينَ لَيْلَةً (بقرہ/۵۱) اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا تھا۔

۵۔ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلى اللهُ عَليه وَآله وَسَلَّمَ: « يَا أَبَاذَر! إِنَّ الْأَرَضَ لَتَبْكي عَلَى الْمُومِنِ إذامَاتَ أَرْبَعِينَ صَبَاحاً؛ اے ابوذر! جب کوئی مؤمن دنیا سے جاتا ہے تو زمین چالیس روز تک اس کی جدائی پر گریہ کرتی ہے۔ (طبرسی، ۱۳۶۸، ۴۶۵)

السلام کے بیان کے مطابق حضرت داؤد کی توبہ چالیس دن میں قبول ہوئی[1] اور حضرت امام سجاد علیہ السلام کے مطابق امام زمانہ عجل اللہ فرجہ کے ظہور کے وقت آپ کے ہر صحابی میں چالیس مؤمنوں کی طاقت ہوگی۔

۱/۳۔ اربعین کی پیادہ روی کی مختصر تاریخ

روایات میں اربعین کے دن حضرت امام حسین علیہ السلام کے زیارت کی بے حد تاکید ہے۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اربعین کے دن حضرت اباعبداللہ علیہ السلام کی زیارت کو مؤمن کی نشانیوں میں سے قرار دیا ہے[2]۔اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس دن سے مخصوص ایک زیارت انشاء فرمائی ہے۔ (طوسی، ۱۴۰۷، ج٦، ص ۱۱۳)

اس مقدس زیارت کی جڑوں کو بہت سی جگہوں پر تلاش کیا جا سکتا ہے؛ از جملہ اربعین کے دن حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت، مذہبی کتابوں میں آپ کو حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد پہلا زائر جانا جاتا ہے اور اسی طرح آپ ہی پہلے وہ شخص ہیں جس نے کربلا میں امام حسین علیہ السلام کی زیارت اور عزاداری شروع کی۔

''پیدل'' زیارت کرنا، زمانہ قدیم سے مرسوم ہےاور اس طرح کی رسم دوسرے مذاہب میں بھی مشاہدہ کی گئی ہےاور اس کے لئے کوئی زمانہ اور کوئی جگہ مخصوص نہیں ہے۔

بیان کیا گیا ہے حضرت آدم نے ایک ہزار مرتبہ خانہ خدا کی زیارت کی اور یہ راستہ اپنے قدموں سے (پیدل) طے کیا۔ (دربندی، ۱۳۹۲، ص۱۳٦)

روم کے بادشاہ قیصر نے اپنے خدا کی بارگاہ میں نذر کی تھی کہ ایرانیوں پر فتح پانے کی صورت میں بیت المقدس کی زیارت کے لئے قسطنطنیہ سے پیدل جائے گا اور اس نے یہ کام انجام بھی دیا۔ (سبحانی، ۱۳۸۵، ص٦۹٦)

۱۔امام علی علیہ السلام نے فرمایا: خداوند عالم نے حضرت داؤد پر وحی فرمائی: « إِنَّکَ نِعمَ العَبدُ لَو لَا اَنَّکَ تَأکُلُ مِن بَیتِ المَالِ وَ لَا تَعمَلُ بِیَدِکَ شَیئاً؛ ای داود! اگر بیت المال سے اپنا خرچ نکالنے کے بجائے اپنی محنت کی کمائی سے اپنی زندگی کا خرچہ پورا کرتے تم اچھے بندے ہوتے۔ پس حضرت داؤد نے چالیس صبح استغاثہ فرمایا اور زرہ سازی میں مشغول ہوگئے اور بہت دولت کمائی۔ (حر عاملی، :۱۴۱٦، ج۱۷، ۳،

۲۔امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا: «عَلَامَاتُ المُؤمِنِ خَمسٌ: صَلاۃُ إِحدیٰ وَ الْخَمسِینَ، أی الفَرائِضَ الیَومِیَّۃَ وهِیَ سَبعَ عَشرَۃٍ رکعۃً وَ النَّوَافِلَ الْیَومِیّۃَ وَهِیَ أَربعٌ وَثَلاثُونَ رکعۃً، وَ زِیارۃُ الأَربَعِینَ وَالتَخَتُّمُ بِالْیَمِینِ وَتَعْفِیرَ الجَبِینِ بِالسُّجُودِ وَالجَهرَ بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ؛ مؤمن کی پانچ نشانیاں ہیں: روزانہ ۵۱ رکعت نماز (۱۷رکعت واجب اور ۳۴رکعت نافلہ)، روز اربعین زیارت امام حسین علیہ السلام، داہنے ہاتھ میں انگوٹھی، خاک پر سجدہ کرنا، نمازوں میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھنا۔ (طوسی: ۱۴۱۱، ۷۸۷)

پیدل زیارت کرنے کی رسم کا تمام مذاہب میں پایا جانا، اس بات کی دلیل ہے کہ زیارت کا یہ طریقہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔

دینِ اسلام میں بھی پیدل زیارت کرنے پر، بے حساب اجر و ثواب لکھا ہوا ہے۔ امام صادق علیہ السلام کی نظر میں ایک بار پیدل حج کرنے کا ثواب ۷۰ حج کے برابر ہے (ابن بابویہ، ۱۴۱۳، ج۳، ص۵۳)

اسی طرح آپ فرماتے ہیں: ''جو شخص حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی زیارت کے لئے پیدل جائے گا، خداوند عالم اسے ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب عطا فرمائے گا اور اگر واپس بھی پیدل جائے گا تو دو حج اور دو عمرہ کا ثواب لکھے گا۔ (ابن طاؤس، ۱۳۹۲، ص۷۵)

آپ ایک دوسری حدیث میں فرماتے ہیں: ''جو شخص قبر امام حسین علیہ السلام کی زیارت کرنے کے لئے پیدل جائے گا خداوند عالم اسے ہر قدم پر اولادِ حضرت اسماعیل سے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب عطا فرمائے گا۔ (ذہنی تہرانی، ۱۳۸۹، ص۴۳۹)

جناب ابن قولویہ نے ''کامل الزیارات'' میں حضرت ابا عبداللہ علیہ السلام کی پاپیادہ زیارت، کے ثواب کے بارے میں دس روایتوں سے زیادہ، نقل کی ہے کہ جن میں سے بعض یہ ہیں:

تمام گناہوں کا بخشا جانا

ہر ہر قدم پر پاک ہونا

پہلے قدم پر ہی تمام گناہوں کا محو ہو جانا اور دوسرے قدم پر حسنات کا لکھا جانا

دنیا اور آخرت میں بلاؤں کا دور ہونا

دنیاوی حاجت پوری ہونا

آتش جہنم سے آزادی و۔۔۔ (ر۔ک، ابن قولویہ، ۱۳۷۵، ص۱۴۲۔۱۴۵)۔

آہستہ آہستہ احادیث کی تبعیت میں پیدل زیارت کرنا، عوام اور خواص کے درمیان مرسوم ہو گیا۔ مرحوم آخوند خراسانی، مرحوم شیخ انصاری، مرزا حسین نوری و۔۔۔ ان بزرگان میں سے ہیں جو پاپیادہ زیارت کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ اسی طرح شیعہ حکومتوں کے حاکم از جملہ جلال الدولہ آل بویہ، جس نے خندق (کوفہ کا ایک علاقہ) سے مشہدِ امیر المؤمنین علیہ السلام، نجف اشرف تک پیدل سفر کیا۔ (ابن جوزی، ۱۴۱۲، ج۸، ص۱۰۵) اور شاہ عباس صفوی نے اصفہان سے مشہد الرضا تک کا راستہ پیدل طے کیا۔ (سیوری، ۱۳۹۵، ص۹۵؛ والہ اصفہانی، ۱۳۸۰، ص۱۷۶)

مندرجہ بالا دستاویزوں کی بناء پر "پا پیادہ زیارت کی اہمیت" اور اسی طرح "روز اربعین زیارت امام حسین علیہ السلام کی اہمیت" دونوں چیزیں ایک دوسرے سے مل کر "اربعین کی پیادہ روی" کے عنوان سے ایک عظیم الشان تقریب بن گئی جو صدیوں سے سید الشہدا علیہ السلام کی محبت کا مظہر اور شہادت و ایثار کی ثقافت کا گھر ہے۔

۱/۴۔ تحقیق کا سابقہ

اب تک، زیارت کا تجربہ، زیارت کے اثرات، اربعین حسین کی پیادہ روی، اس مختلف پہلو اور اس کے اثرات کے بارے میں مختلف اور خصوصی تحقیق انجام پائی ہے۔ مثال کے طور پر گراؤنڈ رسرچ میں جناب یوسفی اور ان کے ساتھیوں نے ۱۳۹۱ میں ۶ زائرین سے ایک با مقصد و مفید انٹرویو لیا جس میں انھیں یہ معلوم ہوا کہ تقدس، شفاعت، والہانہ عشق، خضوع، توسل، مناجات اور سکون، زیارت کے مرکزی معنی ہیں جن کو تین عناوین میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے:

زیارت کے آداب، زیارت ہونے والی شخصیت کا خارق العادۃ ہونا اور جذبہ۔

اسی طرح یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ تینوں چیزیں تمام شرکت کرنے والوں میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زیارت ایک سماجی رجحان ہے۔

رضوی زادہ نے (۱۳۹۶) میں ۳۶ ضعیف ایرانی مرد اور عورت سے کربلا کے راستہ میں جو انٹرویو لیا اس کے تجزیہ سے اس تجربہ کے بارے میں تین طرح کے اصلی خیالات سامنے آئے ہیں:

۱۔امر مادی کے تعلیق کا تجربہ (۲) با معنی مقدس مصیبت، (۳) اجتماعی عبادت کا جذبہ۔ البتہ یہ تین خیالات خود ۶ر فرعی گفتار پر مشتمل ہے: عقلی آلہ کار کا رابطہ، سماجی بھید بھاؤ کا خاتمہ، قدسی اور غیبی امور کا ادراک، انعام اور جزاء کی امید، مذہبی اجتماع سے قومی شناخت کا رابطہ اور تاریخی رنج آلود واقعہ کی ترمیم کے ساتھ مذہبی عقیدت کا عملی اعلان۔

"عقلی آلہ کار کا ربط" خود دو اجزاء پر مشتمل ہے۔

اسی طرح طالبی اور براق پور (۱۳۹۴) کی پیراڈائیم ماڈل کی شکل میں جو تحقیق ۱۰ زائرین کے انٹرویو کے ذریعہ وجود میں آئی ہے، کریسٹیا اور ان کے معاونین (۲۰۱۶ش) ۲۴۱۰ عراقی اور ۱۶۶۸ ایرانیوں سے زیارت کی دلیل کے سلسلہ میں جو انٹرویو لیا، طاہری (۱۳۹۴ء) نے ۵۳۸ حاجیوں اور زائرین بیت اللہ سے جو انٹرویو لیا، وہ اس سلسلہ کی میدانی تحقیق شمار ہوتی ہے۔

کتب خانہ کی تحقیقات میں جن پہلوؤں پر تحقیق ہوئی ہے ان میں زیارت کی سوشیالوجی سے لیکر اربعین کی پیادہ روی کے مختلف پہلو وغیرہ۔۔۔ شامل ہیں۔ مثال کے طور پر لانکوار (۱۳۸۱ش) نے اپنی تحقیق میں کہا ہے کہ زیارت کا سفر، روحانی کارکردگی کی وہ شکل ہے جو در حقیقت زندگی کی کمیوں کی تکمیل کے لئے انجام دیا جاتا ہے اور زائر اس سفر میں اپنی زندگی کے نامساعد حالات پر غلبہ پانے کی کوشش کرتا ہے۔

جوادی آملی (۱۳۹۴ش)

جدید عیسوی دہائی میں زیارت کی حیات نو کے تجزیہ میں بیان کرتے ہیں کہ جس دور میں اقدار تبدیل ہو رہے ہیں، زیارت کی طرف خاص توجہ اس بات کی علامت ہے کہ بے شمار لوگ اپنی روز مرہ کی زندگی کو چھوڑ کر ایک حقیقی زندگی کی تلاش میں دوسری جگہوں کا سفر کرتے ہیں۔ دین کا عقیدہ رکھنے والے ان مقامات کا سفر کرتے ہیں جہاں انھیں اللہ سے قریب ہونے کا احساس ہو۔ ان مقامات پر مؤمنین اپنے عقیدہ اور ایمان کو تازہ کرتے ہیں۔ فلاناگان (۱۳۹۴ش) کی تحقیق کے مطابق مذہبی رسومات کے مختلف اثرات ہیں جیسے سکون و اطمینان، عبادت، سماجی اور جسمانی حیات۔

امین (۱۳۹۵ش) نے ایک تحقیق میں اربعین حسینی کی پیادہ روی کی خصوصیات میں تین بنیادی ارکان جوہر، قالب اور کارکردگی کو شمار کیا ہے۔ انھوں نے زائرین، مروجین اور مجریوں کی تفسیر کی دیدگاہ سے اس تقریب کا جائزہ لیا ہے۔

۲۔ اربعین حسینی کی پیادہ روی

۲/۱۔ تقریب کی تعریف (آئین)

ائین یعنی تقریب، ایک سماجی معاہدہ یا سماجی طرز عمل کی ایک صورت ہے جس کو بے پناہ شوق اور جذبات کے ساتھ انجام دیا جاتا ہے۔

(Kanekar, 1992, P89)

تقریب، سماجی نمائش کی موشگافی کا قوی ترین وسیلہ ہے کہ جس کے ذریعہ اہم ترین تہذیبی خصوصیات جو اس نمائش میں پوشیدہ ہیں، عیاں ہوتی ہیں۔

(ترنر، ۱۳۷۸: ۸۲)

دورکیم (۱۹۶۵ء) کی نظر میں تقریب ایک عملی رسم ہے جو مقدس دین کی روح پر مشتمل ہوتا ہے اور باکوک کی نظر میں تقریب ایک جسمانی نمائش ہے جو سمبُل اور علامات پر مشتمل ہوتی ہے۔

(Bacock, 1974, P 463)

ظاہر ہے کہ سماجی علوم کے دوسرے مفاہیم کی طرح "تقریب" کی بھی مختلف تعریفیں ہیں۔ تقریب شناسی کی ادبیات میں ثقافتی مفہوم کی طرح تقریباً مصنفین کی تعداد کے برابر، تقریب کی تعریف موجود ہے۔ (رودنبولر، ۱۳۸۷، ص۴۰)

شیعہ تقریبات کے درمیان، اہم ترین تقریب (حسینی اور عاشورائی تقریب) کو جانا جاسکتا ہے۔ بنیادی طور پر شیعوں کی عزاداری، بالخصوص عاشورہ کی عزاداری کو شیعوں کے نمایاں ترین ایام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ (بلوشر، ۱۳۶۳، ص۸۷)

تاریخ شیعیت میں ہمیشہ، عاشورہ کی عبادت، لوگوں کے دینی اور مذہبی تفکر بنیاد اور سماجی وجدان کا امتزاج ہے۔ امام حسین علیہ السلام کی عزاداری، شیعوں کے لئے اہم ترین اجتماعی عبادت اور دینداری اور مذہبی تجربات کا بنیادی میدان ہے۔ اس تقریب کی مختلف شکل اور صورت لوگوں کے دینی، ثقافتی، سماجی اور سیاسی شناخت کا اصلی محمل ہے (رحمانی، ۱۳۹۲، ص۱۷) "اربعین حسینی کی پیادہ روی" شیعوں کی مذہبی تقریبات میں عظیم ترین تقریب ہے جو ایک مقام پر ایک وقت میں انجام پاتی ہے۔ اس تقریب میں شیعہ حضرات بہت بڑی تعداد میں جمع ہوتے ہیں اور اپنی سب سے عظیم تقریب انجام دیتے ہیں۔

۲/۲۔ اربعین کی خصوصیات

۲/۲/۱۔ تفریح اور سیاحت کے پہلو کا نہ ہونا

اربعین کی پیادہ روی ایک ایسی تقریب ہے جو سفر پر مشتمل ہے، لیکن اس میں تفریح اور سیاحت کا پہلو بالکل نہیں ہے۔ ایسا سفر جس میں یہ تقریب انجام پاتی ہے خوشی سے خالی ہوتا ہے البتہ اس طرح کے سفر کا ہدف اہل بیت پیغمبر ﷺ کی جسمانی اور معنوی مصیبت کا ادراک اور ان کے سوگ میں شریک ہونا ہوتا ہے۔ واضح لفظوں میں، شیعہ حضرات یہ سفر اس لئے کرتے ہیں تاکہ ان میں روحانی تبدیلی پیدا ہو جائے اسی لئے اس کا ہدف سیر اور تفریح نہیں ہے۔ اسی لئے اربعین کی تقریب دنیا کی تمام تر تقریبات سے بالکل الگ ہے۔

۲/۲۔ قدسی خصلت (غیر قابل ادراک خصوصیت)

تقریبات، عام طور پر ایک مقدس قدرت کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے انجام دی جاتی ہیں۔ (براکت، ۱۳۶۳، ص۲۶۷)، تقریب کا تعلق ایک مقدس چیز سے ہوتا ہے۔ قدسی ہونے کا معیار، اس اجتماع میں شرکت کرنے والوں کا انداز ہوتا ہے؛ یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ مقدس موضوع ان کی نظر میں کس درجہ محترم ہے۔ (رودنبولر، ۱۳۸۷، ص ۶۴-۶۶)۔ دوسرے لفظوں میں، تقریبات میں غیر قابل ادراک رنگ کا ہونا ضروری ہے۔ (بشیر، ۱۳۹۰ص۲۳۹)

راستہ کی مٹی کا متبرک ہونا، سبیل اور تبرک کا شفابخش ہونا و۔۔۔ اس تقریب کی خصوصیات میں سے ہیں۔ (امین ۱۳۹۵، ص۳۹) پیادہ روی والے راستہ پر ایسے زائرین بھی نظر آتے ہیں جو جسمانی طور پر معلول ہوتے ہیں، ایسے بوڑھے مرد اور عورتیں بھی دکھائی دیتے ہیں جن کے لئے پیدل چلنا دشوار ہوتا ہے اور ایسی خواتین اور بچے دیکھے جاتے ہیں جو راستہ کی سختیوں سے پہلی بار دچار ہوتے ہیں و۔۔۔ ان تمام مناظر کی وجہ، سفر اربعین کا قدسی ہونا ہے ورنہ اگر یہ خصوصیت نہ ہوتی تو اس طرح کے حیرت انگیز مناظر نہ ہوتے۔

اربعین کے اس عظیم الشان اجتماع میں کسی طرح کا اختلال اور بحران نہ ہونا، اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں کسی غیر قابل ادارک طاقت (غیبی امداد) کا ہاتھ ہے۔ چھوٹے چھوٹے اجتماعات مثلاً مسابقے اور مقابلے، جشن اور عزاداری میں بعض چیلنجز کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن کو یہاں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اربعین کی پیادہ روی میں ۲۷ / ملین افراد مختلف ممالک سے آتے ہیں، اس کے باوجود کسی طرح کی کوئی مشکل نظر نہیں آتی۔ میری نظر میں یہ صرف اور صرف غیبی امداد سے ہی ممکن ہے۔ خداوند عالم کا مسلمانوں اور مؤمنوں کی نصرت اور مدد کرنا، غیبی امداد کہلاتا ہے، چاہے خدا بطور مستقیم نصرت کرے اور چاہے نبیوں اور اماموں کے ذریعہ نصرت کرے۔ (قوام، ۱۳۸۴، ص۱۶) غیبی امداد کی روشن مثالوں کو انقلاب اسلامی اور ۸/سالہ جنگ کے دوران دیکھا جا سکتا ہے[۱]۔

۲/۲/۳۔ عوامی ہونا، حکومتی نہ ہونا

اس عزاداری کی تقریب میں لوگوں کا رضاکارانہ طور پر شرکت کرنا، اس کے اخراجات میں حصہ لینا اور کاموں کو اپنی مرضی سے بڑھ چڑھ کر انجام دینا، ان تمام چیزوں کو دیکھتے ہوئے اسے "عوامی تقریب" کا نام دیا جا سکتا ہے (امین، ۱۳۹۵، ص۴۳) جناب محسنیان اس طرح کے انتظام کو "انتظامیہ بورڈ" کہتے ہیں، ان کی نظر میں انتظامیہ بورڈ مکمل طور پر مقامی اختراع ہے جس نے تحریک عاشورہ کی یاد اور معاشرے کے حق میں ایثار کا جذبہ، چودہ صدیوں سے محفوظ رکھا ہے۔ اس طریقہ کار اور اس انتظام کی خصوصیات ہیں: رضاکارانہ، محبت و عقیدت، جوش و خروش، ثواب کی چاہت، ہماہنگی، اور ذمہ داری (محسنیان، ۱۳۸۶، ص۴) اسی بناء پر، اربعین کے اس عظیم اجتماع میں حکومت یا حکومتی اداروں کی کوئی دخالت نہیں ہوتی، اس کے تمام تر انتظامات خود لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں۔ ایک شرح کی مطابق تقریباً ۲۷ ملین افراد اربعین میں شرکت کرتے

۱۔ مزید مطالعہ کے لئے: رجوع فرمائیں: قوام، ۱۳۸۴

ہیں اور ہر شخص کم سے کم دس دن عراق میں ٹھہرتا ہے(جمہوری اسلامی خبر رساں ایجنسی، خبر کوڈ: ۸۱۸۶۴۰۱۴)

ظاہر سی بات ہے کہ اس کے انتظام میں بہت زیادہ دشواریاں پیش آنی چاہیئے لیکن لوگوں کے انتظامات کی وجہ سے کسی طرح کی کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ لہٰذا اربعین کی پیادہ روی کا سب سے مثبت نقطہ، اس کے انتظام کا لوگوں کے ہاتھ میں ہونا ہے۔

۳۔ اربعین کی پیادہ روی کے سماجی اثرات

۳/۱۔ شناخت

عام طور پر تقریبات کے سماجی اثرات میں اہم ترین اثر، شناخت ہے۔ ثقافتی شناخت، مشترک عقائد اور اقدار کے تکرار سے محفوظ رہتی ہے اور رسومات کا قیام اور اسی طرح سماجی اور ثقافتی بحران سے حفاظت کے لئے اس کا اگلی نسلوں تک انتقال، ہر تقریب کا بنیادی اثر ہوتا ہے۔ (توسلی، ۱۳۶۹ ص۱۵۳) حسینی اور ان کے اہل کاروں کی نظر میں، عمل شناخت اور اندرونی واقفیت (بالخصوص جوانوں اور نوجوانوں کے لئے) کے مراحل میں مذہبی شناخت، اہم ترین قدم ہے۔ (حسینی اور ان کے اہل کار، ۱۳۸۹، ص۶۸) اربعین میں شرکت کرنے والے لوگ، پیادہ روی کے دوران، بے شمار نظریاتی مسائل از جملہ دین کی حقیقت، مذہب تشیع کے اصول اور قیام امام حسین علیہ السلام کی کیفیت اور ہدف سے آشنا ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ معرفت، اس شناخت کا باعث ہوتی ہے جو سماج کے مختلف مراحل میں اثر انداز ہے۔

تقریبات کے ذریعہ شناخت کا حاصل ہونا اس حد تک اثر انداز ہوتا ہے کہ مذہبی رسومات اور فردی زندگی پر اس کا سایہ پڑتا ہے۔ (دغاقلہ، ۱۳۸۶، ص۶۵) اس طرح پیادہ روی سے حاصل ہونے والی تہذیب اور اس کا ماڈل، شرکت کرنے والوں کی زندگی کے طور طریقہ میں اثر انداز ہوتا ہے۔ لہٰذا اربعین کو ثقافت کی غذا اور موثر ترین زندگی کا انداز کہا جاسکتا ہے۔

۳/۲۔ اسلامی طرز زندگی کی تشکیل

آنتونی گیڈنز کی نظر میں طرز زندگی کی اصل وہ حقیقی نظام ہے جس کو لوگ اپنے عقائد کی بنیاد پر تیار کرتے ہیں۔ انسان منتخب شدہ اصول کا ایک مجموعہ دل سے تسلیم کرتا ہے اس کے بعد اپنے اعمال کو انھیں اصول کے مطابق انجام دیتا ہے۔ (گیڈنز، ۱۳۷۸، ص۱۱۹۔۱۲۹) اربعین کی پیادہ روی میں شرکت کرنے والے لوگ اس راستہ میں بہت سے ثقافتی اصول سے آشنا ہوتے ہیں جن کا اثر اسلامی طرز زندگی کے مختلف پہلوؤں پر پڑتا ہے۔ شیعوں کی زندگی کے ثقافتی اور سماجی اصول، ایک زمانے سے ترقی کی راہ پر گامزن ہیں اور وہ مختلف مرحلوں سے

گزرتا ہوا آج کمال کی منزل پر پہونچ چکا ہے، جس کو اربعین میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ روحانی سرور اور نشاط، مال و منال کی قربانی، عراقیوں کی طرف سے زندگی کے تمام تر امکانات کو زائرین کے حوالہ کر دینا، زائرین کے درمیان بھید بھاؤ نہ رکھنا، شرکت کرنے والوں کا رنگ و نسل اور قومیت اور زبان سے الگ ہو کر ایک دوسرے سے انس و محبت اور ایک دوسرے کے آداب و رسوم کا احترام، یہ ساری چیزیں شرکت کرنے والوں کے کمال کردار کو نمایاں کرتی ہیں۔ جو لوگ پہلی بار اس طرز زندگی سے آشنا ہوتے ہیں انھیں اپنی سمت یہ تقریب جذب کر لیتا ہے جس کے بعد وہ ایک جدید طرز زندگی میں قدم رکھتے ہیں اور جو سالہا سال سے اس فضاء میں رہے ہیں ان کے لئے اربعین کی پیادہ روی بے نیازی کا باعث ہوتی ہے۔

اربعین کے اجتماع میں معاشیات کا ایک سیسٹمیٹک نظام نظر آتا ہے جو لوگوں کی رضاکارانہ شرکت اور تعاون سے وجود میں آتا ہے۔ ایسا تعاون جو یورپ کی مطلبی دنیا میں قابل تصور نہیں ہے۔ اس ثقافتی نظام کے باعث امنیت پیدا ہوتی ہے اور لوگوں کے جسم، حفظان صحت اور غذا کا مناسب انتظام کیا جاتا ہے۔ (محمدی سیرت، ۱۳۹۵، ص۱۹) اگر اسلامی برادری میں یہ اصل زندہ ہو جائے اور لوگ دوستی اور رشتہ داری سے الگ ہو کر ایک دوسرے کا تعاون کریں اور سامراجیت کا ساتھ دینے سے گریز کریں تو سماج کی بے شمار برائیاں ختم ہو جائیں گی۔ (مکارم شیرازی، ۱۳۷۴، ج۴، ص ۲۵۴)

گزشتہ عنوان میں بیان کیا گیا ہے کہ مذہبی تقریبات سے جو شناخت حاصل ہوتی ہے وہ شرکت کرنے والوں کے لئے طرز زندگی کی تشکیل میں اثرانداز ہوتی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ تقریب پیادہ روی سے جو طرز زندگی وجود میں آتی ہے وہ لوگوں کی شناخت میں موثر ہوتی ہے۔ بہت سے محققین اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ طرز زندگی کا شناخت میں بہت بڑا کردار ہوتا ہے۔ (Barber et al, 2005, p 185; Gaggard et al, 1991, p103؛ خواجہ نوری اور ان کے معاونین، ۱۳۸۹، ص ۱۲۷۔ ۱۵۲)

۳/۴۔ اصلاح معاشرہ اور ظہور کی تیاری

حضرت امام حسین علیہ السلام کا قیام اصلاح معاشرہ اور احیائے دین کے لئے تھا[۱]۔ قیامِ عاشورہ اور انتظارِ موعود، دونوں ایک دوسرے کے لئے باعث تکمیل ہیں۔ امام حسین علیہ السلام کا یزید کی فاسد اور گمراہ حکومت کی اصلاح کے لئے پُرجوش قیام، شیعوں کے لئے بہترین لائق تقلید نمونہ ہے جس سے سبق حاصل کرکے انسان

۱۔ ''اِنّی لَمْ اَخْرُجْ اَشِراً وَ لَا بَطِراً وَ لَا مفُسِداً وَ لَا ظَالِماً اِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْاِصْلَاحِ فِی اُمَّۃِ جَدِّی''؛
میں نے شر، فتنہ اور فساد کے لئے قیام نہیں کیا ہے، میں صرف اور صرف اپنے نانا کی امت کی اصلاح کے لئے قیام ہے۔ (مجلسی، ۱۳۶۳، ج۴۴، ص ۳۲۹)

ہر زمانے میں اور ہر جگہ اسلامی معاشرے کی سیاسی پیش رفت میں ایک نمایاں کردار ادا کر سکتا ہے۔ (رستمی ۱۳۸۸، ص۱۶۹) اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہر انقلاب کے آغاز میں ہی کچھ سماجی قواعد اور گروہی اصول بنائے جاتے ہیں جو سماجی زندگی میں مختلف صورتوں مثلاً تقریب، رسومات، اقدار اور سماجی اصول، میں قابلِ استفادہ ہوتے ہیں۔ انقلابِ عاشورہ جس کو ایک اہم ترین ثقافتی انقلاب مانا جاتا ہے، اس میں بھی یہ خصوصیت موجود ہے۔ (جان احمدی، ۱۳۸۸، ص ۲۵۳) اگر دور کیم کا نظریہ مان لیا جائے کہ بغیر غرض کے کوئی معاشرہ تشکیل نہیں پاتا، (گیڈنز، ۱۳۷۶، ص ۱۶۳) تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ شیعہ معاشرہ، عاشورائی غرض کے ساتھ تشکیل پایا اور آہستہ آہستہ ایک سماجی صورت میں تبدیل ہو گیا، اس کے اخلاقی اقدار نے تقریبات اور رسومات کی شکل لے لی اور ان کے ذریعہ معاشرہ کی اصلاح اور سماج کی کردار سازی کا کام ہونے لگا۔ (مندراس، ۱۳۸۴، ص۱۶۷) اس اصلاح اور انتظام کا نمونہ، اربعین حسینی کی پیادہ روی میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اس تقریب میں کئ ملین شیعہ، حسینی تعلیمات (مثلاً ظلم اور فساد کے خلاف قیام، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، ہجرت اور جہاد) سے سبق لیکر اسے اپنا شعار قرار دیتے ہیں۔ یہ انداز اس حد تک آگے بڑھتا ہے کہ ایک گروہی شعار سے نکل کر سماجی اصلاح میں بدل جاتا ہے جس کا اثر آج مشرق وسطیٰ کے ممالک میں اسلامی بیداری کی شکل میں دیکھا جا سکتا ہے۔ آہستہ آہستہ یہ گروہی شعار، ایک جماعت کی تحریک میں بدل کر اسلامی معاشرے میں سماجی تبدیلی کا باعث ہوتا ہے کہ اس تبدیلی کا اصلی ہدف حضرت بقیت اللہ الاعظم کے ظہور کی تیاری ہے اور حضرت کے ظہور سے معاشرے کی اصلاح کا کام مکمل ہوگا۔ اسی لئے اربعین کی پیادہ روی کا اہم ترین اثر، معاشرے کی اصلاح اور ظہور کی تیاری کو جانا جاسکتا ہے۔

۳/۴۔ اجتماعی اور فردی مصائب اور مشکلات سے نجات

دور کیم کا نظریہ ہے کہ دینی تعلیمات اور فردی اور گروہی عبادت سے انسانوں کو رنج و مصائب سے نجات ملتی ہے اور ناامیدیاں ختم ہو جاتی ہیں اور مشکلات اور پریشانیاں برداشت کرنے کا حوصلہ بڑھتا ہے اور سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ ان فردی اعمال کے انجام دینے کی صورت میں، دین انسانوں کو اجتماعی سکون عطا کر سکتا ہے (بینگر، ۱۹۷۰، ص۹) وبر کی نظر میں بھی دین کا مقصد انسان کو ذہنی سکون عطا کرنا اور ظاہری زندگی کو حقیقی زندگی میں بدلنا ہے۔ (Weber, 1970, p 281) ایک معاشرے کے لوگوں کا ایک انداز کا گروہی عمل انجام دینا، مثلاً ایک معین اور اجتماعی تقریب، اس معاشرے کے لوگوں کے درمیان آپسی محبت کو بڑھاتا ہے۔ اس طرح سماجی یکجہتی اور ہم آہنگی کو قوّت ملتی ہے اور معاشرے کی بقاء اور پائیداری کے اسباب فراہم ہوتے ہیں۔ (توسلی، ۱۳۸۰، ص ۱۲۴۔ ۱۳۵) ترنر کے بیان کے مطابق، عام طور پر تقریبات اور رسومات

سے معاشرے کے لوگوں کے درمیان فاصلہ کم ہوتا ہے۔ (ترنر، ۱۳۷۸، ص۸۰۔ ۹۶) اور جب ان تقریبات میں مذہبی رنگ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا اثر بڑھ جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں یہ سماجی تقریب با معنی ہو جاتی ہے اور ثواب کا وعدہ اسے اور پر کشش بنا دیتا ہے۔ تقریبات سے اجتماعی روابط مضبوط ہوتے ہیں اور سماجی کشمکش دور ہوتی ہے۔ (امین، ۱۳۹۶، ص۵۱)

واقعۂ عاشورہ کا ایک اثر یہ ہے کہ اس کی یاد سے انسان کو ایک طرح کا سکون اور آرام ملتا ہے۔ در حقیقت مجالس عزاء اور ذکر مصیبت کا ایک اثر روح کی تبدیلی اور قلب کا سکون ہے۔ اربعین کی احتجاجی پیادہ روی میں شریک ہونا، خود سکون اور نشاط پانے کا ایک ذریعہ ہے۔ انسان اس پروگرام میں جاتا ہے تو امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کی سب سے بڑی خصوصیت (سکون اور اطمینان) کے اسباب کے علم کے ساتھ ساتھ یہ سیکھتا ہے کہ زندگی کے سخت ترین لمحات میں کس طرح اپنا آرام و سکون محفوظ کیا جا سکتا ہے اور مشکلات اور مصائب کا مقابلہ کس طرح کیا جاتا ہے، کیونکہ امام حسین علیہ السلام کے اصحاب اگرچہ الگ الگ قوم و قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے اصول و قوانین الگ الگ تھے اس کے باوجود ان میں ذرہ برابر اختلاف نہیں ہوا۔

۳/۵۔ ایک جدید سماجی نظام کی پیدائش

دور کیم کا مشہور ترین سماجی نظریہ ہے محبت اور آپسی روابط سے جو سماجی نظام پیدا ہوتا ہے اس کی بقاء میں تقریبات کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے، چھٹیاں اور مقدس ایام کی وجہ سے اجتماعی زندگی میں جو "وقفہ" پیدا ہوتا ہے، اس سے ایک دوسرے کے پاس بیٹھنے اور انھیں سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ تقریبات کی وجہ سے حاصل ہونے والی ہم نشینی سے معاشرے کے بکھرے ہوئے لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے آداب و رسوم سے آشنا ہوتے ہیں اور اس طرح ان کے اندر "سماجی نظم" کی روح پیدا ہوتی ہے۔ (رودنبولر، ص۹۱۔ ۹۲) ویل دورینٹ کی نظر میں ثقافت ایک سماجی نظم ہے جس کی وجہ سے ثقافتی خلاقیت پیدا ہوتی ہے، اس خلاقیت کا ظہور اسی صورت میں ممکن ہے جب معاشرے سے حرج و مرج کا خاتمہ ہو جائے اور مکمل طور پر امنیت پیدا ہو جائے۔ (دورینٹ، ۱۳۳۱، ص۱۹) جدید سماجی نظام کی پیدائش، اربعین کا دوسرا عظیم اثر ہے۔ سماجی نظام، ثقافت کی ایک ذیلی قسم ہے جس میں ثقافت کے تمام اجزاء کو منظّم کرنا ممکن ہوتا ہے۔ (محمدی سیرت، ۱۳۹۵، ص۲۰)

اربعین کی مشی (پیادہ روی) مذہبی تقریب کا ایک مظہر ہے، جس نے عراق جیسے پُر آشوب اور غیر منظّم ملک میں، نظم کی ایک جدید تصویر پیش کی ہے۔ ایک ایسی تصویر جو آج تک دنیا کے تجربہ کار ممالک بھی نہ پیش کر سکے۔ مثال کے طور پر اربعین میں وہ سماجی نظم ہوتا ہے جس کی وجہ سے ۲۷/ ملین لوگوں کی تقریب میں، سعودی عرب کے ۳/ ملین والی حج کی تقریب کے مقابلہ بہت کم پریشانیاں آتی ہیں۔ اس سکون اور ثبات کے

رموز اربعین کے مختلف اجزاء میں نہاں ہے، ان رموز کے نتیجہ کو ہم ''جدید سماجی نظام'' کا سبب مانتے ہیں۔اس طرح اربعین کی پیادہ روی سے جدید سماجی نظام کی پیدائش کے ساتھ ساتھ ، قومی سماجی نظام بھی وجود میں آتا ہے جو عراق کی سیاست اور امنیت میں موثر ہوتا ہے۔

۴۔اربعین کی پیادہ روی کے سیاسی اثرات

اسلام میں سیاست، عین دیانت ہے، اربعین کو اسلام کے اس نظریہ کا بارز نمونہ جانا جا سکتا ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ قیام امام حسین علیہ السلام اور عاشورہ کا فلسفہ، معاشرہ کی اصلاح اور ظالمانہ نظام سے مقابلہ ہے تو اربعین اس کی یاد ہے۔دوسرے لفظوں یہ کہا جائے کہ شیعہ حضرات اربعین کے موقع پر اپنی طاقت کا مظاہرہ کرکے یہ بتاتے ہیں کہ ہم اپنے امام کی طرح ظلم اور فساد سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں اور اس بات میں اس لئے دم پایا جاتا ہے کیونکہ ہر قوم اور ہر ملک کا شیعہ، اس میں ہوتا ہے اور اس طرح امام حسین علیہ السلام کا ظلم سے ٹکرانا اور امام حسین علیہ السلام کی نظر میں دین اور سیاست کی عینیت، عالمی سطح پر ظاہر ہوتی ہے۔

۴/۱۔ ظلم اور استکبار سے مقابلہ اور بیزاری

تحریک عاشورہ نے دنیا والوں کو یہ بتادیا کہ ظلم، فساد اور استکبار سے ٹکرانا ہی اس سے مقابلہ کا واحد راستہ ہے۔ قیام حضرت اباعبداللہ کا اصلی پیغام یہ تھا کہ معاشرہ کی اصلاح اور دین کی ترویج کے لئے موجودہ حالات اور حاکم نظام سے ٹکرانا ضروری ہے۔ شیعیت کی تاریخ، سیاسی جد و جہد اور ظالموں کی بغاوت سے بھری پڑی ہے۔

الشیبی کی نظر میں ظالم سے مقابلہ، شیعوں کی میراث ہے جس کی ابتدا سقیفہ ہے اور جس کا عروج عاشورہ ہے، لہٰذا شیعہ اپنی اس میراث سے کبھی دور نہیں ہوئے۔ (الشیبی، ۱۳۸۰، ص۲۶۔۳۶) شیعوں کے اس مستقل جد و جہد سے چار اہم ترین کامیابیاں حاصل ہوئیں:

(۱) نظریۂ تقیہ کی پیدائش، جو کہ شیعیت کی حفاظت اور بقاء کی سیاسی اور اعتقادی حکمت عملی ہے۔ (امین، ۱۳۹۵، ص ۶۴)

(۲) نظریۂ امامت کی پیدائش، اس نظریہ کی بنیاد یہ ہے کہ امام، خداوند عالم کی طرف سے منسوب ہوتا ہے۔ (امین، ۱۳۹۵، ص ۶۴)

(۳) نظریۂ عصمت کی پیدائش، جو کہ امام شناسی کا اہم ترین رکن ہے۔ (الشیبی، ۱۳۸۰، ص ۲۹)

(۴) شیعیت کے درمیان عقیدۂ مہدویت کی پیدائش، (الشیبی، ۱۳۸۰، ص ۳۰)

اس بنیاد پر اگر عاشورہ کو شیعیت کی جانب سے استکباری نظام سے بیزاری کا اعلان مان لیا جائے تو اربعین کو اس کی ظاہری شکل تسلیم کرنا ہوگا۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے کو "قَتِیلُ الْعَبَرَہ" [۱] یعنی کشتۂ عبرت (آنسو) کہا ہے۔ (ابن شہرآشوب، ۱۳۷۶، ج۳ ص۲۳۹)

کیونکہ جب کوئی مؤمن آپ کو یاد کرے گا، تو عبرت حاصل کرے گا۔ لہٰذا حضرت اباعبداللہ علیہ السلام کی عزاداری، ہر دور میں شیعوں کے لئے باعثِ عبرت اور آپ کا راستہ تاریخ میں، ظلم سے بیزاری کا اعلان ہے۔ مثال کے طور پر سماجی تبدیلیوں کے ظہور میں مذہبی انجمنوں اور مجالس عزاء کے کردار کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے جس کا روشن ترین نمونہ، اسلامی انقلاب ہے۔ (ر۔ک، جعفریان، ۱۳۸۱) یہی وجہ تھی کہ عراق کے بعثی نظام (صدام) کے زمانے میں اربعین پر پابندی لگا دی گئی تھی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت اباعبداللہ علیہ السلام کی عزاداری میں استکباری نظام سے ٹکرانے کی ظرفیت پائی جاتی ہے۔ اسی لئے اربعین میں کروڑوں شیعہ، ایک دوسرے کے ساتھ شانہ سے شانہ ملا کر سید الشہداء علیہ السلام کا راستہ طے کرتے ہیں اور "هَيهَاتَ مِنَّا الذِّلَّة" کا نعرہ لگاتے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس پیادہ روی کی تقریب میں شرکت کرنے والوں میں استکبار سے ٹکرانے کا بھرپور جذبہ پایا جاتا ہے۔

۴/۲۔ وحدت اور اسلامی بیداری

ظاہری نظر میں، عاشورہ ایک تحریک تھی جو حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کے ۷۲ ساتھیوں کے بدست، سنہ ۶۱ ہجری کے محرم میں، کربلا کے میدان میں انجام پائی جہاں امام اور آپ کے باوفا اصحاب شہید کر دئے گئے اور آپ کے گھر والوں کو قیدی بنالیا گیا۔ لیکن حقیقت میں یہ واقعہ، ایک تحریک کی چنگاری بن گیا اور صدیوں سے شیعوں اور حضرت اباعبداللہ علیہ السلام کے عاشقوں کے لئے اتحاد کا مرکز ہے۔ نیکلس اس کے بارے میں لکھتا ہے: "کربلا کا حادثہ، اموی خاندان کے لئے ندامت کا باعث بنا؛ کیونکہ اس واقعہ نے شیعوں کو متحد کر دیا اور سب امام حسین علیہ السلام کے خون کا بدلہ لینے کے لئے ہم صدا ہو گئے اور ان کی آواز کی گونج ہر جگہ، بالخصوص عراق اور ایران تک پہونچی۔" (حسن ابراہیم حسن، ۱۳۶۶، ج۱، ص۳۶۵)

تقریبات کا ایک اثر اجتماعی وحدت ہے۔ سماجیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے ایک سماجی تحریک کی عملی کامیابی دوسری تحریکوں کے لئے آئیڈیل ہوتی ہے اور انھیں اپنے راستہ کی طرف جذب کرتی ہے۔ (گیڈنز،

۱۔ "اَنَا قَتِيلُ العَبَرَةِ لَايَذكُرُنِي مُؤمِنٌ اِلَّا اَستَعبَرَ"؛ میں کشتہ عبرت (اشک) ہوں، جب بھی کوئی مؤمن مجھے یاد کرے گا گریہ کرے گا۔ (ابن شہرآشوب، ۱۳۷۶، ج۳، ص۲۳۹)

۱۳۷۶، ص۱۴۹) سماجی ہم آہنگی اور گروہی اتحاد، امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کا اہم ترین اثر ہے۔ اگر گیڈنز کا فارمولا مان لیا تو اس صورت میں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہر تقریب کے دو اثر (عیاں اور پنہاں) ہوتے ہیں۔ (گیڈنز، ۱۳۷۶، ص۴۹۷) سماجی ہم آہنگی اور گروہی اتحاد کو امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کا پنہاں اثر مانا جائے گا اور اربعین کی تقریب میں یہ اثر، سیاسی اتحاد اور بین الاقوامی یکجہتی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اسلام نے اجتماع اور وحدت کلمہ کے سلسلہ میں بے حد تبلیغ کی ہے اور اس پر عمل کیا ہے؛ یعنی ایسے ایام کی معرفی کی ہے جو وحدت کی تحکیم کا باعث ہیں جیسے عاشورہ اور اربعین۔'' (خمینی، ۱۳۸۹، ج۱۵، ص۴۳۸)

آخری چند سالوں میں، اسلامی ممالک کے سیاسی اور حکومتی ڈھانچے میں تبدیلی ہوئی ہے جس کو ''اسلامی بیداری'' کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسلامی بیداری، اسلام کے ایسے سچے اصولوں کی طرف رجوع کرنا اور ظالم کے خلاف قیام ہے جن اصولوں سے معاشرے کے جسم میں شجاعت، عزت، ظلم کی مخالفت کی روح پیدا ہوتی ہے۔ (سعیدی، ۱۳۹۱، ص۸۹) اسلامی بیداری کی پہلی لہر ۱۹۷۹ میں ایران میں شروع ہوئی بعد میں جس کے اثرات دوسرے اسلامی ممالک پر پڑے۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے ''کُلُّ یومٍ عَاشُورا وَ کُلُّ اَرْضٍ کَرْبَلا'' کا قانون پوری دنیا میں عام کیا اور آپ کا انقلاب دوسرے اسلامی ممالک میں تبدیلیوں کا باعث بنا۔ ایران کے اسلام انقلاب کے بعد لبنان کی مزاحمتی تحریک آج تک جاری ہے اور اسلامی بیداری کی علمبردار ہے۔ اسلامی بیداری کی یہ موج آخری دہائی میں بہت سے ممالک از جملہ مصر، لیبیا، تیونس اور یمن میں کامیاب ہوئی جس کے نتیجہ میں ان ممالک کے مغرور حاکموں کی حکومت کا تختہ پلٹ گیا۔ (بذر افکن اور ان کے معاونین، ۱۳۹۱، ص۳۲۹) ان تحریکوں کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ سماجی ہم آہنگی اور سیاسی اتحاد ہی ان کی اصل بنیاد ہے۔ مجالس اور مذہبی تقریبات کا انعقاد اسلامی تحریکوں کی اصلی وجہ ہے۔ (امین، ۱۳۹۵، ص۵۳) اربعین کی تقریب میں، اسلامی بیداری کا ایک خاص جلوہ نظر آتا ہے۔ شرکت والوں کی طرف سے ''هَیهَات مِنّا الذّلة'' اور آل سعود اور تکفیریوں اور داعشیوں پر مردہ باد کا نعرہ لگایا جانا، مجاہد مجتہدین کی تصویروں کو ہاتھوں میں لیکر راستہ طے کرنا؛ مثلاً بحرین کے لوگوں کا آیت اللہ عیسیٰ قاسم اور نیجیریہ کے لوگوں کا شیخ زکزاکی و۔۔۔ کی تصویر ہاتھ میں اٹھانا، یہ ساری چیزیں اربعین کی پیادہ روی میں اسلامی بیداری کا مظہر ہیں۔

۴/۳۔ امنیت اور تحفظ پیدا ہونا

پہلے بیان کیا گیا ہے کہ اربعین کی پیادہ روی کا ایک اثر، لوگوں کے درمیان ایک قسم کا جدید سماجی نظام پیدا ہونا ہے۔ اسی اثر کو جب قومی سطح پر دیکھا جاتا ہے تو اسی کو سیاسی اثر کہا جاتا ہے ہے۔ یعنی ایک بہت بڑے اجتماعی

گروہ کی معاشرت اور زندگی جو ان کے اجتماعی نظم کا سبب ہوتی ہے اور جب یہ اثر قومی سطح پر پہونچتا ہے، تو امنیت اور ثبات کی پیدائش کا ذریعہ ہوتا ہے اور یہ امنیت کسی حکومت اور انتظامیہ کی منصوبہ بندی کے بغیر وجود میں آتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ اس صورت میں اجتماعی جہت، سیاسی خلل اور عمومی نظم کو بگڑنے سے روکتا ہے، سید الشہداء علیہ السلام کے زائروں کے اخلاق اور اسلامی حقوق کی پابندی اس خصوصیت کی اصل جڑ ہے۔ تحریک عاشورہ کے سیاسی اثرات کے بارے میں جو کہا گیا ہے اس کی بناء پر اربعین کو عصر حاضر کا عظیم ترین امنیتی مشق کہا جا سکتا ہے۔ ایسی مشق جس میں ۲۰/ ملین لوگ شامل ہوتے ہیں، کسی فوجی تنظیم میں رکنیت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس قلبی لگاؤ کی خاطر اس مشق میں شامل ہوتے ہیں جو ازل اور ابد سے ان کے اندر پایا جاتا ہے۔

امنیت کے سلسلہ میں دو اہم گفتار کا مشورہ دیا جا سکتا ہے: مثبت گفتار اور منفی گفتار۔ منفی گفتار میں شدت اور سختی ہوتی ہے لیکن مثبت گفتار میں نرمی اور نزاکت۔ (افتخاری، ۱۳۸۷، ص۱۶۸) اربعین کی پیادہ روی میں منفی گفتار کے بر خلاف اجتماعی امنیت حاصل ہوتی ہے کہ جس کا بنیادی اثر سماج اور اربعین کے اجتماع میں پایا جاتا ہے۔ مثبت گفتار میں نرمی اور نزاکت کا ہونا، علاقہ میں امنیت کے ظہور کا باعث ہوتا ہے۔ (محمد سیرت، ۱۳۹۵، ص۲۱) اس بنیاد پر، اربعین کی تقریب، کسی طاقت اور زور و زبردستی کے استعمال کے بغیر، امنیت پیدا ہوتی ہے جس کی مثال پوری دنیا میں کہیں نہیں پائی جاتی۔

نتیجہ اور تجویز

اس مقالہ میں جو باتیں لکھی گئیں ان کے مطابق اربعین حسینی کی پیادہ روی، تشیع کی بلندی اور کمال کا موثرترین راستہ ہے۔ یہ تقریب کروڑوں شیعوں کی شرکت کے ساتھ عراق میں انجام پاتی ہے اور مختلف پہلوؤں میں موثر بھی ہے۔ اگر تحریک عاشورہ اور عزاداری کا معنوی اور مذہبی پہلو دیکھا جائے تو سماجی اور سیاسی حوالہ سے امام حسین علیہ السلام کی اس تحریک اور اربعین کی پیادہ روی میں یہ اثرات پائے جاتے ہیں:

(۱) ایک طرح کی سیاسی اور سماجی مشق ہوتی ہے کہ جس کے ذریعہ شیعوں کا اتحاد، امنیت، قدرت اور مقصد، دنیا والوں تک پہونچتا ہے اور اس کا اثر دوسری قوم پر پڑتا ہے۔

(۲) ایک ایسی سماجی اور سیاسی عبادت ہے جو شیعوں کے لئے سکون و اطمینان، شناخت، وحدت اور ایک دوسرے سے نزدیک ہونے کا باعث ہے اور یہ چیز اندرونی اور بیرونی سطح پر، اسلام اور تشیع کے لئے کمال کا سبب بنتی ہے۔ اسی لئے اس مقالہ میں اربعین کے اثرات کی بحث دو مدار (سیاسی اور سماجی) پر ہوئی نیز سماجی اور سیاسی علوم کے مطالعات کے در پے اس کے تاثیر کی بحث کی گئی جس کے تجزیہ سے چند سماجی اور سیاسی اثرات سامنے

آئے ہیں، سماجی اثرات میں شناخت، اسلامی طرز زندگی کی تشکیل، اصلاح معاشرہ، ظہور کی تیاری، سماجی اور فردی مشکلات اور مصائب سے نجات اور جدید سماجی نظام کی پیدائش۔

اور سیاسی اثرات میں ظلم اور استکبار کی مخالفت، اسلامی بیداری اور اتحاد، امنیت وغیرہ کو شمار کیا جا سکتا ہے۔ مقالہ میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے، اثرات کا صرف مختصر تجزیہ کیا گیا ہے لیکن محققین کے لئے اس کی تحقیقی فضا بہت وسیع ہے۔ اس کے علاوہ اربعین کی پیادہ روی کے اور بہت سے اثرات ہیں جن کو مقالہ کی محدودیت کی وجہ نہیں بیان کیا گیا ہے۔

آخر میں اربعین کی پیادہ روی کے اثرات کو مزید بہتر بنانے اور مطلوبہ منزل کو پانے کے لئے چند تجاویز پیش کی جارہی ہیں، از جملہ:

۱۔ اربعین کی پیادہ روی کے نواقص کو دور کرنے کے لئے عالمی سطح پر یونیورسیٹیوں اور تحقیقی مراکز میں شعبے قائم کئے جائیں تاکہ ظرفیت کی شناخت کرکے مذہبی اور قومی پہلوؤں سے منصوبہ بندی کی جاسکے۔

۲۔ نابغہ افراد کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو ہر سال اربعین کی پیادہ روی اور مواکب کے بانیوں کے لئے منصوبہ بندی کرے۔

۳۔ اربعین کے ہیڈ کوارٹر کو سماجی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی حوالہ سے عالمی سطح پر پورے سال سرگرم رہنا چاہیئے۔

۴۔ اربعین کی پیادہ روی کو عالمی سطح کی میڈیا پر مکمل طور پر کوریج کرنا چاہیئے اور زائرین کی تعداد بڑھانے کے لئے سیٹلائٹ نیٹ ورک تاسیس کیا جانا چاہیئے۔

نابغہ افراد کے ذریعہ ثقافتی خوراک آمادہ کرکے تقسیم کیا جائے تاکہ شرکت کرنے والوں کی بصیرت اور سیاسی سوجھ بوجھ میں اضافہ ہو؛ اور۔۔۔

کتابنامہ

قرآن کریم

ابن بابویہ، محمد بن علی (۱۴۱۳ھ) من لایحضرہ الفقیہ، قم: انتشارات اسلامی

ابن جوزی، عبدالرحمٰن بن علی (۱۴۱۲ھ) المنتظم فی تاریخ الملوک والأمم، بیروت، دارالکتب العلمیہ

ابن شہرآشوب، محمد بن علی (۱۳۷۶ھ) مناقب آل ابیطالب، نجف: مطبعہ الحیدریہ

ابن طاووس، غیاث الدین بن عبدالکریم (۱۳۹۲ھ) فرحہ الغری، قم: شریف رضی

ابن قولیہ، جعفر بن محمد (۱۳۷۵ھ) کامل الزیارات، تہران، نشر صدوق

افتخاری، اصغر (۱۳۸۷ھ) انقلاب اسلامی وامنیت ملی، درآمدی بر تحول گفتمانی۔
راہبردی امنیت ملی در جمہوری اسلامی ایران» گفتارہ ای درباره انقلاب اسلامی ایران، تہران، دانشگاہ امام صادق علیہاالسلام
امین، محسن (۱۳۹۵) پیادہ روی اربعین بہ مثابہ ارتباطات آیینی شیعی، پایان نامہ کارشناسی ارشد، دانشگاہ امام صادق علیہ السلام
بذرافکن، مجید؛ جاودانی مقدم، مہدی (۱۳۹۱) بیداری اسلامی و جنبش اسلامی درخاورمیانہ»، بیداری اسلامی در نظروعمل، تہران: دانشگاہ امام صادق علیہ السلام
براکت، اسکار (۱۳۶۳) تاریخ تیاتر جہان، تہران: نشر نقرہ
بشیر، حسن (۱۳۹۱) تعزیہ، تہران: دانشگاہ امام صادق علیہ السلام
بلوشر، پیرت (۱۳۶۳) سفر نامہ بلوشر، ترجمہ کیکاووس جہانداری، تہران: خوارزمی
ترنر، جاناتان، اچ (۱۳۷۸) مفاہیم وکاربردہای جامعہ شناسی، ترجمہ محمد فولادی و محمد عزیز بختیاری، قم: موسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی رحمہ اللہ علیہ
توسلی، غلام عباس (۱۳۶۹) نظریہ ہای جامعہ شناسی، تہران: سمت
توسلی، غلام عباس (۱۳۸۱) جامعہ شناسی دینی، تہران: سخن
جان احمدی، فاطمہ (۱۳۸۸) "انگارہ ہای فرہنگی عاشورا در فرہنگ سازی انقلاب اسلامی ایران»، مجموعہ مقالات دومین کنگرہ سراسری عاشوراپژوہی، سازمان اوقاف وامور خیریہ
جعفریان، رسول (۱۳۸۱) تأملی درنہضت عاشورا، قم: انصاریان
جوادی آملی، عبداللہ (۱۳۹۴) ادب فنای مقربان—جلداول: شرح زیارت جامعہ کبیرہ، قم، اسراء
حرّعاملی، محمد بن حسن (۱۴۱۶) وسائل الشیعہ، قم، مؤسسہ آل البیت علیہم السلام لاحیاء التراث،
حسن، حسن ابراہیم (۱۳۶۶) تاریخ سیاسی اسلام، ترجمہ ابوالقاسم پاینده، تہران: جاویدان
حسینی، فریدہ سادات؛ مزیدی، محمد؛ حسین چاری، مسعود (۱۳۸۹) " پیش بینی سبک ہای ہویت براساس جہت گیری ہای مذہبی درمیان دانشجویان دانشگاہ شیراز»، اندیشہ ہای نوین تربیتی، دورہ ۶، شمارہ ۱
خمینی، سیدروح اللہ (۱۳۸۹) صحیفہ امام، تہران: مؤسسۂ تنظیم ونشر آثار امام خمینی رحمہ اللہ علیہ
خواجہ نوری، بیژن؛ روحانی، علی؛ ہاشمی، سمیہ (۱۳۸۹) " سبک زندگی وہویت ملی (مطالعہ موردی: دانش آموزان دبیرستان ہای شہر شیراز)»، مطالعات ملی، شمارہ ۱۱
خواجہ نوری، بیژن؛ کریمی، ماندانا؛ نجستہ، سعاد (۱۳۹۴) " بررسی رابطہ فرآیند جہانی شدن فرہنگی وہویت مذہبی درایران»، تحقیقات فرہنگی ایران، شمارہ ۲۹

دربندی، فاضل (۱۳۹۲) اسرارالشہادہ، تہران: طوبای محبت
دغاقلہ، عقیل (۱۳۸۶) ''نسبت سنجی ہویت ہای اجتماعی والگوہای ہویت یابی درجہان امروز»، راہبرد، شمارہ ۴۵
دورانت، ویل (۱۳۳۱) تاریخ تمدن، ترجمۃ احمد آرام، تہران: سینا
دہخدا، علی اکبر (۱۳۷۲) لغت نامہ دہخدا، تہران: موسسہ انتشارات وچاپ دانشگاہ تہران
ذہنی تہرانی، سید محمد جواد (۱۳۸۹) ترجمہ کامل الزیارات، تہران: پیام حق
رحمانی، جبار (۱۳۹۲) مطالعات جامعہ شناختی وانسان شناختی مناسک عزاداری محرم، تہران: خیمہ
رستمی، حیدر علی (۱۳۸۸) '' نقش قیام عاشوراوانتظار موعود درتداوم وپویایی فرہنگ تشیع»، مجموعہ مقالات دومین کنگرہ سراسری عاشورپژوہی، سازمان اوقاف وامور خیریہ
رضوی زادہ، ندا (۱۳۹۶) '' ادراک و تجربہ زیستہ زائران پیادہ ایرانی درعراق (مطالعہ موردی: پیادہ روی اربعین آذر - ۱۳۹۳عراق)»، مطالعات وتحقیقات اجتماعی درایرن، دورہ ششم، شمارہ ۴
رودنبولر، اریک دبلیو (۱۳۸۷) ارتباطات آیینی؛از گفتگوہ ایروزمرہ تاجشن ہای رسانہ ای شدہ، ترجمۃ عبداللہ گیوبان، تہران: دانشگاہ امام صادق علیہ السلام
سبحانی، جعفر (۱۳۸۵) فروغ ابدیت: تجزیہ و تحلیل کاملی اززندگی پامبراکرم صلی اللہ علیہ و آلہ، قم: بوستان کتاب
سعیدی، روحال امین (۱۳۹۱) '' بیداری اسلامی: طراحی یک چارچوب نظری»، بیداری اسلامی در نظر و عمل، تہران: دانشگاہ امام صادق علیہ السلام سیوری، راجر (۱۳۹۵) ایران عصر صفوی، تہران: نشر مہر
الشیبی، مصطفی کامل (۱۳۸۱) تشیع وتصوف، ترجمہ علی رضاذکاوتی، تہران: امیر کبیر
طالبی، ابوتراب؛براق علی پور، الہہ (۱۳۹۴) ''گونہ شناسی زیارت ودینداری زائران معناکاوی کنش زیارت زائران امام رضاعلیہ السلام»، علوم اجتماعی، شمارہ ۶۹
طبرسی، حسن بن فضل (۱۳۶۸) مکارم الاخلاق، قم: الشریف الرضی
طوسی، محمد بن حسن (۱۴۱۱ھ.ھ.) مصباح المجتہد، بیروت: موسسہ فقہ الشیعہ
طوسی، محمد بن حسن (۱۳۶۴) تہذیب الاحکام، تہران: دارالکتب الاسلامیہ
فلانگان، ک. (۱۳۹۴) آیین درفرہنگ علوم اجتماعی (باتاکید برمفاہیم دینی)، ترجمہ محمد قلی پور، مریم ابراہیمی، ثمین نیازی، مشہد: شاملو

قوام، میر عظیم (۱۳۸۴) نقش امداد ہای الہی و معنویت در تحولات سیاسی، تہران: سازمان عقیدتی وسیاسی نیروی انتظامی
گیدنز، آنتونی (۱۳۷۶) جامعہ شناسی، ترجمۃ منوچہر صبوری، تہران: نشرنی
گیدنز، آنتونی (۱۳۷۸) تجدد و تشخص: جامعہ وہویت شخصی در عصر جدید، ترجمۃ ناصر موفقیان، تہران: نشرنی
لانکوار، روبر (۱۳۸۱) جامعہ شناسی جہانگردی و مسافرت، تہران: انتشارات دانشگاہ شہید بہشتی
مجلسی، محمد باقر (۱۳۶۳) بحار الانوار، قم: دار الکتب الاسلامیہ
محسنیان راد، مہدی (۱۳۸۶) "مدیریت ہیأتی در سازمان وتأثیر آن بر فعالیت روابط عمومی»، رسانہ، سال ہجدہم، شمارہ ۷۰
محمدی سیرت، حسین (۱۳۹۵) " اربعین، منسک اجتماعی در قوارہ ای تمدنی: ظرفیت ہاو زیر سیستم ہای تمدنی»، مطالعات مسجد و مہدویت، شمارہ دوم، پاییز و زمستان ۱۳۹۵
مفید، محمد بن محمد (۱۴۱۴ھ.) مسار الشیعہ، قم: دار المفید
مکارم شیرازی، ناصر (۱۳۷۴) تفسیر نمونہ، تہران: دار الکتب الاسلامیہ
مندراس، ہانری (۱۳۸۴) مبانی جامعہ شناسی، ترجمہ باقر پرہام، تہران: امیر کبیر
نوری، حسین بن محمد تقی (۱۴۱۸ھ.) مستدرک الوسائل، قم: موسسہ آل البیت علیہم السلام لاحیاء التراث
والہ اصفہانی، محمد یوسف (۱۳۸۱) ایران در زمان شاہ صفی وشاہ عباس دوم، تہران: انجمن آثار ومفاخر فرہنگی
یوسفی غروی، محمد ہادی (۱۳۸۸) تاریخ تحقیقی اسلام (موسوعۃ التاریخ الاسلامی)، قم: موسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی رحمہ اللہ علیہ
یوسفی، علی؛ صدیق اورعی، غلام رضا؛ کمنسال، علیرضا؛ مکری زادہ، فہیمہ (۱۳۹۱) «پدیدار شناسی تجربی زیارت امام رضا علیہ السلام»، مطالعات اجتماعی ایران، سال سوم، شمارہ ۳
خبر گزاری رسمی جمہوری اسلامی، نشانی اینترنتی: http://www.irna.ir کد خبر: ۸۱۸۶۴۰۱۴
تاریخ ۱۲/ ۹/ ۱۳۹۴

Bacock, R. (۱۹۷۴). Ritual in Industry Society, London: Allen and ynwin

Barber, B. L., Stone, M. r., Hunt, J. E., Eccles, J. S. (۲۰۰۵). "Benefits of Activity Participation: the role of Identity Affirmation and peer Group Norm

Sharing" Organized activities as context of development, Mahwah, New Jersey: Lawrence Erlbaum Associates Publishers

Haggard, L. M., Williams, D. R. (۱۹۹۲). "Identity affirmation through leisure activities: leisure symbols of the self", Journal of Leisure Reserch, No. ۲۴

Kanekar, A. Arati, K. (۱۹۹۲). "Celebration of place; Processional Rituals and Urban Form", Massachusetts Institute of Technology, Department of Architecture, No. ۲۰

Weber, M. (۱۹۷۰). The social psychology of the world religions, London: Routledge

Yinger, M. (۱۹۷۰). The Scientific Study of Religion, London: Routledge.

Taheri, B. (۲۰۱۶). "Emotional. Connection, Materialism, and Religiosity: An Islamic tourism experience" , Journal of Travel & Tourism Marketing, No. :۷ ۱۰۱۱_۱۰۲۷

Christia, F., Dekeyser, E. and Knox, D. (۲۰۱۶). To Karbala: Surveying Religious Shi'a from Iran and Iraq, MIT Political Science Department Research Paper No. ۲۰۱۶_۳۹. Available at SSRN: https://papers.ssrn.com/sol ۳/papers.cfm?abstract_id=۲۸۸۵۳۴۷

Eade, J. (۱۹۹۲). Pilgrimage and Tourism at Lourdes, France, Annals of Tourism

Research, No.1 .۱۸-۳۲۱

سلام حسینؑ

شاہد ندیمؔ

شہ کے غم کو جس نے اپنے دل کے اندر رکھ دیا
اس نے پھر جنت میں اپنا گھر بنا کر رکھ دیا
گلشنِ زہرا کا شہ نے ہر گل تر رکھ دیا
کربلا کی خاک پر جنت کا منظر رکھ دیا
حشر تک اسلام زندہ رہ سکے بس اس لئے
شہ نے اپنے سر کو خود نیزے کے اوپر رکھ دیا
کاٹ کر ظالم کی بیعت کا گلا شبیر نے
ہر دل مظلوم کے قدموں میں لاکررکھ دیا
کربلا تیری جھلستی ریت پر شبیر نے
سجدۂ شکر خدا بہتر سے بہتر رکھ دیا
پیاس کی شدت نے نہر نہر علقمہ کے سامنے
ایک چلو میں جہاں کا ہر سمندر رکھ دیا
لہجۂ حیدر سے اپنے شام کے دربار میں
ثانیِ زہرا نے دشمن کو ہلا کر رکھ دیا
نصرت شہ کیوں نہ ملتی نقرہ ای احساس سے
جب جناب حر نے سر قدموں کے اوپر رکھ دیا
مذہب اسلام کی ہر اک خوشی کے واسطے
شہ نے اپنے غم کو سینے میں چھپا کر رکھ دیا
اے عزادار حسینی تیری الفت کو سلام
تونے شہ کے غم کو ہر آنسو کے اندر رکھ دیا
خون زہر ا نے جلا کر دین احمد کا چراغ
عالم اسلام کے ہر گھر کے اندر رکھد یا

تخت شاہی کا تصور ہی نہیں اسلام میں
اس لئے خم میں نبی نے ایک منبر رکھد یا
حشر تک محفوظ کرکے مذہب اسلام کا
کربلا کی ریت پر شہ نے مقدر رکھ دیا
جس نے بھی پوچھا نسب میرا تو اس کے ہاتھ پر
اپنی پلکوں سے اٹھاکر ایک گوہر رکھ دیا
اے منافق تیری قسمت میں نہ تھا اشک عزا
ہم عزاداروں نے کو زے میں سمندر رکھ دیا
یہ غم سرور کا ہی فیضان ہے تجھ پر ندیم
جو تیرے سینے میں خوشیوں کا سمندر رکھ دیا

Advisory Board

Prof. S.M. Azizuddin Husain, Prof. Akhtarul Wasey
Prof. Syed Ali Mohd Naqvi, Prof. S.Tayyab Raza Naqvi

Editorial Board

Prof. Syed Akhtar Mahdi Rizvi, Dr. Haider Reza Zabit, Dr. Ali Reza Qazveh

Chief Editor

Dr. Mohd Ali Rabbani

Editor

Prof. Syeda Bilqis Fatema Husaini

Joint Editor

H.I.W. Maulana Syed Ghulam Husain Rizvi

ISSN : 2349-0950
Printed at: Alpha Art, Noida, U.P.

Iran Culture House
18 Tilak Marg, New Delhi-110001
Phone No: 23383232, 33, 34 Fax: 23387547
Email: ichdelhi@gmail.com, Website: newdelhi.icro.ir

RAH-E-ISLAM

An Urdu Quarterly Research Journal
of
Islamic and Cultural Studies

NO : 256

Special Issue
Tahrek-e-Aashoora

2022

Iran Culture House
18 Tilak Marg
New Delhi-110001

ISSN: 2349 - 0950

RAH-E-ISLAM

An Urdu Quarterly Research Journal of Islamic and Cultural Studies
No. 256, Jan-March 2022.(Special Issue) R.N.I. No. 4914788

Special Issue on Aashoora

- The causes of Imam Husain's Appraisal
- The Ashura Movement & Our Religious & Political Understanding
- Imam Husain's Movement for Reform within Ummah
- Reform of Ummah: The ultimate goal of Karbala
- Azadari as a Rituals with ethics
- The Messages of Karbala
- Karbala, A Tragedy, An immortal Movement
- Ashura Movement as per Arabic & English Orientalists
- The Arbaeen Walk & its Social & Political impacts - An Analysis